بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَسۡئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ الشیخ محمد حسین النجفی

مدظلہ العالی علیٰ رؤس المومنین

۴۵۰ سے سوالات

اور انکے

شافی وکافی جوابات

مرتب و ناشر

آغا محمد شعیب الحسن قمی بونگہ جھمٹ ضلع سرگودھا

پرنسپل مدرسہ قرآن و عترت

قائم خان وسان جھنگو خیرپور میرس (سندھ)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب : آیت اللہ علامہ الشیخ محمد حسین النجفی سے ۴۵۰ سوالات

زیر نگرانی : آیت اللہ علامہ الشیخ محمد حسین النجفی

مرتب : آغا محمد شعیب الحسن قمی بونگہ جھمٹ ضلع سرگودھا

0305-2973894 / 0303-3235728

کمپوزنگ : سجاد حیدر دیوال (خوشاب)

0302-8067005 / 0344-9819912

تعداد : ایک ہزار

اشاعت : جنوری 2020ء

ہدیہ : 300 روپے

ملنے کے پتے

مکتبۃ السبطین جامعہ سلطان المدارس الاسلامیہ زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

رابطہ کے لئے: اقبال حسین موبائل: 0300-5379405

کریم پبلیکیشنز، لاہور

مکتبہ جعفریہ کربلا خوشاب

العمران بک ڈپو لاری اڈا گروٹ مولانا ظفر اقبال ساقی 0306-5094512

نینوا بک سنٹر بستی توحید مولانا ارشاد حسین توحیدی

فرات بک سنٹر لیہ مولانا ارشاد حسین توحیدی 0349-7183115

حیدر اسلامک بک سنٹر جامعۃ المنتظر لاہور

الرضا اسلامک بک سنٹر ڈیرہ غازی خان نزد امام بارگاہ رضویہ

حیدری بک ڈپو سندھ کوٹ بنگلو خیرپور میرس

حصہ اول

صفدر حسین ڈوگر کے ۱۵۰ سوالات

انتساب

طبع اوّل
سرمایہ ملّت جعفریہ
حجۃ الاسلام مولانا سیّد صفدر حسین نجفی کے نام

جن کی خدمت و معیّت میں گزرے ہوئے لمحے
میری زندگی کا حاصل ہیں اور جن کی فطری سادگی
ظاہر سے پاکیزہ باطن اور عملی زندگی سے متاثر ہو کر
اسلامیہ کالج لاہور کا طالب علم ۔ایک زمیندار خاندان کا فرد
شہید حَسبُنا اور لوحِ دِل لکھنے والا
شاعرِ آلِ عمرانؑ صفدر حسین ڈوگر
بن گیا
اُنہیں شاید یقین نہ آئے لیکن سوالات میں نے ہی کئے ہیں

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

صفدر حسین ڈوگر

انتساب

طبع دوم

اپنے برادرِ روحانی اور حجۃ الاسلام مولانا سیّد صفدر حسین نجفی کے
پیارے بیٹے

سیّد محمد مہدی نقوی کے نام

جو حصول علم کے لیے حوزہ علمیّہ قم گیا اور نجف آباد
میں ایک حادثے کی نذر ہو گیا

ع شباب سیر کو آیا تھا سوگوار ہو گیا

صفدر حسین ڈوگر

لوحِ دِل

مولانا محمد حسین ڈھکو سے "ایک سو سوال" ۔ ۔ ۔ ۔آپ کی نذر سے بغیر کسی ملکی یا غیر ملکی امداد کے میں نے مولانا محمد حسین ڈھکو کے خلاف بہت کچھ لکھا ۔ اپنے نام سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوستوں کے نام سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الذّاکر اور القائم کے شماروں میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھرپور لکھا اور آج اس انٹرویو کا دیباچہ لکھتے ہوئے بھی ان تحریروں کے لکھنے سے مجھے انکار نہیں ہے ۔

☆ بہت سی نامور شخصیّتوں کے عملی تضاد نے میری جستجو بڑھائی ۔ دُنیا میں سب سے بڑا کام انسان میں جھانکنا ہے ۔ حکیم عرب علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کہا تھا کہ "جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا" ۔

جب انسان اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا تو دوسرے کو کیا پہچانے گا اور جب یہ عمل محمدؐ و آلِ محمدؑ تک لے جائے گا تو اس کے اعصاب شل ہو جائیں گے ۔

☆ کیا مولانا محمد حسین ڈھکو محمدؐ و آلِ محمدؑ کی توہین کے مرتکب ہیں؟

☆ کیا اِن کے ذہنی پس منظر میں واقعی محمدؐ و آلِ محمدؑ کی تنقیص شامل ہے؟

☆ کیا وہ گوشت پوست کے انسانوں جیسے انسان نہیں کہ پوچھا ہی نہ جائے کہ آپ کے دِل میں کیا ہے؟

☆ فوٹو اسٹیٹ کا زمانہ ہے ۔ ریال، تومان، دینار، ڈالر، روپیہ جس کاغذ پر جس کے نام ہو لکھا ہوا مل جاتا ہے ۔ آیئے دیکھیں مولانا کس کے لئے کیوں

CS CamScanner

اور کیسے کام کر رہے ہیں؟

☆ سی آئی اے سے فری میسن تک، سعودیہ سے عراق تک، کویت سے ایران تک ہر دستاویز گردش میں ہے تو آیئے کوئی ثبوت قوم کو دیں کہ مولانا محمد حسین ڈھکو کس کے ایجنٹ ہیں ادارہ القائم اس دستاویز کو شکریے کے ساتھ پیش کرے گا ۔

☆ اس انٹرویو میں اس شخص کا ایک مکمل خاکہ ہے جس کے نام سے قوم کا ایک طبقہ "ڈھکو گروپ" کہلاتا ہے ۔

☆ اس انٹرویو کے لئے ایک ذاکر، ایک شاعر، ایک صحافی نے جتنی محنت کی ہے اس سے میرا ضمیر مطمئن ہے ۔

رائے قاری دیتے ہیں، دوسری جلد بہت جلد ہی آئے گی ۔ آپ میری سوالنامے میں مدد کر کے قوم کو اس بحران سے نکال سکتے ہیں ۔ میری ذاتی رائے یقیناً میرے اپنے لئے ہے ۔ اور بات جب عقیدے کی ہو تو سلمانؓ و ابوذرؓ کے درمیان بھی تفاوت ہے ۔ لیکن شاید اس لئے دست و گریبان نہ ہوئے ہوں کہ وہ جَو کی روٹی پر قانع تھے ۔

☆ اس انٹرویو کے اصل محرک میرے محترم حجۃ الاسلام مولانا سیّد صفدر حسین نجفی ہیں ۔

جب میں ۱۹۸۴ء میں زیارات پر گیا تو قم المقدسہ میں میں مولانا محمد حسین ڈھکو کے خلاف میری ایک تحریر گردش کر رہی تھی ۔ نجفی صاحب ناراض بھی ہوئے اور کہا کہ تم خود اس شخص سے مل کر اس کا انٹرویو لو ۔ تو قارئین یہ میری ایک سال کی کاوش ہے

☆ اس انٹرویو کے جوابات لکھے جائیں گے ۔ اگر نقاد حضرات اس سلسلے میں

یہ اعزاز مجھے ہی بخشیں تو واقعی ایک سوالنامہ جو اس انٹرویو کا دوسرا رُخ ہے، میں اٹھائے ہوئے ہوں

شاعرِ آلِ عمران

صفدر حسین ڈوگر

سہجوال (قصور)

۱۲ مارچ ۱۹۸۶ء

لوحِ دِل

طبع دوم

مولانا محمد حسین ڈھکو سے "۱۵۰ سوال" آپ کی نذر ہیں ۔۱۹۸۶ء میں "۱۰۰ سوال" پیش کیا تھا اس کی اتنی پذیرائی ہوئی کہ یہ کتاب چند ہفتوں میں ختم ہوگئی ۔اس سال کے دوران اس انٹرویو پر تنقیدیں بھی کی گئیں ۔میں نے تمام تنقیدی خطوط، آراء، تاثرات جو مجھے موصول ہوئے یا میں نے سُنے انہیں سوالات کی شکل میں مولانا محمد حسین ڈھکو کے انٹرویو کے دوسرے رُخ کے بارے میں میرا کئی شخصیتوں سے رابطہ قائم ہے ۔مولانا مرزا یوسف حسین لکھنوی اور مولانا اثیر جاڑوی کا انٹرویو لے چکا ہوں جو عنقریب آپ کی نذر ہو گا ۔

۱۹۸۶ء ہی میں منتظر آرگنائزیشن کی طرف سے "خالصیت نامہ" کتاب شائع ہوئی ۔

میں نے اس سے ایک تفصیلی سوالنامہ مرتب کر کے مولانا محمد حسین ڈھکو کو بھیجا جس کا جواب انہوں نے ارسال کر دیا ۔تو اس طرح سوالات زیادہ ہو گئے اور اس کتاب میں چند سالوں سے علماء کرام زعمائے ملت کے انٹرویو قوم

کی نذر کر رہا ہوں ۔میں نے بڑی بڑی شخصیتوں کے خول اُترتے دیکھے ہیں، چہرے پہ چہرے دیکھے ہیں مگر میں نے جو سنا وہ ٹیپ کر کے شائع کر دیا ۔

میں القائم کے حوالے سے شائع ہونے والی ہر سطر کا ذمہ دار ہوں ۔میں شخصیتوں کے خیالات و افکار کا مفہوم نہیں لکھتا، حرف بہ حرف من و عن عبارت شائع کرتا ہوں ۔میں نے کبھی اِن کے خیالات کی نوک پلک درست کرنے کی جرأت نہیں کی ۔

"مولانا محمد حسین ڈھکو سے ۱۵۰ سوال" آپ کی نذر ہیں ۔آپ اس انٹرویو میں یہ محسوس کریں گے کہ یہ سوال صفدر ڈوگر نہیں کر رہا آپ خود کر رہے ہیں ۔

گذشتہ سال کی طرح امسال بھی اس انٹرویو کا نتیجہ آپ پر چھوڑتا ہوں میں ایک شاعر ہوں مجھے فرزدق، حماد و عبل سے ورثے میں ملنے والی شعاعیں یہاں تک لے آئی ہیں کہ فقیہوں کی محفل میں بُول اٹھا ہوں ۔

میرے اندر کا انسان کئی بار چیخ چیخ کر ٹوٹا اور بکھرا ہے میں لوحِ دِل لکھ کر اس شخص کو سمیٹتا ہوں مولانا محمد حسین ڈھکو سے جتنے سوال میں نے کئے ہیں وہ میرے اپنے مطالعے، مشاہدے کا نتیجہ ہیں ۔اور ایک چیز پر نازاں ہوں کہ ان سوالات کو میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کیا پوچھا ہے؟

آپ اس مطالعے کے بعد اپنی رائے سے نوازیں ۔آپ کا تاثر جو لہجہ اختیار کرے گا مجھے وہ قبول ہوگا ۔

دوسرا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد بھی میری رائے محفوظ ہے ۔

اس انٹرویو کو پڑھنے کے بعد اگر آپ کا ذوق اجازت دے تو مولونا مرزا یوسف حسین لکھنوی کا انٹرویو اس کا دوسرا رُخ ہے کا ضرور مطالعہ فرمائیں ۔آپ

کوخود محسوس کر لیں گے کہ اصل اختلاف کیا ہے؟ جو نتیجہ آپ نکالیں اگر وہ
"القائم" کوارسال کر دیں تو ہم شکریہ کے ساتھ شائع کریں گے ۔

شاعرِ آلِ عمران

صفدر حسین ڈوگر

سہجوال (قصور)

۱۲ مارچ ۱۹۸۷ء

وضاحت

اس انٹرویو کے سوالات کی ترتیب پہلے
ایڈیشن سے مختلف ہے ۔
قارئین کی سہولت کے لئے ایک موضوع اور ایک
عنوان کے تحت کئے گئے سوالات کو یکجا کیا گیا ہے
(اور ہم نے تحریر نہیں ترتیب بدلی ہے)
یہ وضاحت صرف "حوالے" سے
بات کرنیوالوں کے لئے لکھی گئی
ہے

ادارہ

سوال: آپ کا نام؟
جواب: میرا نام محمد حسین ہے ۔
سوال: آپ کے والد کا نام؟
جواب: رانا تاج الدین مرحوم ۔
سوال: آپ کی ولادت کب اور کہاں کی ہے؟
جواب: تقریباً ۱۹۳۳ء میں بمقام جہانیاں شاہ ضلع سرگودھا ۔
سوال: آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں اور کن اساتذہ سے حاصل کی؟
جواب: ابتدائی تعلیم میں نے ثانوی حد تک تو حکومت ہی کے سکولوں سے حاصل کی اس کے بعد میں نے عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دینی مدرسوں سے رجوع کیا ۔ جلالپور ننگیانہ ضلع سرگودھا میں حسین بخش صاحب قبلہ سے ابتدائی تعلیم حاصلی کی ۔ اِس کے بعد بدھ رجبانہ ضلع جھنگ میں استاد العلماء قبلہ مولانا محمد باقر اعلیٰ اللہ مقامہٗ سے تعلیم حاصل کرتا رہا ۔ اس کے بعد استاد العلماء قبلہ مولانا محمد یار شاہ صاحب سے تعلیم حاصل کرتا رہا ۔

بعد ازاں مولوی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کرنے کے بعد تکمیل علوم وفنون کے لئے نجف اشرف چلا گیا ۔
سوال: آپ نجف اشرف کب گئے اور کتنا عرصہ وہاں رہے اور کن کن اساتذہ سے تعلیم پائی؟
جواب: میں ۱۹۵۴ء میں نجف اشرف گیا اور ۱۹۶۰ء میں وہاں سے پاکستان آیا ۔ چھ سال تک علوم اسلامیہ کی تکمیل میں مشغول رہا ۔ اس دوران میں درس سطحیات (یعنی کفایہ، مکاسب اور رسائل) حاصل کیا ۔ اس کے بعد درسِ خارج میں شریک ہوا ۔ جن اساتذہ سے میں نے کسب فیض کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ۔

آیت اللہ سید محمود شہرودی، آغا مرزا محمد باقر زنجانی، آقا ابوالقاسم رشتی، آقائے سیّد جواد تبریزی، سرکار آیت اللہ محسن الحکیم اعلیٰ اللہ مقامہٗ
سوال: آپ کس کے مقلد ہیں؟
جواب: جب میں نجف گیا تو آقائے محسن الحکیم کی تقلید میں تھا اور جب وہاں سے فارغ ہوکر آیا تو چونکہ وہاں کے اساتذہ نے مجھے اجازہ اجتہاد دے دیا تھا ۔ اب میں کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتا بلکہ میں اپنی ناچیز تحقیق کے مطابق اپنے اعمال وعبادات قرآن اور سرکار محمدؐ وآل محمدؐ کے فرمان سے استنباط کر کے بجالاتا ہوں والحمدللہ ۔
سوال: آپ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ کس شخصیت سے متاثر ہیں؟
جواب: جہاں تک زہد وتقویٰ کا تعلق ہے میں سب سے زیادہ قدوہ السالکین سرکار پیر فضل شاہ صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ (المعروف بہ پیر سید فضل شاہ گُرڑ والے جو بعد میں ۲۱ چک سرگودھا تشریف لے آئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا) سے متاثر ہوں ۔
سوال: کیا ان کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی تھی؟
جواب: جی ہاں! مجھے ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ مجھ پر بڑی شفقت فرماتے ہیں ۔
سوال: عصرِ حاضر میں آپ کس عالم سے متاثر ہیں؟
جواب: قطع نظر علمائے عراق وایران کے کیونکہ وہاں تو ایک سے ایک بڑھ کر ہے پاک وہند کے علماء کرام میں سے میں اپنے استاد محترم حضرت مولانا سیّد محمد باقر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے بعد سیّد العلماء علامہ سیّد علی نقی صاحب قبلہ لکھنوی کے علم وفضل سے متاثر ہوں ۔

CS CamScanner

سوال: اپنی زندگی کا کوئی ایسا قومی کارنامہ جس پر آپ فخر کر سکتے ہوں؟

جواب: نہیں! میں اپنی زندگی میں کوئی ایسا کارنامہ نہیں پاتا جس پر میں فخر کر سکوں۔ ہوسکتا ہے کہ لوگ محسوس کرتے ہوں کہ میں نے کوئی قابل قدر تدریسی اور تصنیفی کام کیا ہے لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر میرا خالق و مالک کوئی کام قبول کرلے تو مجھے اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ لہٰذا میرے نزدیک میرا کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور عرض کروں گا کہ میں نے کبھی قومی مفاد سے غداری نہیں کی اور نہ کبھی اپنے ضمیر کے خلاف کوئی اقدام اور کام کیا ہے۔ اگر یہ کوئی قابل فخر کارنامہ ہے تو پھر مجھے اس پر فخر ہے۔ والحمدللہ۔

سوال: مفتی جعفر حسین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: سرکار مفتی جعفر حسین قبلہ کے بارے میں میری رائے بہت اچھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقام اس سے بلند تر ہے کہ میں ان کے متعلق کسی رائے کا اظہار کروں۔ مفتی صاحب قبلہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے جو اس دور میں بہت کم شخصیتوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ عالم باعمل تھے، باکردار تھے، سادہ منش تھے اور مخلص تھے اور نہ بکنے والے اور نہ جھکنے والے قائد تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت فردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ انہ قریب مجیب

سوال: کیا آپ ایک قومی مرکز کے حق میں ہیں؟

جواب: یقیناً اور کوئی بھی باشعور آدمی اس کی افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ: ۔

ع قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی

سوال: قوم کا مرکز کہاں ہونا چاہیئے؟

جواب: میرے خیال میں قومی مرکز کو ملک کے مرکزی دارالحکومت اسلام آباد

میں ہونا چاہیئے یا کم از کم صوبائی دارالحکومت لاہور میں ہو جہاں وسائل بھی ہیں اور ذرائع ابلاغ بھی یا پھر جہاں قائد موجود ہو۔

سوال: آپ نے اب تک کون سی کتابیں لکھی ہیں؟

جواب: جہاں تک کتابوں کا تعلق ہے اللہ کا شکر ہے کہ جب میں نجف اشرف میں پڑھتا تھا اسی وقت سے مجھے یہ شوق دامنگیر تھا۔ بعض کتابوں کے میں نے تراجم کئے اور بعض کتب تصنیف و تالیف کیں۔ جہاں تک تراجم کا تعلق ہے میں نے مفاتیح الجنان کا ترجمہ کیا تھا لیکن میرا ترجمہ ہنوز مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ لاہور سے مولانا اختر عباس صاحب کی ترجمہ شدہ کتاب مفاتیح الجنان شائع ہوگئی۔ میں نے علامہ محدّث نوری کی کتاب لولؤ والمرجان کا نجف اشرف کے قیام کے دوران ترجمہ کیا تھا۔ لیکن میں ابھی نجف میں تھا کہ سرگودہا سے اس کا ترجمہ شائع ہوگیا، میں نے اس کو بھی رکھ دیا۔

اسی طرح میں نے رسالہ منیۃ المرید کا پاکستان آکر ترجمہ کیا ابھی اس کا کچھ حصہ باقی تھا کہ اس کا ترجمہ لاہور سے شائع ہوگیا۔ میں نے وہ کتاب بھی رکھ دی۔ الغرض مجھے ترجمہ راس نہیں آیا۔ اور نجف اشرف قیام کے دوران دو مستقل کتابیں لکھیں ایک مسئلہ خلافت و امامت پر جس کا نام اثبات الامامت ہے اس کتاب پر ایران و عراق کے علماء کی تقریظیں موجود ہیں اور پاکستان کے مشہور علماء نے بھی تقریظیں لکھی ہیں۔ یہ کتاب دوبار شائع ہو کر ختم ہوچکی ہے۔ دوسری کتاب ہے "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" وہ کتاب ابھی تک بعض وجوہ کی بناء پر منصۂ شہود پر نہیں آسکی، لیکن لکھی ہوئی موجود ہے۔ اس کے بعد جب میں نجف اشرف سے پاکستان آیا تو کوئی پندرہ بیس چھوٹی کتابیں لکھی ہیں جن میں میرا رسالہ "اصلاح المجالس والمحافل" ہے،

احسن الفوائد فی شرح العقائد ہے، اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ ہے، سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین ہے، تجلیات صداقت بجواب آفتاب ہدایت، اعتقاداتِ امامیہ در ترجمہ رسالہ لیلّیہ، نماز جمعہ اور اسلام، تنزیہ الامامیہ، حرمت غنا اور اسلام اور فقہ پر ایک جامع کتاب دو جلدوں میں بنام قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ لکھی گئی ہے ۔ نیز کئی اور کتابیں زیر قلم ہیں ۔ والحمدللہ

سوال: آپ کے نقادوں کا کہنا ہے کہ آپ نے پاکستان میں وہابیت کا پرچار کیا ہے اس کی وضاحت کر دیں؟

جواب: محترم! آج چونکہ اُلٹی گنگا بہتی ہے ورنہ وہابیت اور تشیع یہ دو ضدیں ہیں جو آپس میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں ۔ آج کل کہا جاتا ہے کہ فلاں غالی شیعہ ہے اور فلاں وہابی شیعہ ۔ حالانکہ اگر کوئی شیعہ ہے تو وہ غالی نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی وہابی ہے تو وہ شیعہ نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ غلو اور تشیع آپس میں دو متضاد چیزیں ہیں جس طرح شیعیت اور وہابیت باہم متضاد ہیں ۔ عیار لوگوں کا وطیرہ ہے کہ اگر کسی کو بدنام کرنا ہو تو اُسے ایسے بُرے لفظوں سے یاد کرتے ہیں کہ لوگوں کے دِل اِس سے متنفر ہو جاتے ہیں ۔

مقام شکر ہے کہ میں نے اپنی کتابوں میں وہی نظریات پیش کئے ہیں جو ابتدائے اسلام سے لے کر اس پندرہویں صدی کے آغاز تک قرآن میں ہیں اور محمدؐ و آل محمدؐ کے فرمان میں ہیں اور جو چودہ سو سال کے شیعہ علماء اعلام کی تصنیفات وتالیفات اور ان کے کلام میں ہیں ۔

الحمدللہ! میری کتابوں میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جسے وہابیت سے منسوب کیا جا سکے ۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصلی مذہب محمدؐ و آل محمدؐ سے ناواقف ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی وہابیوں نے میری

کتابیں اپنی تائید میں پیش نہیں کیں ۔

سوال: آپ کی کتب میں نوع معصوم اور دیگر ایسے نازک مسائل پر جو بحثیں ہیں اس سے شیعہ قوم کو کیا فائدہ پہنچا ہے؟

جواب: میرے محترم! شیعہ عوام کو فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے کم از کم حق وحقیقت کا اظہار تو یقیناً ہو گیا ہے ۔ نوع معصوم کے بارے میں نے اپنی کتاب "اصول الشریعہ" میں دعویٰ کیا تھا اور الحمدللہ! اب تک میرا یہ دعویٰ ناقابل رد اور اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ یہ کہنا کہ سرکار محمدؐ وآلِ محمدؐ انسانی نوع سے تعلق نہیں رکھتے یعنی ان کی نوع انسانوں سے ماورا ہے اس نظریہ کا بانی شیخ احمد احسائی ہے اس سے پہلے کسی بھی شیعہ عالم کی کسی کتاب میں اس نظریہ کا نام ونشان تک نہیں ہے ۔

شیخ احمد احسائی پہلا انسان ہے جس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اگرچہ بظاہر محمدؐ و آل محمدؐ بنی آدم میں شامل ہیں لیکن حقیقت میں یہ بنی آدم نہیں بلکہ مافوق الانسان مخلوق ہیں اور پھر اس کے بعد اس کے چیلوں چانٹوں نے اس کے تلامذہ اور حواریوں نے اس بات کو اور ہوا دی اور عوام میں پھیلایا ۔

عام طور پر اس نوع کے مسئلے میں وہ لوگ پڑتے ہیں جن کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ نوع کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ یہ خالص منطقی بحث ہے کہ جنس کیا ہوتی ہے؟ اور نوع کیا ہوتی ہے؟ نیز عام انسانوں کو یہ بھی غلط فہمی ہے کہ اگر اہل بیتؑ کو انسان کہہ دیں گے تو پھر وہ اور ہم برابر ہو جائیں گے ۔ حالانکہ یہ بنیادی غلطی ہے ۔ دُنیا میں جتنے انواع موجود ہیں ہر نوع میں فاضل ومفضول، راجح ومرجوح اور افضل وغیر افضل کا سلسلہ موجود ہے ۔

میں نے اپنی کُتب میں تفصیلاً بڑے دلائل پیش کئے ہیں مگر اجمالاً میں یہ کہتا ہوں کہ سارے فلاسفۂ یونان، حکمائے اسلام اور علمائے اعلام کا اتفاق

CamScanner

ہے کہ خالقِ کائنات نے جس قدر بھی انواع واجناس پیدا کئے ہیں ان سارے انواعِ عالم میں سے اشرف ترین اگر کوئی نوع ہے تو وہ نوعِ انسانی ہے ۔ میں نے اپنی کتاب "اصول الشریعۃ" اور "احسن الفوائد" میں بالوضاحت لکھا ہے اور قولِ معصوم سے ثابت کیا ہے کہ یہ فرشتے ان کے خادم ہیں بلکہ ان کے صحیح محبّوں کے بھی خادم ہیں ۔ اور علامہ سیّد مہدی نے اپنی کتاب "ہدی المنصفین" میں ثابت کیا ہے کہ ایک عام مومن کامل کا مقام فرشتوں سے بلند ہے ۔ خالق بھی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ "میں نے عظمت اور بزرگی کا تاج بنی آدم کے سر پر رکھ دیا ہے" تو اس افضل ترین نوع کے اگر کوئی افضل ترین افراد ہیں تو وہ انبیاء ومُرسلین ہیں یا بالخصوص محمدؐ و آل محمد علیہم السلام ہیں ۔

میں نے لکھا ہے کہ ہمارے اور ان کے مراتب میں اتنا فرق ہے کہ کوئی نسبت ہی قائم نہیں کی جاسکتی ۔ ہم خاک ہیں وہ اکسیر، ہم جاہل ہیں وہ عالم، ہم ذرّہ ہیں وہ آفتاب ۔

الغرض ہمارے اور ان کے درمیان کوئی نسبت ہی قائم نہیں کی جاسکتی لیکن پھر بھی وہ ہیں انسان بلکہ قولِ معصوم ہے کہ حقیقی انسان تو ہیں ہی ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ ۔ ہمارے حُب دار ہم سے کچھ مشابہت رکھتے ہیں اور لوگ تو انسان کہلانے کے حق دار ہی نہیں ہیں ۔

سوال: آپ کے نقادوں کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنی تحریروں میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فضائل گھٹانے کی کوشش کی ہے جیسے اصول الشریعہ میں معصومینؑ کے ساتھ ایک مچھر کی مثال پیش کی ہے؟

جواب: معاذ اللہ! میری کتاب "اصول الشریعۃ" کا نام تو بہت سے سے لوگوں نے سُن رکھا ہے لیکن اس کو دیکھنے اور پڑھنے کی کم لوگوں کو توفیق ہوئی

ہے ۔ اس کتاب میں میں نے ایک نہیں کئی مقامات پر لکھا ہے کہ سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کی تنقیص تو بجائے خود ان کی کسی ایک مسلمہ فضیلت کا انکار کرنا ہی میرے نزدیک صرف بے ایمانی نہیں بلکہ باعث خروج از اسلام ہے ۔ یعنی ایسے آدمی کو میں مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں جو سرکارِ محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل میں سے ایک فضیلت کا بھی انکار کرتا ہو ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ فضیلت قرآن یا خود محمدؐ و آل محمدؐ کے مستند فرمان سے ثابت ہو اپنی دماغی اختراع نہ ہو ۔

کیونکہ خود ساختہ ذہنی خیال کو اہل بیتؑ کی فضیلت سمجھنا اور اس کے انکار کرنے والے کو مقصر یا وہابی یا آلِ محمدؐ کی توہین کا مرتکب قرار دینا یہ کوتاہ اندیشی ہے اور اصل میں ایسا کہنے والوں کی کم ظرفی و بے مائگی کی دلیل ہے ۔ ورنہ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی توہین تصوّر بھی نہیں کر سکتا ۔ (العیاذ باللہ)

باقی رہ گئی مچھرّ والی مثال کی بات جو آپ نے کی ہے ۔ تو بات صرف اتنی سی تھی کہ احسن الفوائد طبع اوّل کے صفحہ ۴۴۵ پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے لکھا تھا (وہ سوال یہ تھا کہ جب خلق ورزق وغیرہ کا کام فرشتے انجام دے سکتے ہیں تو اہل بیتؑ تو مخدوم ملائکہ ہیں وہ یہ کام کیوں انجام نہیں دے سکتے؟) تو اس کے جواب میں میں نے چند جوابات لکھے تھے ۔ ان میں سے ایک جواب یہ دیا تھا کہ اہل بیتؑ تو اشرف الخلائق ہیں ان کی تو بات اور ہے ۔ لیکن یہ خلق ورزق تو اتنے معمولی کام ہیں کہ اگر خدا چاہے تو ایک مچھر سے بھی یہ کام انجام دلوا سکتا ہے ۔

لہٰذا کسی کام کا انجام دے سکنا اور بات ہے اور اس کو بطور وظیفہ اور فرض منصبی سمجھ کا انجام دینا اور بات ہے ۔ اس میں نہ یہ کہا گیا تھا کہ معاذ اللہ اہلبیتؑ مچھر کی طرح ہیں نہ یہ کہا گیا تھا کہ مچھر اہل بیتؑ کی طرح ہے ۔ نہ یہ کہا گیا تھا کہ اہل بیتؑ صاحب اختیار نہیں ہیں نہ یہ کہا تھا کہ مچھر صاحب اختیار ہے بلکہ

CamScanner

صرف خالق ذوالجلال کی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود تھا ۔ اور سرکارِ محمدؐ و آل محمدؑ کے بطور فرضِ منصبی اور وظیفہ سمجھ کے ان کاموں کو انجام دینے کی نفی کی گئی تھی جو کہ قرآن اور انہی کے فرمان سے ثابت ہے کہ خالق نے یہ کام ان کے حوالے نہیں کئے کہ پیدا ہونے والے کو وہ پیدا کریں اور جو پیدا شدہ ہیں ان کو روزی وہ دیں اور مرنے والوں کو موت کا ذائقہ وہ چکھائیں ۔

اس کو شریعت میں " تفویض " کہتے ہیں اور تفویض کا قائل مشرک ہے جس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔

و من یشرک باللہ فقد حرّم اللہ علیہ الجنة

سوال: اور تکوینی کے بارے میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟

جواب: میں نے اپنی کتابوں میں خصوصاً " احسن الفوائد " اور " اصول الشریعہ " میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کائنات میں دو نظام چل رہے ہیں ایک ہے نظام شریعت اور دوسرا نظام تکوین جسے نظام کون و فساد بھی کہا جاتا ہے ۔ نظام شریعت سے مراد احکام شریعت اور ان کا نفاذ ہے کہ یہ واجب ہے، یہ حرام ہے، یہ مکروہ ہے، یہ مباح ہے ۔ اور نظام تکوین سے مراد ہے نظام کون و فساد یعنی کوئی مرتا ہے، کوئی جیتا ہے، کوئی پیدا ہو رہا ہے، کوئی موت کا ذائقہ چکھ رہا ہے، کوئی امیر بن رہا ہے، کوئی غریب بن رہا ہے ۔

تو جہاں تک نظام شریعت کا تعلق ہے سرکار محمدؐ و آل محمدؑ اس محکمے کے سربراہ اور سردار ہیں ۔ ہم نے انہیں سے سمجھنا ہے کہ حلال خداوندی کیا ہے اور حرام خداوندی کیا ہے؟ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے؟ اور جہاں تک نظام تکوین کا تعلق ہے اس میں سرکارِ محمدؐ و آلِ محمدؑ خالق اور اس کی عام مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں ۔ یعنی اس نظام کا تعلق براہِ راست خداوند عالم سے ہے ۔

یعنی سب کچھ خداوند عالم کرتا ہے مگر ان کے صدقے میں کرتا ہے، ان کے طفیل میں کرتا ہے ۔ جیسا کہ مشہور حدیث قدسی میں وارد ہے کہ میرا حبیبؐ اگر آپؐ کو پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا ۔

اور کئی احادیث معصومینؑ میں وارد ہے کہ اگر خداوند عالم ہمیں پیدا نہ کرتا تو نہ آسمان بناتا نہ زمین، نہ آدمؑ کو پیدا کرتا نہ حواؑ کو، نہ جنت کو خلق کرتا نہ جہنم کو ۔ الغرض خالق نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس سلسلہ میں وہ وسیلہ ہیں ۔ اُن کے وسیلہ سے زندوں کو زندگی مل رہی ہے اور ان کو رزق مل رہا ہے اور موت و حیات کا سلسلہ قائم و دائم ہے ۔

مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خلق یہ کرتے ہیں، رزق یہ دیتے ہیں ۔ کرتا سب کچھ خدا ہے مگر ان کا وجود چونکہ مقصود بالذّات ہے اور باقی کائنات کا وجود بالطبع و بالعرض طفیلی ہے ۔ لہٰذا ان کے صدقے میں سب کچھ ہو رہا ہے جیسا کہ دُعائے عدیلہ میں ہے کہ قائم آل محمدؐ کی برکت سے زمین و آسمان اپنے مرکز و محور پر قائم ہیں اور ان کی برکت سے دُنیا والوں کو رزق مل رہا ہے ۔ ولنعم ما قیل ۔

ے قدم سے مہدیؑ دین کے زمین قائم ہے پانی پر
قرارِ کشتیٔ دُنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

سوال: عزاداری سیّد الشہداءؑ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: عزاداری سیّد الشہداءؑ کے بارے میں میں نے تجلیّات صداقت میں تفصیلاً لکھا ہے کہ جتنے مراسم عزاداری ہیں جیسے ذوالجناح، تعزیہ، ماتم، علم مبارک یہ سب جائز ہیں اور جواز کے دلائل بھی میں نے کُتب اہل سنّت سے دیئے ہیں ۔ اور اس انداز سے دیئے ہیں کہ مخالف بھی ان کا کوئی جواب نہیں پیش کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں ۔ بلکہ چکوال کے مولوی قاضی مظہر نے ایک

رسالے میں میرے متعلق بار بار یہ لکھا ہے کہ "شیعوں کے ماتمی مجتہد" نے یہ لکھا ہے اور یہ کہا ہے ۔ یعنی وہ مجھے ماتمی مجتہد لکھتے ہیں مگر اپنوں کو میرے عزادار ہونے میں شُبہ ہے ۔ میں نے "اصول الشریعۃ" کے ناویں باب میں ثابت کیا ہے کہ عزاداری سیّد الشہداءؑ ہماری حیاتِ ملّی کے لئے شہ رگ حیات کی حیثیت رکھتی ہے ۔

اکر ہمارے مذہب سے خدانخواستہ عزاداری سیّد الشہداءؑ ختم ہو جائے تو ہماری حیاتِ ملّی ختم ہو جائے گی ۔ میں نے اپنے رسالے "اصلاح المجالس" میں تفصیلاً لکھا ہے (جس کو بلا سوچے سمجھے ہدفِ تنقید بنا لیا گیا ہے) اور ثابت کیا ہے کہ چودہ سو سال کے ناملائم اور نامساعد حالات میں بنی اُمیّہ اور بنی عباس جیسے دوروں میں سے گزر کر اگر ہمارا مذہب صحیح سلامت ہم تک پہنچا ہے تو اس میں سیّد الشہداءؑ کی عزاداری کا بہت دخلِ عمل ہے ۔

لہٰذا میں پوری دیانتداری و ذمہ داری کے ساتھ صحیح عزاداری کو اپنے مذہت و ملّت کے لئے شہ رگ حیات سمجھتا ہوں اور اس کے اقامہ کو دین کی بقاء اور اس کے حقائق و معارف کی نشر و اشاعت کا بہترین ذریعہ جانتا ہوں بشرطیکہ اسے صحیح طریقہ پر قائم کیا جائے (اس کی تفصیل میرے رسالہ "اصلاح المجالس" میں مذکور ہے)

سوال: نیاز حضرت سیّد الشہداءؑ اور حاضری ابوالفضل عباسؑ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ان دونوں کے بارے میں میں نے اپنی کتاب "اصول الشریعۃ" میں تفصیلاً لکھا ہے کہ دونوں جائز ہیں ۔ البتہ میں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ نذر چونکہ فقہائے امامیہ کے نزدیک بغیر اللہ کے نام کے نہیں ہو سکتی اِدھر ہم نذر و حاضری کے بھی قائل ہیں تو فقہی مسئلہ کو مجروح نہ کرتے ہوئے میرا نظریہ یہ ہے

کہ اس کا طریقہ کار یہ ہونا چاہیئے کہ منت اس طرح مانی جائے کہ اگر خداوند عالم بطفیل حضرت امام حسین علیہ السلام میرا فلاں کام کر دے تو میں مجلس پڑھاؤں گا یا خیرات تقسیم کروں گا یا فلاں کارِ خیر کروں گا ۔ اور اس کا ثواب (مجلس ہو یا نیاز) ہدیہ سیّد الشہداءؑ کروں گا اور حاضری ہو تو اس کی نیّت یہ کرے کہ میرا اگر فلاں کام حضرت ابوالفضل العباسؑ کے صدقہ میں کر دے تو میں خدا کے لئے فلاں نیک کام کروں گا اور اس کا ثواب ہدیہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کروں گا ۔ اس طرح ہمارے مذہبی نظریات اور عقائد کو فقہی تحفظ حاصل ہو جائے گا ۔

واللہ العالم

سوال: خاکِ شفا پر سجدہ کرنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: میں نے اپنی کتاب "قوانین الشریعۃ" میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ دوسری چیزوں کی نسبت عام خاک پر سجدہ کرنا افضل ہے اور بالخصوص خاکِ کربلا پر سجدہ کرنا تو سب سے افضل و اعلیٰ ہے ۔ مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ تربت سیّد الشہداءؑ کو سجدہ کرتے ہیں تو اس کا میں نے جواب یہ دیا ہے کہ ہم خاکِ شفا پر سجدہ کرتے ہیں خاکِ شفا کو سجدہ نہیں کرتے جس طرح ہم خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے ہیں خانہ کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے ۔

سوال: خطبہ البیان کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟

جواب: خطبہ البیان کوکب دُرّی نامی کتاب میں ہے جس کا مصنّف سُنّی مُلّا صالح کشفی الحنفی الصوفی ہے اور اس کا ترجمہ مولوی شریف حسین بریلوی نے کیا ہے اور مکتبہ البرہان لدھیانہ سے شائع کی گئی ہے ۔ اس میں یہ درج ہے ۔

میں نے اپنی کتاب "احسن الفوائد" اور "اصول الشریعۃ" میں قطعی دلائل

CS CamScanner

دے کر ثابت کیا ہے کہ یہ خطبہ قطعاً حضرت امیر المومنینؑ کا نہیں ہے ۔

علمائے اعلام جن میں سرکار علامہ مجلسی سرفہرست ہیں، علامہ محقق قمی علامہ ابوالحسن تنکابنی، علامہ سیّد حامد حسین قبلہ لکھنوی وغیرہم کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ اس خطبے کا ہماری کتابوں میں کہیں نام ونشان نہیں ہے ۔علامہ مجلسی جیسے عالم نے بحار الانوار کی ساتویں جلد میں ص ۳۶۰ پر لکھا ہے کہ یہ خطبہ بیانیہ ہو یا اس جیسے ملتے جلتے دیگر خطبے ہوں یہ خطبے صرف غالیوں کی کتابوں میں پائے گئے ہیں ۔

یعنی وہ لوگ جو حضرت علیؑ کو خدا سمجھتے ہیں یا خدائی صفات کا حامل سمجھتے ہیں ۔مولائے کائنات کے خطبوں کا بے مثال مجموعہ نہج البلاغہ ہے ۔اس کی تین جلدوں میں اس کا کہیں نام ونشان نہیں ہے ۔ پھر ہمارے نجف اشرف کے ایک عالم ماضی قریب میں گزرے ہیں علامہ الشیخ ہادی کاشف الغطاء ۔انہوں نے مستدرک نہج البلاغہ لکھی ہے ۔اس کی بھی تین جلدیں ہیں نجف اشرف میں چھپ چکی ہے ۔اس مستدرک میں جو خطبے علامہ رضی سے رہ گئے تھے اس میں انہیں اسی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے ۔اس میں خطبہ بیانیّہ کا کہیں نام ونشان نہیں ہے ۔

بلکہ سید حامد حسین لکھنوی (جو علامہ سیّد ناصر الملت کے والد ماجد ہیں) نے اپنی کتاب" استقصاء الافحام" جو ملائے حیدر آبادی کی کتاب منتہی الکلام کے جواب میں لکھی تھی اور جہاں حیدر آبادی نے خطبہ البیانیّہ کے حوالہ سے کہا تھا کہ شیعانِ علیؑ کی توحید غلط ہے یہ مشرک ہیں کیونکہ ان کا خالق بھی علیؑ ہے اور رازق بھی علیؑ ہے ۔تو علامہ سیّد حامد حسین قبلہ نے ثابت کیا ہے کہ یہ خطبہ ہمارا نہیں ہے اور مولا علیؑ کا یہ فرمان نہیں ہے بلکہ ایک دشمن آلِ محمدؐ خواجہ محمد دہدار نے اس

خیال سے اسے گھڑا تھا کہ ظاہر بین آلِ محمدؐ کے موالی جو بظاہر اس غالیانہ مدح و ثناء کو دیکھیں گے تو وہ اس پر عقیدہ رکھ لیں گے ۔اور ناصبیوں کو اس خطبے کے غلط مطالب ماننے کی وجہ سے ان کو مشرک کہہ کر قتل کرنے کا جواز مل جائے گا ۔

صرف علامہ رضی کا کیا ذکر، ہمارے جتنے بھی علماء اعلام گزرے ہیں سب نے اس کی نفی کی ہے ۔اس خطبے کے کچھ جملے کتاب" مشارق الانوار بُرسی" میں ملتے ہیں ۔علامہ مجلسی جیسے محقق عالم نے بُرسی کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور اس کی روایات کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے ۔(ملاحظہ ہو مقدمہ بحار و رسالہ لیلیہ) ۔

بنابریں حقائق بلا خوف ردّ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نام نہاد خطبہ بالکل وضعی اور بے بنیاد ہے اور غالیوں کی ایجاد ہے ۔

سوال : آپ نے اپنی کتاب" اصول الشریعۃ" میں ایک انگریز مؤرخ کا حوالہ دیا ہے کیا آپ اپنے مؤقف کی مضبوطی کے لئے محمدؐ و آلِ محمد کا کوئی فرمان پیش نہیں کر سکے؟

جواب: میں نے انگریز کا جو قول نقل کیا ہے وہ عقیدہ کے سلسلے میں نہیں نہ میرے نظریات کی اس پر بنیاد قائم ہے بلکہ ایک دانشورانہ قول تھا کہ جس کتاب کی حمایت ومخالفت بڑے شدّ و مدّ کے ساتھ شروع ہو جائے وہ ایک غیر معمولی کتاب ہوتی ہے ۔میں نے ائمہ معصومینؑ کے اس ارشاد کے تحت کہ اچھی چیز جہاں سے بھی ملے اُسے لے لو ۔یہ قول اچھا سمجھ کے نقل کر دیا ہے وبس

ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

سوال : علامہ شیخ عبد العلی ہروی طہرانی اور سید محمد سبطین سرسوی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اِن کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ وہ ہمارے شیعہ علماء میں

CamScanner

سے تھے لیکن ان سے جو مجھے تھوڑا سا اختلاف تھا وہ میں نے اپنی کتاب "احسن الفوائد" میں لکھ دیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں میں تھوڑا سا افراط پایا جاتا ہے ۔اس لئے جب ان کی کُتب کا مطالعہ کیا جائے تو احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے اور انہیں بیدار مغزی کے ساتھ پڑھا جائے ۔

مولانا سید محمد سبطین صاحب سے میں نے اس خطبہ بیانیہ کے سلسلے میں کھل کر اختلاف کیا ہے ۔کوکب دری (جس کے متعلق ابھی اظہار خیال کر چکا ہوں) وہ مکتبہ البرہان لدھیانہ نے ہی شائع کی تھی اور مولانا نے تقریباً ۹۲ صفحات کا اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا تھا اور آخر کتاب میں ایک خاتمہ لکھا تھا تو اس میں جناب مولانا نے اس خطبہ بیانیہ کی تاویلات پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس فقرے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے اور فلاں فقرے کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے تو اس پر میں نے تنقیداً لکھا کہ پہلے کسی شے کا وجود ثابت کرنا چاہیئے ۔

جب وجود ثابت ہو جائے اور وہ چیز مسلمات مذہب کے خلاف ہو تو پھر اس کی تاویل کرنی چاہیئے ۔لیکن جب ہمارے علماء اعلام یہ کہتے ہیں کہ خطبہ بیانیہ کا ہماری کتابوں میں کوئی وجود ہی نہیں ہے اور جب یہ امیر المومنینؑ کا ہی کلام نہیں ہے تو پھر اس کی تاویلیں کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ میں تو کھُلے لفظوں میں کہتا ہوں کہ اگر یہ خطبہ بیانیہ صحیح ہے تو پھر ہمیں قرآن بھی چھوڑنا پڑے گا، ہمیں نہج البلاغہ بھی چھوڑنی پڑے گی اور صحیفہ کاملہ کو چھوڑنا پڑے گا ۔ بلکہ مذہب امامیہ چھوڑ کر کھلم کھلا نصیریوں کے سامنے شرینی رکھنی پڑے گی اور یہ کہنا پڑے گا کہ جو مولا علیؑ کو خدا مانتے ہیں وہی حق پر ہیں

کیونکہ خطبہ بیانیہ قرآن کی نفی کرتا ہے ۔قرآن میں جا بجا خدا فرماتا ہے کہ میں نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں ۔قرآن بھرا پڑا ہے کہ میں نے نبی

بھیجے ۔خدا فرماتا ہے کہ قیامت میں قائم کروں گا ادھر مولا امیرؑ سے منسوب ہے کہ قیامت قائم کرنے والا میں ہوں ۔قرآن میں جا بجا ہے کہ ماں کے رحموں میں بچوں کی تصویریں کھینچنے والا خدا ہے ۔

اس خطبے میں یہ بات جناب امیرؑ کی طرف منسوب ہے ۔الغرض جو کچھ قرآن میں ہے اس کی اس خطبے میں نفی کی گئی ہے اور شیعی درایۃ الحدیث کا مسلمہ قانون ہے کہ جو روایت قرآن کے مطابق ہو اس کو لے لو اور جو قرآن کے مخالف ہو اُسے دیوار پر پھینک دو ۔(اصول کافی)

سوال: کیا آپ محمدؐ و آلِ محمدؑ کو حاضر ناظر سمجھتے ہیں؟

جواب: جہاں تک حاضر و ناظر کا تعلق ہے اکثر لوگ اس کا مفہوم ہی نہیں سمجھ پاتے ۔بہرحال میں اس کی زیادہ تشریحات میں نہیں جانا چاہتا ۔میں نے اس موضوع کی تفصیلات "اصول الشریعۃ" میں اور ان کا خلاصہ اپنے رسالہ "مختصر عقائد الشیعہ" میں درج کر دیا ہے اور اس خلاصہ کا بھی خلاصہ "قوانین الشریعۃ" کی پہلی جلد کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے ۔میں نے وضاحت کی ہے کہ حاضر سے مراد اگر یہ ہے کہ ذواتِ مقدسہ موجود تو اپنے مرکزِ اقامت پر رہتے ہیں مگر اسم اعظم کی برکت سے وہ جب اور جہاں چاہیں چشم زدن میں جا سکتے ہیں تو یہ صحیح ہے ۔اور اگر یہ مُراد ہے کہ وہ اپنے اصلی اجسام و ابدان کے ساتھ ہر لمحہ ہر آن ہر جگہ حاضر ہیں تو یہ یقیناً غلط اور محال ہے ۔

اور جہاں تک ناظر کا تعلق ہے تو اس کا بھی اگر مطلب یہ ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؑ اپنے مستقر اور مرکز پر رہتے ہوئے بھی کائناتِ ارضی و سماوی کی جس چیز کو دیکھنا چاہیں باقدار اللہ دیکھ سکتے ہیں تو یہ درست ہے ۔اور اگر یہ مُراد ہے کہ ہر لحظہ پورے عالمِ امکان کا ایک ایک ذرّہ اِن کے اس طرح پیش نگاہ ہے کہ انہیں

تاملّ اور تفکّر یا توجہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی ۔ تو یہ خالقِ ذوالجلال کی صفت ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے ۔ اور کبھی بھی مخلوق کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا جائز اور صحیح نہیں ہے ۔

سوال: کیا امیر المومنینؑ کے چالیس جگہ پر کھانا کھانے کی روایت صحیح ہے؟

جواب: میں نے اپنی کتاب "اصول الشریعہ" میں اس کی نفی کی ہے ۔ اور سرکار ناصر الملت کے رسالہ ہدایاتِ ناصریہ کے حوالے سے یہ بات ثابت کی ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا تھا کہ جناب امیرؑ کا چالیس جگہ پر کھانا کھانا کہاں تک صحیح ہے؟ تو سرکار ناصر الملّت نے فرمایا تھا کہ آج تک کسی معتبر روایت میں یہ واقعہ نظر قاصر سے نہیں گزرا ۔

لہٰذا یہ واقعہ مشہور تو ہے مگر اس کا وجود کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے ۔ اور ویسے بھی ایک جسم کا ایک آن میں ایک سے زائد مقامات پر موجود ہونا عقلاً محال و ناممکن ہے ۔ ویسے اگر یہ واقعہ کسی مستند روایت میں مذکور ہوتا تو اس کی جسم مثالی سے تاویل ہو سکتی تھی کہ ایک جگہ آنجنابؑ اپنے اصلی جسم کے ساتھ اور دوسرے مقامات پر اجسام مثالیہ کے ساتھ موجود تھے مگر جب روایت ہی معتبر نہیں ہے تو پھر اسکی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔

سوال: کیا آپ معراجِ رسولؐ کے قائل ہیں؟

جواب: یقیناً میں پیغمبر خاتمؐ کی معراج جسمانی کا اسی طرح قائل ہوں جس طرح اپنے مذہب کے دوسرے مسلّمات کا قائل ہوں ۔ معراج النبیؐ کے عنوان سے "اصول الشریعہ" میں پورا ایک باب موجود ہے ۔ میں نے معصومینؑ کے ارشادات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ جو شخص آنحضرتؐ کی معراج جسمانی کا منکر ہے وہ مذہب اہل بیتؑ سے خارج ہے ۔ لہٰذا میں قرآن وحدیث سے ثابت شدہ

حقیقت کے انکار کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا ۔

سوال: کیا معراج کے لئے یہ جسم متحمل ہے کہ وہاں تک جاسکے؟

جواب: یقیناً پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ کوئی جسم عالم بالا کی طرف جا ہی نہیں سکتا کیونکہ درمیان میں کُرّہ ہوا ہے ۔ کُرّہ زمہریر ہے اور کُرہ آتشیں ہے ۔ لہٰذا جو چیز وہاں جاتی ہے وہ اپنی اصل حقیقت کھو بیٹھتی ہے ۔ مگر آج کی سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ غلط تھا ۔ بلکہ آج لوگوں کا چاند پر پہنچ جانا ہمارے مذہب کی صداقت کی بیّن دلیل ہے ۔ اسلام اور سائنس میں جو چودہ سو سالہ جنگ جاری تھی وہ آج ختم ہوگئی ہے ۔ یعنی معراج جسمانی کے متعلق غیر مسلم طاقتیں کہتی تھیں (اور کمزور ایمان والے اہل اسلام بھی یہ کہتے تھے کہ) پیغمبر اسلامؐ جسم عنصری کے ساتھ تشریف نہیں لے گئے اور نہ ہی کوئی جاسکتا ہے ۔

آج انسان کا چاند پر پہنچ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام جیت گیا اور خودساختہ سائنس ہار گئی، علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ پیغمبرؐ خود گئے تھے بلکہ قرآن کی آیت ہے کہ " پاک و پاکیزہ ہے وہ خدا جو اپنے اس بندے کو لے گیا" ۔

اب بحث یہ نہیں کہ پیغمبرؐ جاسکتے ہیں یا نہیں بلکہ بحث یہ ہے کہ خدا اُن کو لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا قادر نہیں لے جاسکتا تو اُن کو اپنی توحید پر نظر ثانی کرنا ہوگی اور اگر خدا قادرِ مطلق ہے تو پھر پیغمبرؐ کے معراج جسمانی پر کیا اعتراض ہے؟ ان فی ذلک لآیات بقوم یعقلون

سوال: کیا خدا نے قاب قوسین کے مقام پر لہجۂ امیر المومنینؑ میں بات کی تھا یا امیر المومنینؑ خود موجود تھے؟

جواب: اصول الشریعہ کے آٹھویں باب میں میں نے اس پر مفصل بحث کی ہے

CS CamScanner

اور علامہ مجلسی نے بھی بحار الانوار میں لکھا ہے کہ خالقِ ذوالجلال نے شب معراج مقام قاب قوسین پر جناب پیغمبرؐ سے جس لہجہ میں بات کی وہ لہجہ جناب امیرؑ کے لہجہ سے ملتا جلتا تھا ۔ اب کچھ لوگوں نے خیال کیا کہ جب لہجہ ان کا تھا تو جناب امیرؑ وہاں خود تشریف لے گئے ہوں گے ۔ لیکن یہ بات ائمہ طاہرینؑ کے فرامین آیاتِ قرآن مبین کے خلاف ہے ۔

بلکہ جناب امیرؑ حجت خدا کے طور پر زمین پر تشریف فرما تھے اور پیغمبر اکرمؐ عالم بالا کی طرف تشریف لے گئے تھے ۔ علامہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ جو پیغمبرؐ نے وہاں دیکھا وہ جناب امیرؑ نے زمین پر رہ کر دیکھا ۔ لہٰذا ان کی معراج زمین پر تھی کیونکہ حجّتِ خدا کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی ۔

لہجے کا مطلب یہ ہے کہ خدا متکلم ہے جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر سکتا ہے اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ کسی ایسے لہجے میں بات کرے جو کسی کے لہجہ سے ملتا ہو ۔ تو جناب امیرؑ وہاں خود تشریف نہیں لے گئے تھے ۔ خدا نے پیغمبرؐ کے پسندیدہ لہجہ میں یعنی لہجہ جناب امیرؑ میں بات کی تھی ۔

ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

سوال : کیا سید الساجدینؑ کی والدہ ماجدہ کے متعلق آپ نے کہیں لکھا ہے کہ وہ دریا میں ڈوب گئیں؟

جواب : معاذ اللہ! میں نے ایسا کہیں نہیں لکھا ۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں جب کسی مسئلے پر قلم اٹھاتا ہوں تو اس میں اگر اختلاف ہو تو میں تمام اختلافی قول نقل کرتا ہوں اور پھر ایک کو ثابت اور دوسرے اقوال کو باطل قرار دیتا ہوں ۔

اسی طرح یہاں بھی وہ روایت زیر بحث تھی جو مشہور ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد جب مخدرات کو قید کر کے کوفہ و شام لے گئے تو جناب بی بی شہر بانو اس قافلے

سے جُدا ہو کر گھوڑے پر سوار ہو کر طوس تشریف لے گئیں تو اس روایت پر میں بحث کر رہا تھا ۔ اس سلسلہ میں متعدد اقوال نقل کئے ۔ ان میں سے ایک قول شہر ابن آشوب (صاحب مناقب) کا ہے کہ بی بی نے واقعہ کربلا کے بعد اپنے آپ کو دریائے فرات میں ڈال دیا ۔

اس طرح میں نے مختلف لوگوں کے اقوال درج کرنے کے بعد دلائل دے کر جس چیز کو ثابت کیا ہے وہ یہ ہے کہ بی بی شہر بانو کا انتقال واقعہ کربلا سے بہت عرصہ پہلے ہو چکا تھا ۔ لہٰذا وہ واقعہ کربلا میں موجود ہی نہ تھیں تو ان کے دریا میں ڈوب مرنے یا طوس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ جن لوگوں نے میرے متعلق یہ کہا ہے معلوم ہوتا ہے یا تو انہوں نے ایک فقرہ تو لے لیا اور باقی عبارت کو نظر انداز کر دیا، پوری بحث اور نتیجے کو نہیں دیکھا ۔

میرے کرم فرما بالعموم میری کتابوں اور میری تقریروں اور تحریروں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں ۔

ے یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دِل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور

سوال : کیا آپ یا علیؑ مدد کہنے کے مخالف ہیں؟

جواب : میرے محترم! جرمنی کے ایک سیاست دان ڈاکٹر گوبلز کا مقولہ ہے کہ اگر اپنے مخالف کو بدنام کرنا ہو تو اس پر ایک بہت بڑا بہتان لگاؤ اور پھر اس کی زبردست تکرار کرو تا کہ جو ناواقف لوگ ہیں وہ یہ جاننے پر مجبور ہو جائیں کہ یہ جھوٹ نہیں بلکہ سچ ہے ۔ اسی پالیسی کو میرے خلاف بھی بروئے کار لایا گیا ہے ۔

حالانکہ میں نے اپنی کتابوں میں ایک جملہ بھی یا علیؑ مدد کہنے یا یا رسولؐ اللہ کہنے کے خلاف نہیں لکھا ۔ بلکہ اس کے برعکس آپ یہ معلوم کر کے تعجب کریں

CS CamScanner

گے کہ وہی کتاب "اصول الشریعۃ" جس کا نام تو بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے مگر اسے پڑھنے کی توفیق بہت کم لوگوں کو ہوئی ہے ۔ اس میں میں نے متعدد مقامات پر یا علیؑ مدد کہنے کا جواز پیش کیا ہے ۔ خصوصاً "تجلیات صداقت" جو کہ میں نے مخالفین اہل بیتؑ کے جواب میں لکھی ہے اور جس کی پاداش میں گذشتہ سال میرے مکتبہ کو جلانے کی کوشش بھی کی گئی اور میری بہت سے قیمتی کتابیں جلا بھی دی گئیں ۔

آفتاب ہدایت کے مؤلف نے شیعیانِ حیدر کرار پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ جب یہ باہم ملتے ہیں تو السلام علیکم کی بجائے یا علیؑ مدد اور جواب میں پیر مولا علیؑ مدد کہتے ہیں ۔ میں نے تجلیات صداقت میں یا علیؑ مدد کہنے کے جواز پر کئی دلائل پیش کئے ہیں ۔ تو بات یہ ہے کہ کوئی شیعہ عالم اس کا مکالف نہیں ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں یا علیؑ مدد کا قائل نہیں ہے یا فلاں یا علیؑ مدد کا مخالف ہے، یہ بالکل غلط ہے یہ سراسر تہمت ہے ۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ علمائے کرام دو باتیں ضرور کرتے ہیں : ۔

① ایک تو یہ کہ پہلے السّلام علیکم اور جواب میں علیکم السلام کہنا چاہیئے ۔ اس کے بعد بے شک یا علیؑ مدد کہہ لیں اس میں کوئی قباحت نہیں ہے ۔ مگر سلام جو سُنت رسول انامؐ ہے اِسے ترک نہیں کرنا چاہیئے ۔

② دوسرا خدا کی مدد اور ہے اور سرکارِ محمدؐ و آلِ محمدؑ کی مدد اور ۔ یعنی مدد خدا بھی کرتا ہے اور مدد سرکار محمدؐ و آل محمدؑ بھی کرتے ہیں ۔ مگر دونوں کی مدد کی کیفیت میں فرق ہے، نوعیت میں فرق ہے ۔ یعنی اللہ کی مدد اللہ ہونے کی حیثیت سے ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی مدد ان کے وسیلہ ہونے کی حیثیت سے ہے ۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی اولاد چاہتا ہے، دوسرا کسی مقدمہ میں کامیابی چاہتا ہے ۔

تیسرا تونگری چاہتا ہے، چوتھا مرض کی شفا چاہتا ہے ۔ ان امور میں مدد اللہ بھی کرتا ہے، مدد محمدؐ و آلِ محمدؑ بھی کرتے ہیں ۔ مگر اللہ کی مدد یہ ہے کہ وہ اولاد عطا کرتا ہے اور سرکار محمدؐ و آل محمدؑ کی مدد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے اولاد دلواتے ہیں ۔ اللہ کی مدد یہ ہے کہ وہ بیمار کو شفا عطا کرتا ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی مدد یہ ہے کہ شفا دلواتے ہیں ۔ اللہ کی مدد یہ ہے کہ وہ روزی دیتا ہے ان کی مدد یہ ہے کہ یہ روزی دلواتے ہیں ۔

الغرض مقام وسیلہ میں انہیں حلاّل مشکلات کہنا یا علیؑ مدد کہنا یقیناً صحیح ہے ۔ کوئی خدا سمجھ کے ان سے مدد مانگتا ہے تو وہ غلط ہے اور کوئی مومن عارف اس کا انکار نہیں کر سکتا ۔

بہر حال خدا کی بارگاہ میں دُعا و استدعا کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ اِن ذوات مقدسہ کے وسیلہ سے کی جائے ۔ جیسے یا اللہ بحق النبیؐ و آلہ، یا اللہ بحرمتہ النبیؐ و آلہ میرا فلاں کام کر ۔ تا کہ ہر سامع و ناظر پر واضح ہو جائے کہ داعی خدا کو مرکز اور ان ذوات مقدسہ کو وسیلہ جانتا ہے اور وسیلہ سمجھ کر استمداد کرنا ہے تو بالکل درست ہے ۔

سوال: سعادت الدارین کے حوالے سے میرا یہ سوال ہے کہ کیا آپ نے تحریر کیا ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ کی شادی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک ام ولد کنیز رکھی ہوئی تھی اور اس سے آپ کی اولاد ہوئی؟

جواب: میرے محترم! گذارش یہ ہے کہ میری کتابوں کے ساتھ میرے کرم فرما بہت ہی بے انصافی کرتے ہیں ۔ عموماً میں بحث کو پھیلا کر لکھتا ہوں ۔ میں جس موضوع پر بحث کرتا ہوں اس کے مخالف آراء بھی لکھتا ہوں اور اس کے موافق اقوال بھی پیش کرتا ہوں ۔ آخر میں نتیجہ برآمد کرتا ہوں اور ایک قول کو ترجیح

دیتا ہوں ۔ میرے کرم فرما ایک جملہ لے کر اس کو لے اُڑتے ہیں ۔ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ میرا اپنا قول ہے یا کسی اور کا قول نقل کیا ہے ۔ آگے چل کر مین نے اسکی رد کی ہے یا اس کے اثبات میں کچھ کہا ہے ۔ اب اس مسئلے ہی کو لے لیں ۔ میں نے جہاں شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت لکھی ہے وہاں ایک خاص علمی بحث زیر قلم آگئی کہ آیا شہزادہ علی اکبرؑ ہی در اصل اکبر تھے یا امام زین العابدینؑ علی اکبر ہیں؟ میں نے ثابت کیا ہے کہ جیسا نام سے ظاہر ہے یہ سیّد الشہداءؑ کے بڑے فرزند تھے ۔ سرکار امام زین العابدینؑ اوسط تھے ۔ شہزادہ علی اکبرؑ کی عمر ۱۸ سال مشہور ہے میں نے ۲۵ اور ۲۸ سال کے قول بھی نقل کئے ہیں ۔

اسی سلسلے میں میں نے اِس امر پر بھی بحث کی ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ شادی شدہ تھے یا نہیں؟ اس سلسلے میں میں نے لکھا ہے کہ محدث نوری اور قمی سے پہلے جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے اس کے اثبات میں یا نفی مین کوئی چیز نہیں ملتی ۔ ان دو مندرجہ بالا بزرگوں نے اس مسئلہ کو چھیڑا ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے جناب شہزادہ علی اکبرؑ کی شادی ہو چکی تھی یا نہیں؟ ان علماء نے اس واقعہ کو فروع کافی اور بحار الانوار وغیرہ کے حوالوں سے لکھا ہے ۔

جناب امام جعفر صادقؑ یا کسی اور معصومؑ سے پوچھا گیا کہ آیا یہ جائز ہے کہ آدمی ایک شخص کی بیٹی سے شادی کرے اور اس لڑکی کے والد کی ام ولد کنیز سے بھی؟ تو امامؑ نے فرمایا کہ اس میں قباحت تو کوئی نہیں ہے مگر تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ امام زین العابدینؑ کے گھر امام حسنؑ کی بیٹی اور امام حسنؑ کی ام ولد کنیز تھیں ۔ امامؑ نے فرمایا کہ جس طرح تم نے سن رکھا ہے حقیقت حال اس طرح نہیں ہے ۔

بلکہ اصل واقعہ یوں ہے کہ امام زین العابدینؑ کی شادی فاطمہ بنت حسنؑ

سے ہوئی تھی اور شہزادہ علی اکبرؑ کی ایک ام ولد کنیز تھی اس سے امام زین العابدینؑ نے عقد فرمایا تھا ۔ اب لفظ کنیز آگیا تو یار لوگ اس کو لے اُڑے کہ کنیز کے معنی ہیں لونڈی اور لونڈی کا مطلب ہے نوکرانی ۔ پھر اس سے یہ خود ساختہ مفروضہ قائم کر لیا کہ ان کے ہاں نوکرانی قسم کی کوئی عورت تھی جس سے شہزادہ کے تعلقات تھے (معاذ اللہ) ۔ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو گی کہ آج وہ لوگ بھی ان علمی بحثوں میں کود رہے ہیں جنہیں اسلامی فقہ کی ابجد کا بھی علم نہیں ہے ۔ ورنہ اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن نے تین قسم کی عورتوں کو مرد کے لئے حلال قرار دیا ہے ۔

ایک عقد دائمی والی عورت، دوسری عقد منقطع والی عورت اور تیسری کنیز ۔ اس کا بار بار قرآن میں ذکر ہے خصوصاً اٹھارویں پارے میں خالق فرماتا ہے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی زوجاؤں کے (کہ اس میں عقد دائمی اور عقد منقطع والی دونوں قسم کی عورتیں شامل ہیں) اور سوائے اپنی مملوکہ کنیزوں کے ۔ اگر مملوکہ کنیزوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کیا جائے یا اپنی زوجاؤں کے ساتھ تو ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں تو اسلامی قانون کے مطابق یہ ایک مستقل عنوان ہے کہ اگر اسلام کے قواعد کے مطابق کفار سے جنگ لڑی جائے اور اسلام کو فتح نصیب ہو اور کفّار مغلوب ہو جائیں تو ان کے وہ مرد جو قید ہو جائیں ان کے بارے میں اسلام کا حکم ہے کہ یا تو اُن کو قتل کر دو یا ان کو چھوڑ دو، خواہ فدیہ لے کر خواہ مفت ۔ اور عورتوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ان کو یا آزاد کیا جائے یا کنیز بنایا جائے ۔

اس طرح جو عورت مرد کے قبضہ میں آئے گی اس کو اسلام "امتہ" قرار دیتا ہے ۔ عربی میں "امتہ" ہے اور فارسی میں کنیز جسے اردو میں لونڈی یا باندی کہا جاتا

CamScanner

ہے ۔ اور اسلام کے تہتر فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ عورت مرد کیلئے حلال ہے ۔ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے ۔ بلکہ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو کئی انبیاء وائمہ کی مائیں کنیزیں نظر آتی ہیں ۔ اگر ان کے بطن سے اولاد پیدا ہو جائے تو ان کو امّ ولد کہا جاتا ہے ۔

بنابریں اگر جناب شہزادہ علی اکبرؑ کے بارے میں امّ ولد کنیز کا تذکرہ آگیا ہے تو اس میں کون سی قباحت ہے ۔ جبکہ روایت ہماری فروع کافی کے اندر موجود ہے اور بحار الانوار میں بھی موجود ہے اور بڑے بڑے علماء کرام اس کے قائل ہیں ۔

سوال : کیا آپ نے اپنی کسی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ سکینہ بنت الحسینؑ واقعہ کربلا میں شادی شدہ تھیں اور ان کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا؟

جواب : اس سوال میں ایک بات صحیح ہے اور ایک غلط ہے ۔ میں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ واقعہ کربلا کے وقت شادی شدہ تھیں ۔ ہاں ان کی نسبت جناب عبداللہ بن امام حسنؑ سے ہو چکی تھی مگر شادی سے پہلے وہ واقعہ کربلا میں شہید ہو گئے ۔ اور یہ لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی اور یہ کہ زندانِ شام میں ان کا وفات پانا کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہے ۔

میں نے کئی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا ۔ نیز میں نے اُن بے بنیاد واقعات کی تردید کی ہے جو اس مظلوم بی بی کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ۔ مثلاً عبدالحلیم شررؔ وغیرہ نے جو ناول لکھے تھے میں نے ان کی کھل کر تردید کی ہے ۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ زندان شام سے رہائی پانے کے بعد واپس مدینہ تشریف لے گئیں اور واقعۂ کربلا کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں اور بالآخر ۱۱۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔ مگر رہائی کے بعد تاریخوں میں ان کے مستند حالات نہیں ملتے ۔

سوال : کیا زندانِ شام میں کسی بچی کا انتقال کر جانا ملتا ہے؟

جواب : ہاں! بعض کتب سیر و مقاتل میں یہ روایت ملتی ہے اور اس پر بھی میں نے "سعادۃ الدارین" میں بحث کی ہے ۔ مؤرخین کا اس بچی کے نام پر اتفاق نہیں ہے ۔ بعض نے زبیدہ لکھا ہے، بعضوں نے زینب اور بعضوں نے رقیہ ۔ لیکن کسی مؤرخ نے بھی اس بچی کا سکینہ خاتون نہیں لکھا ۔ اسماء رجال اور کُتب مقاتل میں جو ہماری بنیادی کتب ہیں میں سیّد الشہداءؑ کی دو بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے ۔ جناب فاطمہ اور جناب سکینہ ۔ فاطمہ کبریٰ اور فاطمہ صغریٰؑ دو علیحدہ شخصیتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخصیت کے دو عنوان ہیں ۔

صغریٰ اس لئے کہ وہ اپنی جدہ ماجدہ حضرت فاطمہؑ کی ہم نام تھیں مگر ان سے چھوٹی تھیں جس طرح فاطمہ زہراؑ کے بالمقابل جناب زینبؑ کو صدیقہ صغریٰ کہا جاتا ہے ان کو فاطمہ صغریٰ کہا گیا ۔ اور چونکہ وہ جناب سکینہ سے بڑی تھیں اس لئے ان کو فاطمہ کبریٰؑ کہا گیا ۔ ویسے شام میں کسی بچی کے وفات پا جانے کی روایت میرے نزدیک چنداں قابل اعتماد نہیں ہے ۔

سوال : تو کیا فاطمہ صغریٰ نامی سیّد الشہداءؑ کی کوئی بیٹی مدینہ میں نہیں رہ گئی تھی؟

جواب : اس پر میں نے علیحدہ بحث کی ہے جس کو "وچھوڑے والی روایت" کہا جاتا ہے اور اس کو بیان کرنے والے بڑے زور وشور سے بیان کرتے ہیں ۔ اس پر میں نے مفصّل بحث کی ہے کہ آیا فاطمہ صغریٰ واقعہ کربلا میں سیّد الشہداءؑ کے ساتھ تھیں یا مدینے میں رہ گئیں تھیں؟ یہ مدینے میں چھوڑنے والا واقعہ بالکل بے بنیاد بھی نہیں بلکہ بعض کتابوں میں اس قسم کے بعض آثار ملتے ہیں ۔

چنانچہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ شہادت سیّد الشہداءؑ کے بعد کچھ پرندے آئے اور انہوں نے سیّد الشہداءؑ کے خون میں

CS CamScanner

اپنے پروں کو تر کیا اور مختلف علاقوں میں چلے گئے ۔ ان میں سے ایک پرندہ مدینہ منورہ چلا گیا اور جناب فاطمہ صغریٰ کے گھر کی منڈیر پر جا بیٹھا اور اس نے اپنے پروں سے خون کے قطرے گرائے اور اس سے بی بی کو پتہ چل گیا کہ میرے بابا کی شہادت ہو گئی ہے ۔ اب اس روایت کو بنیاد بنا کر نہ جانے کیا کیا لکھا گیا اور کیا کہا گیا ۔ لیکن میں نے علاوہ اور کتب کے خود بحار الانوار سے ہی ثابت کیا ہے کہ جہاں یہ پرندوں والی روایت درج ہے اس سے آگے چل کر واقعات کوفہ و شام میں جہاں دوسری مخدرات کے خطبے لکھے ہیں وہاں جناب فاطمہ صغریٰ کے خطبے بھی درج ہیں ۔

دربار یزیدؒ میں اس بی بی کی یزیدؒ سے گفتگو موجود ہے بلکہ خود علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں جو بحار الانوار کے بعد لکھی گئی ہے اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ "قصہ غراب خالی از غرابت نیست بوجہ منافات یا روایاتِ دیگرہ" کہ غراب والا واقعہ عجیب و غریب ہے اور دوسری روایات کے منافی ہونے کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے ۔ باقی باتوں کو آپ چھوڑیں ان کی زبانی واقعات کربلا اور ان کے خطبات نا قابل ردّ ہیں ۔ اس لئے اس وچھوڑے والے واقعہ کو رد کرنا پڑے گا ۔

سوال: کیا شب عاشور خیام تک پانی پہنچنے کی روایات آپ کی نظر سے گزری ہیں؟

جواب: میرے محترم! ساتویں محرم سے لے کر دسویں محرم تک دو مرتبہ پانی کا خیام تک پہنچنا نا قابل انکار ہے ۔ مگر اسکے باوجود چونکہ پانی کم تھا اور پینے والے زیادہ تھے ۔ خیام امامؑ سے العطش العطش کی آوازیں اٹھتی تھیں اور بچوں کا پیاس سے نڈھال ہونا روایات میں موجود ہے ۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کربلا میں پانی کا قحط اور تین دن کی بندشِ آب ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے جس کا کوئی

صاحب عقل و انصاف انکار نہیں کر سکتا ۔

سوال: آپ کے نقادوں کا کہنا ہے کہ آپ نے کتابوں کے قدیم ایڈیشنوں کے مطابق جدید ایڈیشنوں میں ترمیم و ردّ و بدل کیا ہے کیا یہ حقیقت ہے؟

جواب: میرے محترم! مصر میں بیس جلدوں میں ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے معجم الادباء اس میں ایک ادیب عماد اصفہانی کا یہ قول درج ہے کہ انسان کے ضعیف البنیان ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ آج ایک چیز لکھتا ہے مگر کل جب اس پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا ہے کہ اگر یہاں یہ جملہ لکھ دیتا تو بہتر ہوتا اور یہ جملہ نہ لکھتا تو اچھا ہوتا، یہ جملہ مقدم ہوتا تو احسن ہوتا اور یہ جملہ مؤخر ہوتا تو عمدہ ہوتا ۔

بنا بریں اگر میں ایسا کرتا بھی تو یہ بات نہ انوکھی ہوتی اور نا قابل گرفت ۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اگر ایک مصنّف کی کسی کتاب کے دس ایڈیشن اس کی زندگی میں شائع ہوں تو وہ ہر اشاعت میں ردّ و بدل کرے گا مگر میری کتابوں میں تو کوئی ترمیم نہیں ہوئی بلکہ صرف بعض اضافے ہوئے ہیں ۔ مثلاً اصول الشریعہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا ۔

دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا اس دوران میری کتاب کے جواب میں بہت کچھ لکھا گیا ۔ آٹھ دس چھوٹی بڑی کتب لکھی گئیں تو میں نے دوسرے ایڈیشن میں انہیں نوک قلم پر رکھا ۔ جو چیز قابل جواب تھی اس کا میں نے جواب لکھ دیا ۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے کتاب کی ضخامت بڑھ گئی ورنہ نہ مطالب میں ترمیم ہوئی نہ معانی میں ۔ بلکہ جو حقائق پہلے ایڈیشن میں تھے وہی آج دوسرے ایڈیشن میں ہیں ۔ صرف عنوان سے وضاحتیں کی گئی ہیں ۔ اس کو ترمیم اور ردّ و بدل نہیں کہتے بلکہ مطالب میں پھیلاؤ کہتے ہیں ۔

CamScanner

کسی موضوع کے دلائل پہلے تھوڑے تھے اب دلائل اور بڑھا دیئے گئے ہیں ۔ پہلے کوئی بحث مجمل تھی اب اسے مفصل کر دیا گیا ۔ کوئی موضوع مختصر تھا اب اسے مطول کر دیا گیا ورنہ مطالب وہی ہیں معانی وہی حقائق وہی عقائد وہی "لاتبدیل لکلمات اللہ"

سوال : کیا کوئی ایسی تجویز نہیں ہوسکتی کہ جن علماء کا آپس میں اختلاف ہے وہ خود مل کر اس کا حل تلاش کرتے اور قوم اس دھڑے بندی کے عذاب سے بچ جاتی ؟

جواب: میرے محترم! اسی بات کا تو خود مجھے شکوہ ہے اور میرا تمام رونا اسی واسطے ہے کہ جب سے یہ بحثیں شروع ہوئی ہیں یا شروع کی گئی ہیں اس روز سے لے کر آج اس وقت تک جب کہ آپ مجھ سے یہ انٹرویو لے رہے ہیں میں نے تحریروں، تقریروں اور قومی اخباروں کے ذریعے بار بار اعلان و اظہار کیا ہے کہ یہ اختلافات اور یہ ہاؤ ہو جو میرا اعتقاد اور علم کے بارے میں جاری ہے اگر کسی عناد اور شخصی مفاد کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ واقعی کوئی دینی اختلاف ہے تو مخالف حضرات دو باتوں میں سے ایک بات مان لیں ۔ یا تو علماء سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور تمام اختلافی مسائل پر مخصوص زعمائے ملت کے درمیان علمی سطح پر باہمی گفتگو کر لیں یا ایران و عراق کے مراجع تقلید کو جج یا منصف بنا لیا جائے اور ان سے التجا کی جائے کہ قرآن اور محمدؐ و آل محمدؐ کے فرمان کی روشنی مین ان اختلافی مسائل کا صحیح حل قوم کو بتائیں ۔ اور پھر جو شخص ان کے فیصلے کو نہ مانے اُسے قوم شیعہ سے خارج کر دیا جائے ۔

لیکن میری معقول تجاویز کو بھی در خود اعتنا نہ سمجھا گیا بلکہ ان کے جواب مین کہا گیا کہ اس سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ ایک نئی محاذ آرائی شروع ہو جائے

گی ۔ ایک مولانا صاحب سے (جو اس وقت دُنیا میں نہیں ہیں) جب کہا گیا کہ مرکز کی طرف رجوع کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ یہ عقائد کے مسئلے ہیں ان میں تقلید نہیں ہوتی ۔ اب اس ضد کا میرے پاس کیا علاج ہے کہ مجھے مجالس میں مسلسل بُرا بھلا کہا جاتا ہے لیکن میرے ساتھ بیٹھ کر علمی گفتگو کرنے یا مراجع تقلید کی طرف رجوع کرنے پر کوئی بھی آمادہ نہیں ہوتا ۔

بہر نوع ان لوگوں کی یہ روش اس بات کی دلیل ہے کہ دین کے نام پر یہ جنگ زرگری لڑی جارہی ہے ۔ کوئی بنیادی دینی و مذہبی اختلاف نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو صرف نزاع لفظی ہے ۔ جیسا کہ ۱۹۷۶ء میں بمقام جھنگ ہر دو متحارب علماء کے ایک معاہدہ میں اسے تسلیم کیا گیا ہے ۔ اے کاش! یہ لوگ اس معاہدہ پر قائم رہتے تو آج قوم کا شیرازہ اس طرح مُنتشر نہ ہوتا ۔

ع بسا آرزو کہ خاک شدہ

سوال : کیا میں آپ سے یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ اس تمام اختلاف کی وجہ نزاع آپ ہی کیوں ہیں؟ اور قوم کا ایک طبقہ "ڈھکو گروپ" ہی سے کیوں پکارا جاتا ہے؟

جواب: اس کا بھی ایک خاص پس منظر ہے ۔ اِس کی ایک ظاہری وجہ ہے اور ایک اسکی باطنی اور گہری وجہ ہے ۔ بعض چیزیں ناگفتنی ہوتی ہیں اور بعض گفتنی ۔ اس سلسلے میں کئی ایسی باتیں بھی آجاتی ہس جو کھل کر بیان نہیں کی جاسکتیں ۔ مگر مین مصلحتوں کے پیش نظر حقائق کو چھپا رکھنے کا قائل نہیں ہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ تمام حقائق کُھل کر قوم کے سامنے آجائیں ۔ دراصل سٹیجوں پر جو کھل کر میری مخالفت کی گئی ہے اس کی گہری وجہ تو یہ ہے کہ تقسیم ملک سے پہلے ہمارا موجودہ ملک بالکل جہالت میں ڈوبا ہوا تھا ۔

سوائے ایک آدھ مدرسے کے جو چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہے تھے ۔ کوئی ہمارا مدرسہ نہیں تھا اور سوائے چند ایک کے کوئی پیش نماز نہیں تھا ۔ اور کئی مثالیں موجود ہیں کہ ہمارے نکاح غیر پڑھتے تھے ہمارے جنازے غیر پڑھتے تھے لیکن تقسیم ملک کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ اب ہمارا ہندوستان سے رابطہ تو کٹ گیا ۔ عراق ایران جانے میں کافی مشکلات ہیں ۔ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے ۔

لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کچھ مدرسے کھل گئے اس سے جہالت کے کچھ بادل چھٹے اور کئی لوگ قم چلے گئے زیادہ نجف اشرف چلے گئے ۔ اب جب وہ چند سالوں کے بعد وہاں سے فراغت کی سند لے کر واپس آئے تو دینی مدرسوں میں بیٹھ گئے ۔ کچھ نئے مدرسے کھل گئے ۔ علوم اہل بیتؑ کی نشر و اشاعت ہونے لگی ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سال بہ سال بلکہ ماہ بہ ماہ ان مدرسوں سے لوگ نکلنے لگے ۔ یہاں کے مقامی سٹیجوں پر بھی آنے لگے ۔ مساجد میں بھی نمازیں پڑھانے لگ گئے ۔ حکومتی سکولوں میں بھی آ گئے ۔

تو اب کچھ ہندوستانی مولوی کہ جنہوں نے ہمارے اس علاقے کو سونے کی چڑیا سمجھا ہوا تھا اور اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے مگر قوم کو ایک پیش نماز بھی بنا کر نہیں دیا تھا ۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا سارا گھروندا ہمارے ہاتھوں سے گر رہا ہے اور یہ سونے کی چڑیا ان کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے تو مختلف حیلوں بہانوں سے انہوں نے مدارس کی اور یہاں کے علماء و مدرسین کی مخالفت شروع کر دی تا کہ ان کے مفاد پر زد نہ پڑے ۔ اور اس کی ظاہری وجہ میرا رسالہ "اصلاح المجالس والمحافل" ہے ۔ جو میں نے نجف اشرف سے واپس آنے کے بعد لکھا ۔ جو میری پرنسپلی کے دور میں دارالعلوم محمدیہ سرگودھا کے

ماہوار آرگن "المبلغ" میں قریباً ایک سال تک بالاقساط شائع ہوتا رہا اور بعد میں اس کو رسالے کی شکل میں چھاپ دیا گیا ۔ اور اب تک اس کے چار ایڈیشن نکل چکے ہیں ۔

اس کا لُب لباب یہ تھا کہ پہلے تو اس میں میں نے عزاداری کی بڑی تعریف کی ۔ اس کی افادیّت پر تبصرہ کیا ۔ مجالس کے انعقاد اور ان میں رونے رُلانے کے فضائل لکھے اسکے بعد میں نے لکھا کہ افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے اس مقدس عبادت کو تجارت بنایا جا رہا ہے ۔

لہٰذا عبادت کو عبادت رہنے دیا جائے اس کے تجارتی پہلوؤں کو ختم کر دیا جائے اور پھر میں نے چار چیزوں پر زور دار تبصرہ کیا تھا ۔ چونکہ اس سے بعض پیشہ ور لوگوں کے مفاد پر زد پڑتی تھی اس لیے وہ بل بلا اٹھے اور میری آواز حق کو دبانے اور اُسے غیر مؤثر بنانے پر کمر بستہ ہو گئے ۔

بہر حال اس رسالہ کی پہلی اصلاحی بات یہ تھی کہ مجالس سیّد الشہداءؑ پر "چک چکاوہ اور مک مکاوہ" یعنی فیس کا طے کرنا ناجائز ہے، مجالس کے تقدّس اور اِنکی افادیت کے خلاف ہے ۔ معصومینؑ کا فرمان ہے کہ تم پہلے طے نہ کرو بلکہ تم خلوص کے ساتھ پڑھو اس کے بعد جو تمہاری خدمت کی جائے اُسے قبول کر لو ۔ اس طرح دینے والے کا دینا قبول ہو جائے گا اور لینے والے کا لینا قبول ہو جائے گا ۔ اب ظاہر ہے کہ اس کی زد پیشہ ور لوگوں پر خواہ وہ ذاکر تھے یا مولوی دونوں کے مفاد پر پڑتی تھی ۔

اس لئے اس کے جواب میں کئی رسالے چھاپے گئے اور میرے خلاف ایک مخصوص طبقہ صف بستہ ہو گیا ۔ اور اسکے بعد میں نے کہا تھا کہ بے شک اچھی آواز سے مجلس پڑھنے میں (قصیدے کی شکل میں ہو اور خواہ مرثیے کی شکل

CS CamScanner

میں) کوئی حرج نہیں ہے ۔لیکن فلمی طرزوں میں غنا کو ترک کر دیا جائے تا کہ کوئی سُننے والا یہ نہ سمجھے کہ آیا مجلسِ سیّد الشہداءؑ پڑھی جارہی ہے یا فلمی گانا گایا جا رہاہے؟

پھر میں نے حرمتِ غنا پر دلائل دیئے کہ غنا کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے ۔تو ظاہر ہے کہ اس سے کچھ لوگوں کے پیشہ پر اثر پڑتا تھا ۔وہ بھی میری آواز کو غیر مؤثر بنانے پر تُل گئے ۔مختلف حیلوں بہانوں سے مجھے ناکام کرنے کی کوشش کی گئی ۔الحمدللہ! پھر بھی میری آواز رائیگاں نہیں گئی ۔

ـہ کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

تیسری چیز پڑھنے والے کے متعلق یہ تھی کہ ذاکر ہو یا مولوی اس کی وضع قطع شکل وصورت اور لباس کی تراش خراش کو دیکھ کر یہ پتہ چل جائے کہ یہ مظلوم کربلا کا نام لیوا ہے کسی اور بزم کا آدمی نہیں ہے ۔میری اس بات کو بھی غلط سمجھا گیا ۔پھر میں نے روایات فضائل ومصائب کے متعلق بحث کی کہ جھوٹ نہ بولا جائے بلکہ روایات کی تصحیح کر لی جائے ۔ان لوگوں نے سوچا کہ اگر یہ چیزیں معیار قرار پا گئیں تو ان کی مارکیٹ پر اثر پڑے گا تو میرے خلاف مختلف الزامات لگا کر عوام کو میرے خلاف کرنے کی کوششیں کی گئیں ۔

مگر مقام شکر ہے کہ اس کے باوجود اہل ایمان ذاکرین کرام اور مبلغین عظام یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ ان کی خیر خواہی کے لئے ہے بد خواہی کے لیے نہیں ہے ۔

ع مجھے ان سے محبت ہے عداوت نہیں ہے

اس گروہ کا سرغنہ مولوی بشیر انصاری تھا اور بڑا متاد مولوی محمد اسمٰعیل اور ان

کے حوّارین میں مولوی مرزا یوسف حسین، مولوی ضمیر الحسن وغیرہ شامل ہیں ۔ جنہوں نے مولویوں، ذاکروں اور ملنگوں کو بھی اپنے ساتھ ملایا اور پھر مل کر خوب شور غل مچایا ۔مگر بفضلہٖ

ع اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

ڈوگر صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ مخالفت ہمیشہ ہنر اور فضل وکمال کی ہوتی ہے نہ کہ جہل وبے ہُنری کی مگر

ـہ ہم کہاں کے دانا تھے کس ہُنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

اس سلسلہ میں میری مخالفت کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف اور مجالس ومحافل میں بھی بھرپور حصہ لینا شروع کر دیا ۔ الغرض میں ان کی چراگاہ میں گھس گیا اور منبر کے اجارہ داروں کے نزدیک یہ ایک ناقابل معافی جرم ہے ۔

ع ہُنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است

سوال: کہیں آپ کا اشارہ ادھر تو نہیں ہے کہ لکھنو کا مکتبہ فکر اور نجف کا مکتبہ فکر ٹکرایا ہے؟

جواب: نہیں ایسا نہیں ہے ۔لکھنو کا مکتبہ فکر جو لکھنو تک محدود ہے ان کی خدمات ناقابل انکار ہیں اور لکھنؤ ہمارے لئے قابل قدر مرکز تھا اور اب اس گئے گزرے دور میں بھی لکھنؤ میں اچھا کام ہو رہا ہے ۔اس نے تدریسی، تبلیغی اور تصنیفی میدان میں بڑا کام کیا ہے ۔خود میں نے جہاں عراق وایران کے اعلام کے بیان وکلام سے فیضان حاصل کیا ہے وہاں علماء لکھنؤ کی گراں قدر تالیفات سے بھی استفادہ کیا ہے ۔

مگر بدقسمتی سے وہاں سے جو لوگ یہاں آ گئے ان کی اکثریت علم و عمل اور خلوص کی دولت سے تہی دامن تھی وہ صرف روضہ خوانی کے فن میں فنکارانہ مہارت رکھتی تھی اور اپنی اجارہ داری چاہتی تھی ۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کے مفاد پر زد پڑ رہی ہے تو انہوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہاں کے شیعہ دینی مدارس میں وہابیت کی تبلیغ ہو رہی ہے اور علماء و مدرسین شیعہ وہابی ہیں ۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مدارس ناکام ہو جائیں گے یہاں پڑھنے والوں کو غیر مؤثر بنایا جائے گا تاکہ یہ اجارہ دار من مانی کروائیاں کرتے پھریں اور انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو ۔

چنانچہ انہوں نے بڑے لطائف الحیل سے بعض سادہ لوح اہل ایمان کو ساتھ ملایا ۔ ملنگوں ذاکروں سے گٹھ جوڑ کر کے خوب اودھم مچایا اور اغیار کو ہنسایا ۔ لیکن نتیجہ ان کی منصوبہ بندی کے خلاف برآمد ہوا ۔ ہماری رسوائی جو چاہی آپ رسوا ہو گئے اور اب حالت یہ ہے کہ:

ع پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

ہمیں وہابی کہنے والے خود مفوضہ اور غالی ثابت ہو گئے ۔

سوال: اصول الشریعہ کے صفحہ ۹ پر رقم ہے کہ ” اہل حق کی آواز کوئی نہیں دبا سکتا اور انہوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کریں گے اور کلمہ حق کہنے سے باز نہیں آئیں گے“

سوال یہ ہے کہ وہ کون سا کلمہ حق ہے جس سے آپ باز نہیں آئیں گے؟ کیا یہی عقائد جو آپ نے اپنی کتاب ”اصول الشریعہ“ میں پیش کئے ہیں اور جن کا دار و مدار ظنیات پر ہے کیا ظن حق کا فائدہ دے سکتا ہے ۔ علاوہ ازیں مناظرِ احمد پور سیال (جھنگ) میں آپ کا عمداً نہ جانا اس بیان کے خلاف ہو سکتا ہے کہ مومنین آپ کے کلمات حق کا فائدہ اُٹھا کر اپنے عقائد درست کر لیتے اور

آپ علاوہ اپنی سچائی کے ثواب عظیم کے مستحق ہوتے ۔ کیا آپ قتل یا شکست کے ڈر سے وہاں نہیں گئے اور صرف محفوظ چار دیواری میں بیٹھ کر ہی کلمہ حق کا اہتمام کرتے ہیں؟ (بصد معذرت)

جواب: حق و باطل کی تعریف کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو چیز قرآن اور سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے صحیح و صریح فرمان کے مطابق ہو وہ حق ہے اور جو ان کے خلاف ہے وہ باطل ہے ۔ بنابریں جو کچھ اصول الشریعہ یا اصلاح المجالس وغیرہ میں لکھا گیا ہے وہ یقیناً حق کی تعریف میں داخل ہے ۔ باقی رہا ان عقائد کو ظن قرار دینا یہ درست نہیں ہے ۔ کیونکہ ان کا دار و مدار آیاتِ محکمہ اور روایات صحیحہ و صریحہ و متواترہ پر ہے جو قطعی الصدور و الدلالہ ہیں ۔ اس لئے وہ عقائد قطعی و یقینی ہیں نہ ظنی و تخمینی والحمدللہ ۔

اور جہاں تک علماء اسلام کا ان علمی اختلافات کا عوامی سطح پر لانے اور عوامی اجتماعات میں حل کرنے سے گریز کرنے کا تعلق ہے تو وہ ان کی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ قوم و مذہب کے وقار کے تحفظ کی خاطر ہے کہ اغیار کی نظروں میں اس کا تمسخر و مذاق نہ اُڑایا جائے اور ان کو یہ کہنے کا موقع نہ دیا جائے کہ:

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر علماء اعلام عوامی اجتماعات میں گفتگو کرنے سے گریز کرتے ہیں (اور یہ چیز قابل اعتراض ہے) تو معترض اور اُن کے ہمنوا علمی سطح پر بات چیت کرنے سے کیوں کنّی کتراتے ہیں؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اس سوال کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ میں نے احمد پور سیال کے فراڈ میں شامل ہونے کا وعدہ کب کیا تھا؟ کہ مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ کیوں شامل نہیں ہوئے

تھے؟ اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میں قوم میں اس قسم کی مناظرہ بازی کو قوم ومذہب کے مفاد کے سراسر خلاف سمجھتا ہوں اور اس قسم کی تجویز پیش کرنے والوں کو احمق یا مفاد پرست جانتا ہوں ۔ میں نے اختلافی مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ دو تجویزیں پیش کی ہیں : ۔

① مرکز (مراجع عظام کی طرف رجوع) ۔

② علمی سطح پر گفتگو ۔

جن کی ہر عقل مند تائید مزید کرے گا ۔ اس لئے میں نے مناظرہ احمد پور سیال کی تجویز کو احمقانہ تجویز سمجھ کر پہلے دن ٹھکرا دیا تھا ۔ پھر شرکت کا کیا سوال؟

علاوہ بریں میں بھی یہ دریافت کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ مولوی محمد بشیر صاحب (جو کہ دوسرے گروہ کے سربراہ تھے) وہ کیوں شامل نہیں ہوئے تھے؟

فما هو جوابکم فهو جوابنا؛

سوال : میرے سامنے یہ ایک رسالہ ہے جو جھنگ سے مولانا اثیر جاڑوی صاحب نے شائع کیا تھا ۔ یہ بات ۲۰ مئی ۱۹۷۳ء کی ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم نے کہا تھا کہ مولانا محمد حسین اگر خالصی کی حمایت سے رُک جائیں تو میں شیخ احمد احسائی کی حمایت ختم کر دیتا ہوں ۔ آپ اسے اگر قبول کر لیتے تو قوم دھڑے بندی کے عذاب سے بچ جاتی ۔ کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے؟

جواب : میں نے اس مطالبہ کے جواب میں کہا تھا کہ یہ مطالبہ ہی احمقانہ ہے کیونکہ اگر آپ شیخ احمد احسائی کو صحیح آدمی سمجھتے ہیں تو کوئی آدمی خالصی کو مانے یا نہ مانے آپ اس کا دامن کیوں چھوڑتے ہیں؟ اگر وہ غلط آدمی ہے تو پھر اس کو کیوں مانتے ہیں اور اس کا دامن کیوں تھامتے ہیں؟ میں نے اس دور میں بھی کہا تھا اور آج بھی کہتا ہوں کہ میں شیخ احمد احسائی کا ضال و مضل ہونا ان کی اپنی کتابوں

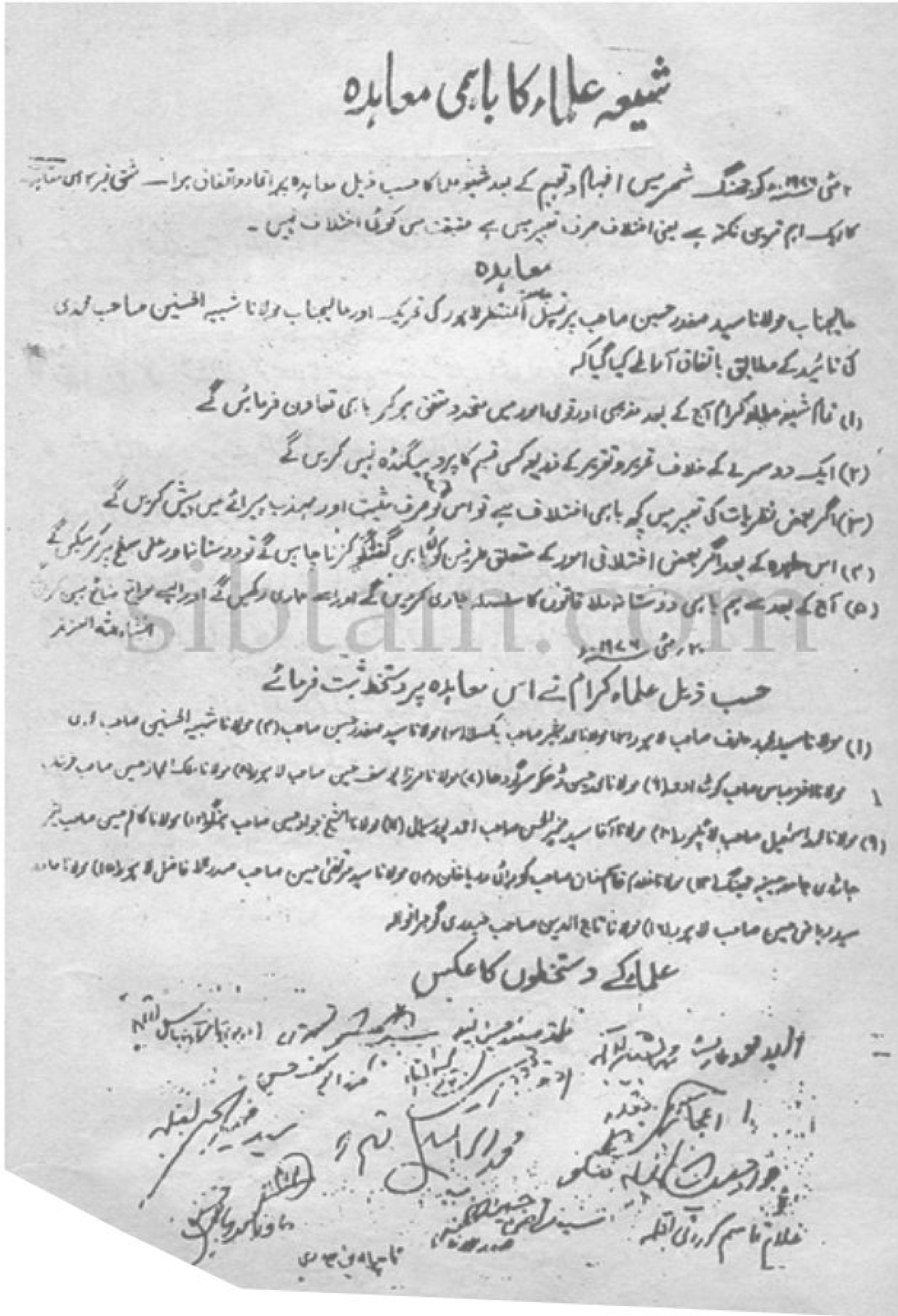
سے ثابت کرتا ہوں ۔ اگر تم میں ہمت و جرأت ہے تو تم خالصی مرحوم کا بدعقیدہ ہونا ان کی کتابوں سے ثابت کر دو یا میں ایران وعراق کے مراجع تقلید کے فتاویٰ سے احسائی کا گمراہ اور گمراہ کنندہ ہونا ثابت کرتا ہوں اور تم خالصی مرحوم کے خلاف ان کا کوئی فتویٰ پیش کر دو؟ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو میں ایک مظلوم کی حمایت سے دستبردار نہیں ہو سکتا ۔

بہرحال یہ ایک احمقانہ و عاجلانہ تجویز تھی جسے قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ۔

سوال : کیا جھنگ میں علماء امامیہ کے معاہدہ صلح کے متعلق کچھ بتانا پسند کریں گے؟

جواب : ۲۰ مئی ۱۹۷۶ء کو مولانا سید صفدر حسین نجفی اور مولانا شبیہ الحسنین محمدی کی کوششوں اور دوسرے علماء کی تائید سے علماء امامیہ کا حسب ذیل معاہدہ طے پایا تھا جو انہی دنوں قومی اخبارات میں شائع ہو گیا تھا ۔ میں اس کی فوٹو سٹیٹ مہیا کرتا ہوں ۔ اگر اس کو آپ دیانت داری سے شائع کر دیں تو حقیقت حال واضح ہو جائے گی ۔ اور ہر کس و ناکس پر واضح ہو جائے گا کہ بات کا بتنگڑ کس نے بنایا اور قوم میں انتشار کس نے پھیلایا اور اب تک قوم کے شیرازہ اتحاد کو کون بکھیر رہا ہے ۔ اے کاش! کہ معاہدہ کرنے والے اس معاہدہ پر قائم رہتے تو آج قوم وملت کا یہ حال نہ ہوتا ۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شد



شیعہ علماء کا باہمی معاہدہ

۲ مئی ۱۹۷۶ء کو جھنگ شہر میں افہام و تفہیم کے بعد شیعہ علماء کا حسب ذیل معاہدہ پر اتحاد و اتفاق ہوا — [illegible]
کا ایک اہم نحوی نکتہ ہے یعنی اختلاف صرف تعبیر میں ہے حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں۔

معاہدہ

عالیجناب مولانا سید صفدر حسین صاحب پرنسپل [illegible] لاہور کی تحریک اور عالیجناب مولانا شبیہ الحسنین صاحب محمدی کی تائید کے مطابق باتفاق آرا طے کیا گیا کہ

(۱) تمام شیعہ علماء کرام آج کے بعد مذہبی اور قومی امور میں متحد و متفق ہو کر باہمی تعاون فرمائیں گے
(۲) ایک دوسرے کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعہ کسی قسم کا پروپیگنڈہ نہیں کریں گے
(۳) اگر بعض نظریات کی تعبیر میں کچھ باہمی اختلاف ہے تو اس کو صرف علمی اور مہذب پیرائے میں پیش کریں گے
(۴) اس معاہدہ کے بعد اگر بعض اختلافی امور کے متعلق طرفین کوئی باہمی گفتگو کرنا چاہیں گے تو دوستانہ اور علمی سطح پر کر سکیں گے
(۵) آج کے بعد سے ہم باہمی دوستانہ [illegible]
انشاء اللہ العزیز

۲۰ مئی ۱۹۷۶ء

حسب ذیل علماء کرام نے اس معاہدہ پر دستخط ثبت فرمائے

[illegible]

علماء کے دستخطوں کا عکس

سوال: کیا وجہ ہے کہ آپ کی کتاب "اصول الشریعہ" کی عبارت میں آپ کی کتاب "احسن الفوائد" کی نسبت زیادہ شدّت اور انتقامی کروائی ہے؟

جواب: اس کی وجہ واضح ہے چونکہ اصول الشریعہ، احسن الفوائد جیسی مرنجان مرنج علمی و تحقیقی کتاب پر جارحانہ حملوں اور نروا تنقیدوں کے جواب میں لکھی گئی ہے اس لئے اس مین قدرے شدت و حدّت کا پیدا ہونا فطری امر ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: آپ نے اپنی کتاب "اصول الشریعہ" کی ابتداء اس شعر سے کی ہے:

ے ستیزہ کار رہا ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

کیا چراغ مصطفویؐ سے آپ کی ذات مراد اور شرار بولہبی سے آپ کے ناقدین کی ذات مراد ہے۔ کیا یہ شدتِ انتقام کا مظاہرہ نہیں؟

جواب: چراغ مصطفویؐ سے مراد میری ذات اور شرار بولہبی سے میرے ناقدین کی ذوات مُراد نہیں ہیں بلکہ استعارۃً اس سے عقائد حقہ اور عقائد باطلہ مراد ہیں۔ کما لا یخفیٰ

سوال: کیا آپ درجات ایمان میں اختلاف کے بارے میں حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام کی اس روایت کی اصول حدیث کے تحت تصدیق کرتے ہیں جس میں آپؑ نے عبدالعزیز سے بیان فرمایا:۔

"اے عبدالعزیز سیڑھی کی طرح ایمان کے دس درجے ہیں۔ اس طرح تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ تم اپنے پست درجہ کے مومن کو (درجہ ایمانی سے نہ گراؤ) ورنہ جو مومن تم سے بلند مرتبہ ہے وہ تمہیں (درجہ ایمانی) سے گرا دے گا"۔

اس روایت کی موجودگی میں جو آپ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اس کو

قولِ معصومؑ کی مخالفت پر کیا محمول نہیں کیا جا سکتا؟ کیونکہ آپ نے ہر کوشش سے انہیں گرانے کی کوشش کی ہے۔

جواب: درجات ایمانی والی روایت معتبر ہے (جس کا تذکرہ خود میں نے بھی "اصول الشریعۃ" میں کیا ہے) مگر جن لوگوں کی طرف میرا روئے سخن ہے اِن سے صرف درجات ایمانی کا اختلاف نہیں بلکہ توحید و تفویض کا اختلاف ہے، شیعیت و شیخیت کا اختلاف ہے اور شرک و غلو کا اختلاف ہے۔ اس لئے اس حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

ہاں البتہ جو لوگ اس اختلاف کو ایمانی درجات کا اختلاف جانتے ہیں (جیسے خود معترض) تو اُن پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ جب صرف درجاتِ ایمانی کا تفاوت ہے تو پھر ایک دوسرے کے خلاف یہ محاذ آرائی اور غوغا آرائی کیوں اور کس مقصد کے لئے ہے؟

سوال: آپ کی کتاب "اصول الشریعۃ" کی پہلی بغلی سرخی ہے "حق اور باطل کی باہمی کشمکش" کیا حق سے آپ کی ذات مُراد ایمان اور باطل سے آپ کی مراد کفر ہے۔ آپ نے اِن آیات کو جو انبیاء کے حق میں نازل ہوئیں اپنی طرف منسوب کیا اور جو آیات کُفر کے حق میں ہیں انہیں اپنے مخالفین کے لئے وقف کیا ہے۔ کیا یہ حق و باطل کی جنگ ہے یا درجاتِ ایمانی کی؟ اسے انبیاءؑ اور کفار کی جنگ کہنا کہاں تک درست ہے؟ کیا آپ نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے حق و باطل کی حدود کو بالکل فراموش نہیں کیا؟ جبکہ روایت معصومؑ اس حد تک کی اجازت نہیں دیتی۔

کیا یہ جرأت علی المعصومؑ نہیں؟ کیا آپ کا یہ انداز انتہائی جارحانہ نہیں؟ کیا یہ امر غیروں کے لئے باعث تمسخر و تضحیک نہیں؟ شیعہ علماء ایک دوسرے کے

خلاف کفر و تکفیر کے فتویٰ صادر فرما رہے ہیں حالانکہ یہ قباحت علماء امامیہ میں کسی دور میں بھی اس شدّت سے نہیں پائی جاتی۔ کیا یہ کشمکش محض درجاتِ ایمانی کے اختلافات کی وجہ سے نہیں؟ جس پر بقول معصومؑ کفر و تکفیر کا فتویٰ غیر آئینی ہے۔

جواب: یہ جنگ حق و باطل کی ضرور ہے مگر اسلام و کفر کی نہیں ہے (کیونکہ ہر باطل کفر نہیں ہوتا) انبیاءؑ کی شان اور کفار کے حق میں نازل شدہ آیات کے پیش کرنے سے اسلام و کفر کی جنگ ثابت نہیں ہوتی۔ تشبیہ و تمثیل میں ایک وجہ شبہ ہوتی ہے۔ زید کو شیر کہنے سے زید میں شیر کی تمام صفات و علامات تلاش کرنا حماقت ہے۔

ایسے شدید اختلافات کے نمونے ہر دور میں مل جاتے ہیں۔ اطمینان قلب کے لئے مولانا سیّد محمد سبطین صاحب سرسوی کی کتاب "کشف الاسرار" دیکھی جا سکتی ہے۔ ہاں البتہ پہلے کچھ ظاہر رکھ رکھاؤ ہوتا تھا مگر اس بے حیائی و ڈھٹائی کے دور میں وہ بھی ختم ہو گیا۔ ہمارا اختلاف رائے تو شائستہ تحریر و تقریر تک محدود تھا۔ یہ جارحانہ مخربانہ اور مضحکانہ انداز کا ارتکاب ہمارے کرم فرماؤں نے کیا ہے۔ لہٰذا جگ ہنسائی کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے نہ ہم پر۔

سوال: آپ نے اپنی کتاب کا آغاز "حق و باطل کی باہمی کشمکش" سے کیا لیکن آپ نے حق و باطل کی کوئی ایسی تعریف پیش نہیں کی جو مذہب حقہ کے دونوں فرقوں کے لیے سند ہو اور آپ کے دعویٰ اہل حق کی دلیل بن سکے۔ کتاب کی ابتدا میں قارئین کیسے تسلیم کر لیں کہ آپ اہل حق ہیں۔ کیا آپ نے خود انتقام میں یہ ٹھوکر نہیں کھائی حالانکہ آپ اعلم العلماء ہیں۔ بہتر تھا کہ آپ اس پیش لفظ کی رام کہانی کو کتاب کے خاتمہ پر بطور نتیجہ بحث درج فرماتے تو شاید بعض لوگوں کے لیے مفید ہوتا۔ کیا مومنین کے ایک گروہ کو مثیلِ انبیاء اور دوسرے کو

CS CamScanner

مثیلِ کفار ثابت کرنے کی کوشش کرنا سینہ زوری اور تحکم محض نہیں اور کیا مذہب اہل بیتؑ میں اس کی شرعی اجازت ہے اور کیا یہ تمام بحث غیر سے متعلق نہیں ۔ اصول الشریعہ چاپ جدید صفحہ ۷ ۔۵ پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ہمیشہ اہل حق مظفر و منصور ہوں گے"

اس بحث میں آپ نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ مثیلِ انبیاءؑ اور آپ کے مخالف شیعہ علماء مثیلِ کفار ہیں ۔سوال یہ ہے کہ کیا اجمالی ایمان کے بعد بھی کسی مومن پر کفر و تکفیر کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے ۔اور جب حق علیؑ کے ساتھ ہے اور ولایت علیؑ کے قائل ہی اہل حق ہیں خواہ اجمالی طور پر تو کیا نہیں شرعاً اہل باطل قرار دینا جائز ہے؟

جواب: حق و باطل کی تعریف کسی وضاحت و صراحت کی محتاج نہیں ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو چیز قرآن کی آیات محکمہ اور سرکارِ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات صحیحہ و صریحہ کے مطابق ہو وہ حق ہے اور جو چیز ان کے خلاف ہو وہ باطل ہے ۔اور ظاہری ایمان کے ساتھ شرک (خفی) اور عقیدہ ولایت اہل بیتؑ کے ساتھ فسق جمع ہو سکتا ہے جیسا کہ آیت مبارکہ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ کا مفاد ہے اسے "مصادرۃ علی المطلوب" قرار دینا منطقی اصطلاحات سے عدم واقفیت کی دلیل ہے ۔

سوال: آپ نے جن علماء سُو کا ذکر کیا ہے اِن کا شہید ثانی اور شہید ثالث کے ساتھ مذہبی اختلاف تھا لیکن جن علماء کرام سے آپ مخاطب ہیں ان کا آپ سے مذہبی اختلاف نہیں سوائے درجات ایمانی کے ۔تو کیا آپ ان حالات میں علماء سُو کا فتویٰ دے سکتے ہیں؟ جبکہ ان کے نزدیک بھی دین کے اصول و فروع وہی ہیں جن کے آپ معتقد اور پابند ہیں؟

جواب: جو بھی عالم کہلا کر دنیائے دوں اور ذاتی مفاد کی خاطر کتمان حق کرے اور حق اور اہل حق کی مخالفت کرے وہ علماء سُو کے زمرہ میں داخل ہے ۔ کائناً من کان ۔

الغرض اس چیز کا عقیدہ سے زیادہ عمل سے تعلق ہے ۔

سوال: اصول الشریعہ چاپ جدید ص ۵ پر آپ نے تحریر فرمایا ہے: ۔

"مگر اخلاق و اطوار انبیاء کے وارث اس مقدس خانوادہ عصمت و طہارت کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے:

ع وہ جفا کرتے رہے اور ہم دُعا کرتے رہے

سوال یہ ہے کہ کیا کسی کتاب میں آپ کی نظر سے گزرا ہے کہ معصومینؑ نے اپنے قاتلوں اور دشمن کے حق میں دُعا کی جو جناب سیّدہؑ کا خلیفہ اوّل سے ناراض ہونا اور تادم مرگ ظاہری ناراض رہنا، جناب امیرؑ کا حاکم شام کو قنوت میں بدعا کرنا اور مکتوبات میں جگر خوارہ کا بیٹا کہنا اور امام حسینؑ کا مروان کو زنا زادہ کہنا اور زیارتِ عاشورہ اور صحیفہ رضویہ کے مضامین مصرعہ مندرجہ بالا سے متفق نہیں ۔ہاں اس مصرعہ سے آپ سادہ لوح مومنین کو متاثر کر سکتے ہیں ۔

علاوہ ازیں میں نے زیارت ناحیہ اور دُعائے صنمی قریش کو عمداً ترک کر دیا ہے کہ شاید آپ اسے قولِ معصومؑ سمجھتے ہوں ۔کیا ان شواہد کی موجودگی میں معصومینؑ کے حق میں یہ کہنا کہ وہ اہل باطل کے حق میں دُعا کرتے تھے جرأت علی الحق نہیں؟ کیا یہ جوش انتقام نہیں؟ اور کیا اس مصرعہ کو لکھتے وقت جلد بازی سے کام نہیں لیا گیا؟

جواب: جہاں تک اس مصرعہ "وہ جفا کرتے رہے اور یہ دُعا کرتے رہے" کی صداقت کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں علاوہ دوسرے بے شمار شواہد کے خود سرکار

سرورِ کائنات کی وہ دُعا ہی کافی ہے جسے خالقِ کائنات نے جزوِ قرآن بنا کر نازل کیا ہے (جو آپؐ نے اپنے دشمنوں اور باطل پرستوں کے حق میں کی تھی) رَبِّ اِهْدِ قَوْمِیْ اِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اور اگر بعض معصومینؑ نے ظالموں کو بددعا دی ہے تو وہ بھی موجب "لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ" مباح درواہے۔ اور اگر ان کی تقلید و تائید میں بعض اوقات علماء حق بھی ایسا کرتے ہیں تو وہ اس مین حق بجانب ہیں:

ع — ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد؟

مگر ع — جس کی عقل ہو موٹی وہ کیا جانے؟

ے — ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند!

سوال: اصول عقائد میں تقلید کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں آپ کا صحیح فیصلہ کیا ہے؟ کیونکہ اصول الشریعہ ص ۲۰ پر آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ بلکہ آپ نے اس مسئلہ میں شبہات پیدا کر کے اسے اور اُلجھا دیا ہے؟

جواب: میرے نزدیک اقوی یہی ہے کہ اصولِ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اصولِ عقائد میں علم و یقین درکار ہے جو کہ تقلید سے حاصل نہیں ہوتا۔

سوال: جب ایمان کے دس درجے ہیں تو کیا ہر درجہ کے مومن کے لئے اصولِ عقائد میں خبر واحد سے تمسک کرنا غیر معقول ہے؟ کیا احادیث آحاد کو شیعہ کتب سے خارج کر دینے میں دین کی حفاظت ہوگی۔ جبکہ اکثر احادیث آحاد غلو اور تفویض کی موجب ہیں تو ان علماء امامیہ نے اپنی کُتب میں کیوں جگہ دی؟ کیا ہر درجہ کے مومن کے لئے بیکار ہے؟ کیا شیخ ابوجعفر طوسی اور علامہ حلّی جیسے جلیل القدر علماء خبر واحد پر اعتماد کرتے تھے؟

آپ نے اس سلسلہ میں اقوالِ علماء پیش کئے ہیں کیا اس عنوان کی تائید میں آپ قول معصومؑ پیش کر سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں آقائے شعرانی ان پر اعتماد کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

سید حسین لکھنوی فرماتے ہیں کہ بعنوان بالا پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ سرکار غفرانمآب اور شہید ثانی ان پر اعتماد کو غیر معقول سمجھتے تھے کیا اِن اصطلاحات میں شرعاً کوئی فرق ہے؟

جواب: یہ کہنا بالکل غلط اور خلافِ حقیقت ہے کہ حضرت شیخ طوسیؒ یا علامہ حلّیؒ اصولِ عقائد مین اخبار احاد پر اعتماد کرتے ہیں بلکہ ان کا مؤقف بھی دوسرے اعلام کی طرح عدم جواز ہے۔ ہاں وہ بھی دوسرے عام فقہاء شیعہ کی طرح فروعی احکام میں ان پر اعتماد کرتے ہیں (وَهُوَ الْحَقّ) جبکہ سیّد مرتضٰی علم الہدیٰ فروع میں بھی ان کو قابلِ اعتماد نہیں جانتے۔

اور جہاں تک اخبار آحاد کا تعلق ہے جو باہم مل کر کبھی کبھار تواتر معنوی کا فائدہ دیتی ہیں اور علماء اعلام کے یہ اقوال و آراء قولِ معصومؑ کے وجود کے کاشف میں مطلب سب کا ایک ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب میں ذاتی رائے اور قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ باقی رہا ناجائز اور غیر معقول وغیرہ الفاظ تو یہ صرف تعبیر میں فرق ہے۔

سوال: عالیجاہ! مسئلہ تقلید فی الاصول کے بارے میں ایک سوال ہے کہ جب ایمان و معرفت میں ہر لحظہ اضافہ کا امکانِ عقلی موجود ہے خواہ مومن مجتہد ہو یا غیر مجتہد، تو کیا اصولِ عقائد میں تقلید ممکن ہے اور اگر مجتہد بلند درجہ ایمان پر فائز ہو جائے تو مقلّد کے لئے کیا حکم ہے جبکہ وہ اس درجہ معرفت کا متحمل نہ ہو؟

جواب: جب اصولِ عقائد میں تقلید جائز ہی نہیں تو اس ایراد میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟

CS CamScanner

سوال: امور تکوینی کے بارے میں آقائی روح اللہ خمینی آپ کے عقائد سے اختلاف رکھتے ہیں وہ کون سی دلیل شرعی ہے کہ جس سے آپ کے عقیدہ کو آقائی خمینی کے عقیدہ پر ترجیح دی جائے۔ آقائی خمینی کی اصطلاح خلافت تکونیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: بظاہر تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب اعلام شیعہ کے نزدیک امور تکونیہ میں ان ذوات مقدسہ کو مقام وسیلہ حاصل ہے۔ یعنی سب علماء حق کا عقیدہ ہے کہ خلاق عالم اُمور تکونیہ (خلق ورزق اور موت وحیات وغیرہ) کو ان ذواتِ مقدسہ کے وسیلہ اور صدقہ میں انجام دیتا ہے نہ یہ کہ یہ ذواتِ مقدسہ بطور وظیفہ و فرض منصبی بنفس نفیس اِن اُمور کو انجام دیتے ہیں:

ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

یارلوگوں نے تو "انتم سکاری" کو چھوڑ کر "لاتقربوا الصلوٰۃ" پر عمل کرتے ہوئے سرکار آقائی خمینی مدظلہ اور میرے عقائد ونظریات کے اختلاف سے متعلق بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے ہیں۔ آدھی سطر ان کی کتاب سے لے لی ایک آدھ جملہ میری کسی کتاب سے لے لیا اور پھر باہمی اختلاف کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اگر ان ڈھنڈورچیوں میں ہمت وجرأت ہے تو اس طرح کریں مثلاً میں کہتا ہوں کہ سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام مقام اعجاز نمائی میں خلق کر سکتے ہیں اور روزی دے سکتے ہیں مگر بطور فرض منصبی ان امور کا انجام دینا ان کا کام نہیں، یہ لوگ ثابت کریں کہ آقائی خمینی نے بطور فرضِ منصبی ان اُمور کی انجام دہی ان ذوات مقدسہ سے متعلق سمجھتے ہیں۔ یا میں کہتا ہوں کہ سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام

کی نوع علیحدہ نہیں بلکہ وہ نوع انسان کے افضل واکمل افراد ہیں تو یہ ثابت کریں کہ آقائی موصوف کے نزدیک یہ انسانی نوع سے خارج ہیں یا اِن کی نوع جداگانہ ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس دوسرے عقائد کا معاملہ ہے۔ اور اگر بالفرض ان لوگوں نے ایسا کوئی اختلاف ثابت کر دیا تو چونکہ میں نے اپنے مؤقف کی صحت پر عقلی وسمعی دلائل پیش کر دیئے ہیں، اہل دانش وبینش خود فیصلہ کریں گے کہ حق کس کے ساتھ ہے؟

سوال: اصول الشریعہ ص ۲۳ پر آپ نے جناب رسولِ خدا کی ایک حدیث درج فرمائی ہے جس کا ترجمہ ہے "مجھے میرے حقیقی مرتبہ ومقام سے نہ بڑھاؤ کیونکہ خداوند عالم نے مجھے مرتبہ نبوت عطا کرنے سے قبل اپنا بندۂ خاص بنایا ہے" آپ کے نزدیک یہ تقدّم وتاخرّ ذاتی ہے یا زمانی۔ اگر زمانی ہے تو کیا آپ نشاندہی کر سکتے ہیں کہ کتنا عرصہ وہ بغیر نبوت کے رہے۔ اس کو تقدّم یا تاخرّ ذاتی پر محمول کرنے میں کون سی قباحت ہے، اس میں عرصہ کی قید بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جس طرح آپ یہ فرمائیں گے کہ میں پاکستانی پہلے اور پنجابی بعد میں ہوں۔ اس میں کسی زمانہ کے لئے آپ کے پنجابی ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور نہ پاکستانی اور پنجابی ہونے کے درمیان کوئی فاصلہ ہے، کیا اس کا آسان اور صحیح مفہوم یہ نہیں کہ نبی ہر حال عبد ہے معبود نہیں اور باوجود نبی ہونے کے وہ اپنی عبدیّت کو مقدم سمجھتا ہے۔

جواب: میں نے اصول الشریعہ میں تقدّم وتاخر، ذاتی وزمانی کی بحث چھیڑی ہی نہیں۔ ہاں اب چونکہ آپ نے اس کا تذکرہ کیا ہے تو اجمالاً عرض ہے کہ جہاں تک حضرات انبیاء ہیں "صلوحِ نبوّت" کا تعلق ہے اسکے اعتبار سے عبدّیت و نبوت میں تقدّم وتاخر یقیناً ذاتی ہے زمانی نہیں ہے۔

مگر جہاں تک عبدیت اور فعلیّت نبوّت (اظہار و اعلان نبوت) کا تعلق ہے تو اس کے لحاظ سے یہ تقدّم و تاخر زمانی ہوسکتا ہے ۔ کَمَا لَا یَخْفٰی

سوال : کیا شرح جوشن کبیر میں آپ ملّاں ہادی سبزواری کی بحث در باب وجودات ثلٰثہ مثلاً (خالق، خلق، مخلوق) (آمر، امر، مامور) (صانع، صنع، مصنوع) کو صحیح تسلیم کرتے ہیں؟ کیا خلق، امر اور صنع وجودات میں ایک تیسرا وجود نہیں رکھتے؟

جواب: سبزواری مرحوم کے وجودات ثلٰثہ والی بحث سے مجھے اتفاق نہیں ہے ۔ یہ عرفان بافی ان لوگوں کو مبارک ہو جو کہتے ہیں: ۔

ے اصل شہید، شاہد و مشہود ایک ہے
حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں؟

سوال : آپ نے اپنی کتاب "اصول الشریعہ" کے پیش لفظ کے آخر میں ایک شعر علامہ اقبال کا درج فرمایا ہے جس کا مصرعہ ثانی ہے: ۔

ع کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

کیا اپنے منہ اپنی تعریف کرنا اور پھر اس انداز سے طریقہ عقلائی ہے کیا یہ تکبّر نہیں؟ کیا اکثر علماء اعلام کی اکثر تاویلات جو آپ نے پیش کی ہیں اور جن کا انحصار علوم ناقصہ واکتسابیہ پر ہے محض ظنّی نہیں؟ کیا یہ علوم حامل اسرار الٰہیہ ہیں یا علوم وہبیہ؟ کیا ہم تاویلات کو اسرارِ الٰہیہ کہہ سکتے ہیں؟ کیا ان علوم ناقصہ کو علامہ محمد باقر مجلسی علم کی بجائے تقلید نہیں کہتے؟

جواب: نہیں، یہ بات اپنے منہ سے اپنی تعریف کے زمرہ میں نہیں آتی بلکہ اسے (اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) کے طور پر اظہارِ عقیدت اور تحدیثِ نعمت کہا جاتا ہے جس کا قولاً و عملاً اظہار کرنے کا شرعی حکم ہے ۔

سوال : آپ کی ضیافت طبع کے لیئے علامہ اقبال کا ایک شعر عرض کرتا ہوں کیونکہ آپ نے اپنی کتب میں اکثر اشعار لکھے ہیں ۔

ے قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لُغت ہائے حجازی کا

کیا اس شعر کے اعتبار سے آپ کے لیے مصرعہ اوّل موزوں ہے یا مصرعہ ثانی مناسب؟

مصرعہ اوّل کے اعتبار سے کیا آپ دعویٰ قلندریت کر سکتے ہیں جبکہ آپ فقیہہ ہیں اور قلندر و فقیہہ بقول علامہ اقبال کے آپس میں ضد ہیں ۔ قلندر کا علم خدا کی طرف سے فیضان ہے جبکہ فقیہہ کا علم کسب و اکتساب سے ہے ۔ کیا یہ دعویٰ عدم تدبّر کی وجہ سے تو نہیں ۔ آپ کے اس دعویٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے جبکہ آپ اپنے مقام پر شریعتمدار بھی ہیں؟

جواب: فقیہہ و قلندر کے درمیان فرق کے سلسلہ میں جو موشگافی کی گئی ہے وہ ملّائی ذہن کی غمازی کرتی ہے ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہاں قلندر سے مُراد وہ مرد حق بین و حق آگاہ ہے جسے اظہار حق سے کوئی دنیوی مصلحت و مفاد مانع نہ ہو ۔ وَلَا مُشَاحَةَ فِی الاصطلاح ۔ یہ مُوشگافی خود عدم تدبّر کا نتیجہ ہے ۔

ع سخن شناس نہٖ دلبرا خطا اینجا است

سوال : اصول الشریعہ چاپ جدید ص ۵۵ پر آپ نے جو کُتب کی عظمت کا معیار بیان کیا ہے وہ یہ ہے: ۔

"اگر کسی کتاب کے خلاف شدید جذبات اُبھریں اور اسی اہتمام سے حامیوں نے کتاب کی تائید میں گرمی دکھائی تو اغلب خیال یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب نے لوگوں کی فکر پر گہرا اثر ڈالا ہے" ۔

CS CamScanner

آپ لفظ عظمت کا یہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ یہ کتب قابل قبول ہیں جو معیار مسٹر ڈونزر نے قائم کیا ہے۔ اس کا تعلق کتاب کے اثر سے ہے اس لیے حق پر مبنی ہونے سے نہیں۔ اس قسم کی اور بھی عظیم کتابیں موجود ہیں جو بے دینی کی طرف دعوت دیتی ہیں مثلاً مرزا غلام احمد آنجہانی کی تصنیفات اور خاص کر سواس دیانندار کی کتاب ستیارتھ پرکاش، یہ کتب بلاشبہ آپ کی کتب سے عظیم تر ہیں۔

جواب: یہ معترض کی خوش فہمی ہے کہ عظمت کے معنی "قابل قبول کر رہے ہیں" ورنہ میں نے کہیں بھی اس لفظ سے یہ مفہوم مراد نہیں لیا بلکہ میری عبارت میں وارد شدہ اس لفظ کے وہی معنی مُراد ہیں جو اس قسم کے مواقع پر مُراد لیے جاتے ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے یقیناً نام بردہ کتابیں بھی عظیم ہیں یعنی غیر معمولی ہیں اور میری کتابیں بھی اس حوالہ سے اس سے زیادہ کچھ ثابت کرنا مقصود نہیں ہے۔

سوال: کیا آپ اپنی کُتب کے مندرجات کو حق کا درجہ دیتے ہیں اور ان میں پیش کردہ عقائد کو عین حقیقت سمجھتے ہیں جبکہ ان کا تعلق زیادہ تر ان تاویلات سے ہے جن کا مدار ظنیات پر ہے کیا ظن حق کا فائدہ دے سکتا ہے، کیا ہوسکتا ہے کہ آنے والے وقت میں مزید غور وخوض کے بعد آپ کے بعض عقائد میں تبدیلی ہو جائے؟

جواب: قانونِ قدرت و آئین فطرت یہی ہے کہ ایک صاحب عقل و خرد جب تک کسی بات کو حق نہیں جانتا اس وقت تک اسے اختیار نہیں کرتا۔ بنابریں میں نے جو عقائد اپنی کتابوں میں پیش کئے ہیں انہیں حق سمجھ کر ہی اختیار کیا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ان عقائد و نظریات کا دار و مدار تاویلاتِ ظنّیہ پر نہیں بلکہ نصوص صریحہ صحیحہ اور محکمہ پر ہے جو کہ قطعی و یقینی ہیں (الا ما شذّ و ندر والنادر فی

حکم المعدوم)

سوال: کیا جو کچھ آپ نے پیش کیا ہے یہی آپ کا عقیدہ ہے جو شبہات سے پاک ہے یا یہ صرف جوابی کاروائی ہے کہ آپ کے مخالفین سمجھ لیں کہ روایات و تاویلات کا کافی ذخیرہ ان کے عقائد کے خلاف بھی موجود ہے؟

جواب: بحمدہٖ تعالیٰ میرا قلبی عقیدہ وہی ہے جو میں نے اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے یہاں بفضلہٖ تعالیٰ تقریر و تحریر میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں ہے۔

؎ کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

تقریر و تحریر مین اختلاف و تضاد کا طعنہ دینے والے اپنے آئینہ میں دوسروں کو نہ دیکھا کریں۔

سوال: پرویزیت کے بارے میں آپ کا کیا مطالعہ ہے؟

جواب: یہ اسلام کی ایک مسخ شدہ شکل ہے۔ یہ حدیث کے بالکل منکر ہیں۔ گو بظاہر یہ کہتے ہیں کہ حدیث وہی قابل قبول ہے جو قرآن کے موافق ہو اور جو قران کے مخالف ہو وہ مسترد کی جائے گی۔ اب سوچنا یہ ہے کہ قران کے خلاف ہونے کا کیا معیار ہے؟ یہ لوگ اپنی سوچ کو معیار سمجھتے ہیں، اپنی سوچ ہی کو اتھارٹی سمجھتے ہیں۔ انکی ذاتی تاویلیں ایسی ہیں جس کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ان کا یہ دعویٰ کلمۃ حق یراد بہا الباطل کا مصداق پرویز صاحب کی تاویلات دیکھ کر بے ساختہ اقبال کی یہ رباعی زبان پر آجاتی ہے:

؎ ز ما بر صوفی و ملّا سلامے — کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

سوال: سعادۃ الدارین کے حوالے سے ایک روایت کی وضاحت چاہتا ہوں۔

آپ کے نزدیک سیّدہ زینبؑ کا مزار کون سے مقام پر ہے؟

جواب: اس میں مؤرخین کا شدید اختلاف ہے۔ مصر کی روایات بھی ملتی ہیں بعض علماء (جن میں قبلہ حضرت ناصر الملت بھی شامل ہیں) یہ جناب عالیہ بی بی کی وفات اور مزار مدینے میں مانتے ہیں۔ میری ناچیز تحقیق کے مطابق بھی مدینے میں مزار کا ہونا زیادہ قابل اعتبار ہے۔

اگرچہ مؤرخین میں زیادہ شہرت مصر کو اور عوام میں زیادہ شہرت شام والی روایت کو ہے۔ حالانکہ یہ روایت درایت کے اعتبار سے کمزور ہے۔ واللہ العالم و ھو الموفق۔ میں نے سعادۃ الدارین میں لکھا ہے کہ خدا توفیق دے تو تینوں مقامات پر اس معظّمہ کی زیارت کرنی چاہیئے۔ واللہ العالم وھو الموفق۔

سوال: لاہور سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس پر روزنامہ "جنگ" میں تبصرہ ہوا تھا۔ یہ کتاب بی بی پاک دامن سے متعلق ہے آپ کی تحقیق کے مطابق کیا رقیہ بنت علیؑ کا مزار لاہور میں ہونا درست ہے؟

جواب: نہ صرف میں بلکہ تمام علماء شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی صلبی بیٹیوں کے لاہور میں تشریف لانے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ سیّدزادیاں ہوں اور پاکدامن بھی ہوں لیکن امیر المومنینؑ کی کسی شہزادی کا لاہور میں آنا کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے اور جبرئیل ہمارے پاس آتے نہیں۔

جناب رقیہ خاتون کے مزار کی شہرت بھی شام میں ہے لیکن درحقیقت ان کا مزار مدینہ ہی میں ہے۔ اب انہدام قبور کے بعد اس مظلوم بی بی کا مزار بھی موجود نہیں ہے۔

نیز یہ بھی واضح ہے کہ جناب رقیّہ کو حضرت ابوالفضل العباسؑ کی سگی بہن قرار دینا بھی فاش تاریخی غلطی ہے۔ وہ عمرو اطرف کی سگی بہن ہیں سرکار وفاؑ کی کوئی سگی بہن پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ فتدبّر۔

سوال: کیا آپ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ ہند زوجہ یزید پہلے حضرت سیّد الشہداءؑ کے حرم میں تھی؟

جواب: صرف میں نے ہی نہیں بلکہ آقائی ناصر الملت نے "ہدایات ناصریہ" اور دوسرے بہت سے اہلِ علم و تاریخ نے بھی اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ یزید سے پہلے ہند حضرت سیّد الشہداءؑ کی زوجیت میں تھی۔ اب ہند کے ایمان اور عقیدہ کے بارے میں جو افسانے گھڑے جاتے ہیں کہ وہ مومنہ تھی اور ایسی تھی اور ویسی تھی تو اس نے خاندانِ رسولؐ سے ناطہ توڑا کیوں؟ اور یزید پلید کے ساتھ رشتہ جوڑا کیوں؟

بہرحال امام حسینؑ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد وہ مختار تھی جس سے چاہتی عقد و ازدواج کرتی، اس سے امامؑ کی شان میں کیا فرق پڑتا ہے؟

سوال: نادِ علیؑ کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟

جواب: اس موضوع پر میں نے "اصول الشریعۃ" میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ نادِ علیؑ پر روائتی طور پر کافی بحث کی جا سکتی ہے کہ اس کا راوی کون ہے؟ آیا یہ کسی امام سے منقول ہے یا نہیں ہے؟ اس کا شان ورود کیا ہے؟ آیا یہ جنگ خیبر میں نازل ہوا یا جنگ اُحد میں؟ لیکن بطور وسیلہ اور برجاء مطلوبیت اس کے پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

یہ پڑھا بھی بطور وسیلہ جاتا ہے جیسا کہ مصرعہ "کل غم وغم سینجلی بولایتک یا علیؑ" کی بائے توسل سے ظاہر ہے کہ "یا علیؑ ہر غم آپ کی ولایت کی برکت سے دور ہو جائے گا"۔

سوال: آپ نے قوانین الشریعہ میں لکھا ہے کہ سہم امامؑ زمانۂ غیبت میں ساقط ہے اس کی وضاحت کر دیں؟

CS CamScanner

جواب: میں نے اسی کتاب میں اس مسئلہ کی کماحقہٗ وضاحت کر دی ہے کہ غیبت کبریٰ میں امام زمانہ نے اپنے شیعوں کے لئے اپنے سہم (حصہ) مباح کر دیا ہے۔ جو کچھ میں نے روایات میں پڑھا اور علماء سے سُنا تھا وہ لکھ دیا ہے۔ در اصل یہ ایک انتہائی اختلافی اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ میں نے کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ لکھا ہے کہ گو سہم امام کا وجوب ساقط ہے مگر انسان کو احتیاط کرنی چاہیئے، سہم امام بھی ادا کرنا چاہیئے۔

سوال: خمس کے بارے میں قوانین الشریعہ میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ یہ غیر سادات کو بھی دیا جا سکتا ہے اور کارِ خیر پر بھی صرف کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت کر دیں؟

جواب: جو کچھ سوال میں مذکور ہے یہ میں نے صرف سہم امامؑ کے متعلق لکھا ہے اور جہاں تک سہم سادات کا تعلق ہے وہ تو صرف سادات کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ سارے فقہائے امامیہ کا یہی فتویٰ ہے کہ اگر سہم امام سادات کی ضروریات سے بچ جائے تو اس کو ہر اس کارِ خیر پر صرف کیا جا سکتا ہے جس کے متعلق یقین ہو کہ امام زمانہؑ یہاں خرچ کرنے پر راضی ہوں گے۔

اس طرح یہ سہم مبارک ان غیر سادات پر صرف کیا جا سکتا ہے جو ایمان دار ہوں اور حاجتمند۔ نیز اسے دینی مدارس پر بھی صرف کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ اس کا بہترین مصرف ہے اور مدارسِ دینیہ کا قیام اور ان کا استحکام عصرِ حاضر کی اہم دینی ضرورت ہے۔

سوال: آپ کی کتاب "اصول الشریعہ" میں چونکہ اصولِ عقائد سے بحث کی گئی ہے اور مسئلہ مندرجہ ذیل کا تعلق بھی عقائد سے ہے گو آپ کی کُتب میں اس پر مخصوص بحث نہیں کی گئی لیکن میرے خیال میں یہ آپ کی تعلیمات کے مطابق

ہے اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں اسے برائے حل پیش کیا جائے۔ اس مسئلہ کا تعلق اس استفسار سے ہے جو مولوی محسن علی سبزواری اعلیٰ اللہ مقامہٗ نے جناب علامہ سیّد ناصر حسین مجتہد لکھنؤ سے دریافت کیا۔ استفسار اور اس کے جواب کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:۔

خلاصہ استفسار:۔ کیا ملائکہ قرأت و کتابت جناب امیرؑ نے کسی استاد سے اکتساباً حاصل کیا یا انہیں من اللہ حاصل تھا کہ اس سلسلہ میں آپ کو ان کے استاد کا نام معلوم ہے۔ (محسن علی)

علامہ کا جواب: ممکن ہے کہ جناب امیرؑ نے کسی استاد سے اکتساباً حاصل کیا ہو مگر مجھے نام اس استاد کا معلوم نہیں (ناصر حسین)

میرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کا عقیدہ مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے فتویٰ کے مطابق ہے یا آپ اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مجھے اس مسئلہ میں صرف آپ کے فتویٰ کی ضرورت ہے بحث کی نہیں۔ کیونکہ بحث اس موضوع پر کشف الاسرار میں کافی ہو چکی ہے۔

جواب: مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔

سوال: علامہ سیّد غلام حسین کنتوری آپ کے پسندیدہ علماء میں سے ہیں کیا آپ کو ان کی تحقیق سے اتفاق ہے کہ جناب امیرؑ کو جبرئیلؑ کا استاد کہنا غلط ہے چونکہ جبرئیلؑ معلم رسولؐ ہیں اور اس طرح حضرت امیر کی حیثیت رسولؐ اللہ کی نسبت استاذ الاستاد کی ہو جائے گی۔

جواب: مجھے جناب علامہ کے جواب سے اتفاق نہیں ہے۔

سوال: تو پھر اس سلسلے میں آپ خود کیا نظریہ رکھتے ہیں؟

جواب: جہاں تک جناب امیر علیہ السلام کا تعلق ہے ان کا ایک معلم خدا ہے

CS CamScanner

اور دوسرا رسولِ خدا ۔ الغرض نبی و امام علم وہبی ولدُنی کے حامل ہوتے ہیں نہ کسبی واکتسابی کے ۔

سوال: آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ امام حسینؑ کی آخری نماز کو مشکوک جانتے ہیں کہ بدن اور لباس خون آلودہ تھے کیا یہ درست ہے، کیا آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں؟

جواب: العیاذ باللہ ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

ورنہ امام عالی مقامؑ کے متعلق کوئی مسلمان بلکہ کوئی صاحب عقل وعلم انسان ایسا وہم وگمان بھی نہیں کرسکتا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس مشکوک النسب نے یہ تہمت تراشی ہے وہ فقہ جعفریہ کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہے ۔ ورنہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ ہر شہید راہ خدا کا غسل اس کا خون اور اسکے خون آلودہ کپڑے اس کا کفن ہوتے ہیں ۔ تو جب عام شہید کا یہ حکم ہے تو جو امام معصومؑ ہونے کے علاوہ سیّد الشہداءؑ بھی ہو اس کے متعلق اس قسم کے فاسد نظریہ کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا ۔

سوال: وسیلے کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے؟ کیونکہ آپ نے یہ کہہ کر کہ "محمدؐ و آلِ محمدؐ اللہ سے لے کر مخلوق کو دیتے ہیں" ۔

اصل معنی وسیلہ کو ردّ کیا ہے اس کی وضاحت فرمائیں اور وسیلے کے جس معنی کا آپ نے تعیّن کیا ہے کہ وہ بہ ایں معنی وسیلہ ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے زمین و آسمان تخلیق کئے اگر یہ نہ ہوتے تو اللہ زمین و آسمان کو خلق نہ کرتا اگر یہی مفہوم ہے وسیلے کا تو اس میں تو ہم بھی شامل غرض ہیں ۔

جواب: جہاں تک وسیلہ کے مفہوم و معنی کا تعلق ہے میں نے اِن دونوں میں سے جو اس سوال میں مذکور ہیں کوئی ایک بھی بیان نہیں کیا بلکہ اس کے دو معنی قرآن وسنت کی روشنی میں متعین کئے ہیں: ۔

① ان ذوات مقدسہ کا واسطہ دے کر خالق و مالک سے سوال کیا جائے جیسے یا اللہ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ میرا فلاں کام کر (اور یہ طریقہ افضل ہے) ۔

② خطاب ان ذواتِ مقدسہ کو کیا جائے مگر اس طرح استدعا کی جائے کہ آپ میرا فلاں کام خدائے رحمان سے کرادیں ۔

سوال: عالیجاہ! آپ کے عقائد پر تبصرہ وتنقید تو علماء کا کام ہے میں ایک عام شیعہ ہونے کی حیثیت سے آپ سے ایک سوال کر رہا ہوں کہ اگر تمام قوم لوازم شرعی کے ساتھ پاکستان میں آپ کی اعلمیت کو تسلیم کرے تو آپ کون کون سی ضروری اصطلاحات نافذ کریں گے کہ جن سے قوم کا دین اور دُنیا سدھر جائے اور آپ کو اگر قوم کی مکمل قیادت حاصل ہوجائے تو آپ غلاۃ مفوضّہ اور شیخیہ کے ساتھ شرعی لحاظ سے کیا سلوک کریں گے ۔ نیز کیا آپ اپنے نام کے ساتھ ان حالات میں لفظ امام کو پسند فرمائیں گے جس طرح آقائے خمینی کے ساتھ لفظ امام رائج ہے؟

جواب: میرا ہرگز ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ۔ مقام شکر ہے کہ خدا نے میرے دماغ میں قیادت کا کیڑا ہی پیدا نہیں کیا اور نہ ہی یہ بوجھ میں اپنے کمزور کاندھوں پر اُٹھانے کے لئے تیار ہوں ۔ ہاں بموجب ایں کہ "فرض محال محال نباشد" بالفرض اگر گردشِ روزگار سے زمامِ کار میرے نحیف ہاتھ میں آجائے تو میں قوم کو منہاجِ نبوت وامامت پر چلاؤں گا اور اپنے لئے لفظ امام کا اطلاق روا نہیں سمجھوں گا اور غلاۃ ومفوضہ اور دیگر اہل زیغ وضلال کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو جناب امیر المومنینؑ نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں ایسے لوگوں سے کیا تھا ۔ واللہ الموفق ۔

سوال: کیا علی ولی اللہ جزو اذان ہے؟

جواب: نہیں! یہ شہادت بالاتفاق جزو اذان و اقامت نہیں ہے ۔ ہاں البتہ یہ کلمۂ ایمانیہ کا جزو ہے ۔ اذان کے کل اٹھارہ فصول و اجزاء ہیں جن میں شہادت ثالثہ شامل نہیں ہے ۔ مگر آج تو اہل منبر کی تبلیغ کے نتیجہ میں قوم بہت آگے نکل گئی ہے اور اذان کے علاوہ نماز کے تشہد میں تیسری شہادت پڑھ رہی ہے ۔ اور آج اُسے سب سے بڑا محبِّ اہل بیتؑ سمجھا جاتا ہے (العیاذ اللہ) حالانکہ قرآن، سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے فرمان اور علماء اعلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت نہیں ہے ۔

سوال: کیا حضرات محمدؐ و آل محمدؑ کے تمام موجودات سے پہلے ارادہ خداوند متعال سے خلقت وجودی میں جلوہ افروز ہونے کے آپ قائل ہیں؟

جواب: ہاں خلقت روحانی و نورانی کے اعتبار سے میں سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو تمام مکوناتِ ارضی و سماوی میں سے اوّل مخلوق جانتا ہوں ۔ گو ظاہری بدنی و جسمانی خلقت کے اعتبار سے ان کو اولادِ آدمؑ اور بنی نوع انسانی کے افراد کاملہ مانتا ہوں اور یہی مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے ۔

سوال: کیا حقیت نورانیہ محمدیہ حقیقتاً طینت بشر کے علاوہ ہے؟

جواب: طینت و بشریت کا تعلق ان ذوات مقدسہ کی ظاہری و جسمانی خلقت سے ہے کہ خالقِ حکیم نے ان کو حقیقی انسان کامل بنا کر دُنیا میں بھیجا ۔ ان کی اولی و روحانی خلقت سے طینت و بشریت کا تعلق نہیں ہے کیونکہ روح جسمانی و بدنی عوارض سے مبرّا ہے ۔

سوال: کیا محمدؐ و آل محمدؑ موجود لاہوتی ہیں جو کہ ارادۂ خداوندی سے لباس بشری پہن کر عالم ناسوت میں ناسوتیوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اس ہیکل میں ظاہر ہوئے جیسا کہ جبرئیلؑ بھی کبھی کبھی لباس بشری میں آتے تھے ۔ اس بارے

میں آپ کے کیا نظریات ہیں؟

جواب: یہ شیخیوں کا عقیدہ ہے جس کا مکمل ابطال میں نے اصول الشریعہ کے پہلے باب میں ناقابل رد دلائل سے کر دیا ہے ۔ شیعی عقیدہ یہ ہے کہ خالق حکیم نے جب ان کو دارِ دُنیا میں بھیجنا چاہا تو حقیقتاً ان کو انسانی نوع کا فرد کامل و اکمل بنا کر پیدا کیا ۔ ایسا نہیں ہے کہ ظاہر مین انسان اور باطن میں کچھ اور ہوں یہ عقیدہ کہ یہ حضرات ہر نوع کو اس شکل میں جا کر ہدایت کرتے ہیں یہ شیعی عقیدہ نہیں ہے بلکہ شیخی نظریہ ہے ۔

سوال: طوالع الانوار ص ۲۳ مطبوعہ ایران پر امیر المومنینؑ کا فرمان ہے جس کا ترجمہ ہے کہ "ہم ہیکل بشری میں رکھے ہوئے اسرارِ خداوندی ہیں ہمارا مرنے والا مردہ نہیں، ہمارا غائب غائب نہیں، ہمیں منزل توحید سے نیچے رکھو اور لوازمات بشری سے بلند رکھو پھر ہماری عظمت شان میں جو کچھ بیان کر سکتے ہو کرو" کیا آپ مندرجہ بالا روایت کو معتبر مانتے ہیں؟ نیز اس پر آپ کیا تبصرہ فرمائیں گے ۔

جواب: اس قسم کو روایات پر رواتیہ "دوراتیہ" میں نے اصول الشریعہ کے مقدمہ میں تبصرہ کر دیا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ اس قسم کی مرسل و مقطوع السند روایات و خطبات کا بنا بر تسلیم (حالانکہ مقام اعتقاد میں آیاتِ محکمات یا روایات متواترات کی ضرورت ہے) اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ۔ چونکہ یہ ذواتِ مقدسہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں اس لئے وہ نہ خدا جیسے ہیں اور نہ نقص و عیب اور گناہ و عصیان میں عام مخلوق جیسے ہیں ۔

بلکہ وہ عالم علم الدنی اور معصوم ہستیاں ہیں جن کو خالق حکیم نے ہدایتِ خلق کے لئے اس عالم رنگ و بو میں بھیجا ہے ۔ اس لیے فضل و کمال میں ان کو وہ بلند مقام و مرتبہ حاسل ہے کہ "لا یقاس بآل محمد احد من الناس"

ان پر کسی آدمی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا (نہج البلاغہ)

سوال: صحیفہ الابرار جلد اوّل صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ کویت میں امیر المومنینؑ خطبہ طارقیہ میں تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ۔

"امام وہ ہے جو کائنات کا مرکزی نقطہ اور دائرات کا قطب اور ممکنات کا راز اور جلالِ کبریائی کی شان ہے"

جس طرح آپ نے خطبہ البیان کی نفی فرمائی ہے کیا آپ اس خطبہ کی بھی نفی فرمائیں گے یا اس کی تائید کریں گے ۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فضائل باطنیہ کی روایات کو ماننے سے آپ گریز کیوں کرتے ہیں؟ مندرجہ بالا خطبہ کے بارے میں آپ کے کیا نظریات ہیں ۔

جواب: میں نے خطبہ البیان کے بارے میں احسن الفوائد اور اصول الشریعہ میں اپنا اور دوسرے شیعہ اعلام کا نظریہ پیش کیا ہے اور اس کے ساتھ ملتے جلتے خطبوں کے بارے میں میرا وہی نظریہ ہے جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے بھی ایسا ہی افادہ فرمایا ہے کہ "اما خطبۃ البیان واشباھھا فلم توجد الا فی کتب الغلاۃ"

یعنی خطبۃ البیان اور اس جیسے خطبے غالیوں کی کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں پائے جاتے (سابع بحار ص ۳۶۰ طبع قدیم) یہی وجہ ہے کہ اس خطبہ کے سلسلے میں آپ نے بھی صحیفۃ الابرار کا حوالہ دیا ہے جو کویتی شیخیوں کی کتاب ہے جو غالیوں کا ایک فرقہ ہے ۔

یہ خطبہ نہ نہج البلاغہ میں ہے نہ کتب اربعہ میں اور نہ دوسری کتب معتبرہ میں ۔ علامہ مجلسیؒ نے اسے مجہول الحال کتاب سے نقل کیا ہے اور پھر نقل کرکے اسکے بظاہر خلاف شرع جملوں کی تاویلیں کی ہیں ۔ ہم ظاہری شریعت کے قائل ہیں ہم کسی باطن کو ماننے اور اس پر ایمان لانے کے مکلف اور مامور نہیں ہیں ۔

سوال: آقائے خمینی پرواز در ملکوت جلد دوم ص ۲۳۷، ص ۲۲۵ پر فرماتے ہیں کہ "ہر رزقی را خواہد توسیع و ہد و ہر یک را خواہد تضییق کند" آپ یعنی امام زمانہ جس رزق کو چاہتے ہیں وسیع کر دیتے ہیں اور جس رزق کو چاہتے ہیں تنگ کر دیتے ہیں" آپ اس پر کیا تبصرہ فرمائیں گے؟

جواب: آقائے خمینی مدظلہ کی مذکورہ کتاب میرے پیش نظر نہیں ہے تاکہ اس کا سیاق وسباق دیکھ کر اس عبارت کے متعلق کوئی تبصرہ کیا جاسکے ۔ اور جہاں تک ولایت تکوینی کا تعلق ہے اس پر میں اس سے قبل اسی انٹرویو میں اظہار خیال کر چکا ہوں ۔

سوال: کیا ملائکہ مؤکلین اور مدبرات امور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے خدمت گار اور اطاعت گذار ہیں؟

جواب: بعض روایات میں وارد ہے کہ "ان الملائکۃ لخدامنا و خدام محبینا" (دمعۂ ساکبہ) کہ ملائکہ ہمارے اور ہمارے مخلص محبوں کے خادم ہیں یعنی ہم ان سے افضل ہیں اور وہ مفضول ۔ وہ ہماری خدمت کرنا، ہمارے شہزادوں کی گہوارہ جنبانی کرنا اور ہمارے زائروں کی نگہبانی کرنا اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتے ہیں ۔ مگر اس کا مطلب نہیں کہ فرشتے جو فرض منصبی ادا کرتے ہیں یا ڈیوٹی دیتے ہیں وہ ان کے حکم سے دیتے ہیں یہ کلمۃ حق یراد بھا الباطل کا مصداق ہے ۔

اگر بالفرض اس روایت کا یہی مفہوم ہو تو پھر عام اہل ایمان کو بھی یہی مقام ومنصب حاصل ہوگا ۔ کیونکہ اس حدیث کے مطابق ملائکہ ان کے بھی خادم ہیں ۔

سوال: آقائے خمینی الحکومۃ الاسلامیہ ص ۵۲ مطبوعہ تہران میں فرماتے ہیں: ۔

" فان للامام مقاماً محموداً و درجۃً و خلافۃ تکوینیۃ تخضع لولایتھا لسیطرتھا جمیع ذرات ھٰذا الکون"

ولایت و خلافت تکونیہ میں آقائے خمینی سے اس سلسلے میں آپ اختلاف رکھتے

ہیں یا اتفاق؟

جواب: یہ اگر مقام اعجاز نمائی میں ہے تو درست ہے۔

سوال: کیا معصوم علم احاطی سے جانتا ہے یا کہ علم اخباری یا التفاری سے؟

جواب: علوم شرعیہ میں ان کا علم احاطی ہے اور جہاں تک امور تکونیہ کا تعلق ہے ان میں ان کا علم توجہی و التفاتی ہے۔ تفصیل کے لئے اصول الشریعہ کی طرف رجوع کریں۔

سوال: کیا ہر انسان عبادت اور ریاضت سے عبودیت مطلقہ حاصل کر سکتا ہے؟

جواب: عبودیت مطلقہ کے لفظ میں اجمال ہے اگر اس سے مراد مقام نبوت و امامت ہے تو یہ ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ خدا جس کو چاہتا ہے نبی و امام بناتا ہے۔

ع   عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

الغرض یہ عہدہ وہبی ہے اکتسابی نہیں ہے اور اگر اس سے مراد مقام ایمان و ایقان کامل ہے (مثل سلمانؓ و ابوذرؓ و امثالہم) تو یہ ہر شخص حاصل کر سکتا ہے۔

ے   فرشتوں سے افضل ہے انسان ہونا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

سوال: حضرت امام جعفر صادقؑ نے مفضل بن عمر کو خط میں فرمایا:

"نحن الصلوٰۃ و نحن الزکوٰۃ"

کیا مندرجہ بالا فرمان معصومؑ کی آپ تشریح کرنا پسند فرمائیں گے؟

جواب: اس کا مطلب واضح ہے کہ اِن کے اعتقادِ ولایت اور ان کی مؤدت و محبت کے بغیر نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ زکوٰۃ اور نہ کوئی اور عمل و عبادت۔ تو اس لئے انہوں نے مجازاً فرما دیا کہ گویا ہم نماز و زکوٰۃ ہیں۔ اس کا ہر گز یہ مطلب

نہیں ہے کہ ان کے ادعاء محبت کے بعد نماز و زکوٰۃ کی ضرورت نہیں۔ یہ کلمۃ حق یراد بہا الباطل والا معاملہ ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دشمنانِ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی کوئی عبادت قبول نہ ہو اور محبوں کو کسی عمل و عبادت کی ضرورت نہ ہو تو پھر سوچنا پڑے گا کہ یہ دین آیا کن لوگوں کے لئے تھا اور ان ذواتِ مقدسہ نے کس مقصد کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت اہل بیتؑ اعمال و عبادات کو قبول کروانے کے لئے ہے عمل صالح سے گلوخلاصی کرانے کے لئے نہیں ہے۔

سوال: آقای خمینی مصباح الہدایہ ص ۷۱ میں فرماتے ہیں:۔

"و استمد من اولیاء اللہ الطاهرة فی الدنیا والآخرة"

کیا آپ اس عقیدے سے اتفاق کرتے ہیں؟

جواب: میں نے اپنی کتابوں میں کئی مقامات پر اس امر کی وضاحت کی ہے کہ بطور وسیلہ ان ذواتِ مقدسہ سے استمداد جائز ہے یعنی یہ حضرات بارگاہِ خداوندی میں سفارش کر کے ہمارے کام انجام دلوا دیتے ہیں جیسے کہ دعائے توسل وغیرہ کا مفاد ہے۔

سوال: کیا علت غائی وجود فعل میں مدخلیت رکھتی ہے؟

جواب: صرف اس حد تک کہ علّت غائی کا تصوّر اس چیز کے موجد و فاعل کو اس کے ایجاد پر آمادہ کرتا ہے۔ وبس اس معنی میں اس کا دخل غلط ہے جو شیخی کہتے ہیں کہ ائمہ اہل بیتؑ خلقت کائنات کے علل اربعہ ہیں یہ عقیدہ شرک جلی ہے۔

سوال: زیارت امیر المومنینؑ میں آپ کو "اسم رضی" سے مخاطب کیا گیا ہے کیا آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب: ہاں! بعض زیارات منقولہ یا منحولہ میں یہ لفظ موجود ہے اور یہاں رضی بمعنی مرضی فعیل معنی مفعول ہے۔ یعنی خدا کا پسندیدہ نام اور اس میں کیا شک ہے۔

سوال: کیا حضرات محمدؐ و آلِ محمدؑ مبداء موجودات ہیں؟

CS CamScanner

جواب: یہ عبارت مجمل ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اوّل موجودات ہیں تو یہ درست ہے اگر یہ مُراد ہے کہ موجودات ان کے وجود سے پیدا ہوئے ہیں جس طرح شیخی کہتے ہیں تو یہ بالکل غلط اور باطل ہے ۔

سوال: کیا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فضائل و کمالات کی حد ادراک بشری سے بالاتر ہے؟

جواب: انکی حد تو بشری عقل و ادراک سے بالاتر نہیں ورنہ غلو ہو ہی نہ سکتا اور نہ اس سے روکا جاتا ۔ ظاہر ہے کہ وہ خدا نہیں ہیں اور نہ ہی خدا کے صفات ثبوتیہ کے حامل ہیں ۔ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں ہیں ۔ اسی طرح وہ نبی نہیں بلکہ امام ہیں ۔ ہاں انکے علمی و عملی کمالات کی کنہہ حقیقت تک رسائی حاصل کرنا ادراک بشری کے حد سے ماوراء ہے ۔ جیسا کہ عقل بشری اپنی نارسائی کی وجہ سے اکثر اشیاء کی اصل حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے جیسے روح وغیرہ ۔

سوال: علامہ مجلسیؒ نے ذواتِ مقدسہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بارے میں حیوٰۃ القلوب جلد ۱ ص ۶ میں لکھا ہے کہ "حق تعالیٰ جمعے از روحانیان و قدسیان را در صورت و خلقت بشر آفرید"

اللہ تعالیٰ نے چند روحانیوں کو بشر کی خلقت و صورت میں پیدا کیا ۔ کیا علامہ کے اس عقیدے پر تبصرہ کرنا پسند کریں گے؟

جواب: سرکار علاّمہ مجلسیؒ کا یہ ارشاد کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے ۔ تمام اہل ایمان کا عقیدہ یہی ہے کہ خداوند عالم اشباح اظلّہ میں سب سے پہلے سرکارِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے انوار یعنی ارواح مقدسہ کو پیدا کیا ۔ اور وہ اسی حالت میں کئی ہزار (بلکہ کئی لاکھ) سال تک اس کی عبادت کرتے رہے ۔

البتہ جب خالق حکیم نے چاہا کہ اِن ذواتِ مقدسہ کو اس عالم آب و گل میں بھیجے تو ان کو بشر و انسان یعنی اولاد آدم بنا کر بھیجا ۔ اس سے پہلے اسی انٹرویو میں ایک

سوال کے جواب میں اس حقیقت کا اسی طرح اظہار کر چکا ہوں ۔ سرکار علاّمہ کی دوسری محکم و واضح عبارات و تصریحات کے پیش نظر اس عبارت کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہے ۔

سوال: جس کا علم غیب مستفاد ہو اسکو عالم الغیب مانتے ہیں یا اطلاع علی الغیب پر مُصر ہیں؟

جواب: میں کئی بار اس حقیقت کا اظہار کر چکا ہوں کہ ائمہ اطہارؑ اور متقدمین علماء ابرار کے کلام حق ترجمان سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے اس کا لُب لباب یہ ہے کہ لفظ "عالم الغیب" کا اطلاق صرف اس ذات پر ہوتا ہے جس کا علم ذاتی اور کلی و احاطی ہو اور وہ صرف خداوند عالم ہی کی ذات ہے نہ کوئی اور ۔ یعنی اس کے سوا کسی پر "عالم الغیب" کا اطلاق جائز نہیں ہے ۔

سوال: کیا ائمہ معصومینؑ کے لئے لفظ "رب" کا اطلاق ہو سکتا ہے جیسا کہ بحار الانوار جلد ۷ ص ۱۴۵ پر علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: "المراد بالرّب امیر المومنین" رب سے مراد امیر المومنینؑ ہے اس پر آپ کیا رائے رکھتے ہیں ۔

جواب: بحار الانوار، مراۃ الانوار، طوالع الانوار وغیرہ کتب کے مطالعہ سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "رب" دو طرح استعمال ہوتا ہے ایک اضافت کے ساتھ جیسے رب الدار، رب الابل ۔ اسکے معنی مالک کے ہیں ۔ دوسرا بغیر اضافت کے جیسے "الرب" ۔ اگر اضافت کے ساتھ ہو تو اسکا اطلاق لغوی اعتبار سے غیر اللہ پر مجازاً جائز ہے ۔ اور اگر بغیر اضافت کے ہو تو پھر کسی طرح بھی اللہ کے سوا کسی مخلوق پر اسکا اطلاق جائز نہیں ہے بلکہ اس سے مراد رب العالمین ہوتا ہے ۔

اسی لئے معصومینؑ نے بار بار فرمایا کہ "لا تدعونا اربابًا" خبردار ہمیں رب نہ کہو (سابع بحار الانوار وغیرہ) واللہ الموفق والہادی

سوال: سُنا ہے کہ آپ جنابِ سیّدہ زہراؑ کو بتول نہیں جانتے؟

جواب: ڈوگر صاحب! ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

افسوس ہے: ۔

ے کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا گئے

میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں ہے ۔ یقیناً کائنات میں دو بیبیاں بتول ہوئی ہیں ایک جناب مریمؑ اور دوسری جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا ۔

سوال: بتول کے معنی کی وضاحت فرما دیں ۔

جواب: بتول کے دو معنی ہیں: ۔

① دُنیائے دوں سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت

② نسوانی نقائص وعوارض سے منزہ ومبرّا ہونا ۔

جنابِ خاتونِ قیامتؑ ان دونوں معنوں کے اعتبار سے بتول ہیں ۔

سوال: نبی وامام کی عصمت اختیاری ہوتی ہے یا اجباری؟

جواب: یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بلند وبالا ہے کہ انبیاء ومرسلین ہوں یا ائمہ طاہرینؑ ہوں ان کی عصمت اختیاری ہوتی ہے ۔ یعنی وہ گناہ وثواب کے کاموں پر قدرت تو رکھتے ہیں مگر گناہ کرتے نہیں ہیں ملائکہ کی طرح ان کی عصمت جبری وقہری نہیں ہے ۔

سوال: کیا امیر المومنینؑ نے اس دُنیا میں تشریف لاتے ہی تلاوت قرآن فرمائی تھی؟

جواب: بحار الانوار وغیرہ میں اس مضمون کی ایک طویل روایت موجود ہے ۔ اگرچہ بعض علمائے اعلام جیسے علاّمہ سیّد ہبۃ الدین شہرستانی نے اپنے رسالہ "الدلائل

والمسائل" میں اس پر تنقید کر کے اس کی تضعیف کی ہے ۔ واللہ العالم

سوال: کیا امیر المومنین کو غزوہ اُحد میں جو ذوالفقار عطا ہوئی تھی وہ آسمان سے اُتری تھی؟

جواب: مشہور ومنصور قول یہ ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے عطا فرمائی تھی ۔ واللہ العالم

سوال: کیا آپ کے نزدیک نہج البلاغہ مکمل کلام امیر المومنینؑ ہے اگر ہے تو کون سی دلیل سے؟

جواب: ہاں دوسرے علماء وفقہا کی طرح میرے نزدیک بھی نہج البلاغہ جناب امیر المومنینؑ کے کلام حق ترجمان کا معتبر ومستند مجموعہ ہے ۔ اور اسی موضوع کے متعلقہ دلائل اور منکرین کے جملہ شکوک شبہات کے جوابات معلوم کرنے کے لئے استناد نہج البلاغہ (عربی) یا منہاج نہج البلاغہ (اردو) کی طرف رجوع کریں ۔

سوال: حضرت آدمؑ کی نسل کس طرح بڑھی، پھولی پھلی ۔ دو فرزند تھے ان کی شادی کس سے ہوئی؟ اگر کسی حور سے شادی ہوئی تھی تو کیا دوسرے نوع سے عقد ہو سکتا ہے؟

جواب: اس سلسلے میں ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں میں سے ایک کے لئے خدائے قدیر نے جنت سے حوریہ بھیجی اور دوسرے کے لیے ایک جنیہ کا انتظام کیا اور عقد وازدواج کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوئی ان سے آگے آپس میں شادیاں ہوئیں ۔ اور اس سے اولادِ آدمؑ کا بطریق حلال سلسلہ بڑھا (احتجاج طبری اور بحار الانوار وغیرہ) عقد نکاح کے جہاں دوسرے شرائط مذکور ہیں جیسے (اسلام) ایمان وغیرہ ۔ وہاں کسی کتاب میں اتحادِ نوع کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ۔ واللہ العالم

سوال: عیدنوروز کے بارے میں آپ شرعی حیثیت سے کیا کہنا پسند فرمائیں گے؟
جواب: اسلام میں اس عید کا کوئی مقام نہیں ہے۔ لے دے کے اس سلسلہ میں مُعلّٰی بن خنیس کی ایک مُرسل روایت ملتی ہے۔ جبکہ اس کے بالمقابل امام علیؑ بن موسیٰ رضاؑ کا مستند واقعہ موجود ہے جس سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ یہ واقعہ کتاب "منتھی الامال" وغیرہ تواریخ کی کتب معتبرہ میں مذکور ہے۔ سردست اس سلسلہ میں اتنا ہی کافی ہے بلکہ ایرانی قوم کا قومی تہوار ہے جو اسلام سے پہلے جاری تھا۔
سوال: آپ نے معراج امیر المومنینؑ کے سلسلے میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ آپ اس لئے مقام "قَابَ قَوْسَیْن" پر نہ گئے تھے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہوتی۔ چونکہ سات زمینیں مسلّم ہیں اگر جس زمین پر ہم آباد ہیں امیر المومنینؑ اس زمین پر حجت خدا بن کو موجود تھے تو باقی زمینوں پر حُجت کون تھا؟
جواب: اس سلسلہ میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ میں نے انٹرویو میں جناب امیر المومنینؑ کے معراج پر تشریف نہ لے جانے کا دارومدار صرف اسی دلیل پر قرار نہیں دیا تھا جس کا اس سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ بلکہ اس نظریہ کی دیوار قرآن کی آیاتِ محکمات اور سرکارِ محمدؐ و آلِ محمدؑ کے مستند ارشادات پر استوار کی تھی۔ ہاں البتہ اس کی تائید مزید اس دلیل سے بھی کی تھی اور دوسری گذارش یہ ہے کہ یہ مسئلہ عہد قدیم سے لے کر آج تک اختلافی چلا آرہا ہے کہ زمین صرف ایک ہے یا سات ہیں؟ یا اس سے بھی زیادہ اور۔ آیا ان میں ذی روح اور ذی عقل مخلوق آباد ہے یا نہ؟

ہرحال مرکزی حیثیت اس ہماری زمین کو ہی حاصل ہے اور اسی زمین کے متعلق متعدد روایات میں وارد ہے "الارض لا تخلو عن حجة الله" زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہوتی اور اگر ایسا ہو جائے تو "لساخت الارض باھلھا" اپنے اہل کو لیکر پانی میں دھنس جائے (اصول کافی)۔ اسی بناء پر بہت سے علمائے اعلام

نے اس سلسلہ میں اس دلیل کو پیش کیا ہے جسے میں نے پیش کیا ہے (تفصیل اصول الشریعہ میں مذکور ہے) بہرحال زمین ایک ہو یا سات یا سات سو ہوں ان سب پر حجت خدا جناب امیرؑ ہیں۔
سوال: کیا آپ کے نزدیک ضریح اقدس پر سونا لگانا جائز ہے یا نہیں؟
جواب: اگرچہ ائمہ طاہرینؑ کی طرز بود و ماند اور ان کی طبیعتوں کی سادگی اور سادہ زندگی گذارنے اور دُنیا کی زیب و زینت اور اس کے مال و منال اور جاہ و جلال سے نفرت فرمانے کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے (اور یہ بات اسلام اور وارثانِ اسلام کے مزاج کے عین مطابق ہے) کہ جب تک کائنات میں حاجت مند اہل اسلام و ایمان موجود ہیں اس وقت تک یہ زر و سیم اگر ان کی ضروریات پر صرف کیا جائے تو افضل و اعلیٰ ہے۔

با ایں ہمہ اگر کوئی خوش عقیدہ مومن اپنے مزّکی و مخمّس مال میں سے بطور ارمغانِ عقیدت و ہدیہ ارادت ان ضرائح مقدسہ پر سونا لگانا چاہے تو اسے جائز ہی قرار دیا جائے گا، اسے ممنوع نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ العالم
سوال: اصول و فروع کس نے ترتیب دیئے ہیں مختصر مگر جامع جواب دیں۔
جواب: اصول و فروع کے مجموعہ کا نام دین ہے اور دین سازی کا محکمہ خداوند عالم کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ اصول و فروع خدا نے ہی بنائے ہیں۔

ہاں البتہ موجودہ ترتیب علماء متکلمین کی ہے جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ تفصیل کیلئے علّامہ سیّد علی نقی کا رسالہ "اصول دین اور قرآن" ملاحظہ فرمائیں۔
سوال: معصومینؑ کے حرم میں داخل ہوتے وقت اذنِ دخول پڑھا جاتا ہے یہ اذن اور زیارات کس نے ترتیب دیئے ہیں؟

CamScanner

جواب: کُتب ادعیہ وعبادات میں جو زیارات موجود ہیں ان میں سے بعض تو ائمہ طاہرینؑ سے منقول ہیں اور بعض اصحاب عظام وعلماء کرام کی انشا کردہ ہیں اور جہاں تک زیارات کے آداب کا تعلق ہے:

(جن میں اذنِ دخول بھی شامل ہے) یہ اگر تمام نہیں تو اکثر و بیشتر تو ضرور ان ذوات مقدسہ کے اکرام واحترام کے پیش نظر علماء کرام کے مقرر کردہ ہیں ۔ اور اس بات کا دوسرے شواہد سے قطع نظر ایک بیّن ثبوت یہ بھی ہے کہ ان آداب میں مذکور ہے کہ جب رواق پر پہنچو تو یہ دُعا پڑھو اور جب فلاں دروازہ پر پہنچو تو فلاں اذنِ دخول پڑھو ۔ جبکہ ظاہر ہے ائمہ طاہرین کے دور میں یہ مزارات اس شکل میں موجود ہی نہ تھے جس طرح آج موجود ہیں اس وقت نہ کوئی عمارت تھی اور نہ رواق اور نہ ہی کوئی اندرونی دروازہ تھا نہ بیرونی ۔

اور دوسرا قطعی ثبوت یہ ہے کہ جناب محدث شیخ عباس قمی نے مفاتیح الجنان ص ۳۱۱، ۳۱۲ طبع ایران پر کل دو اذن دخول درج کئے ہیں ۔ پہلا شیخ کفعمی سے منقول ہے اور دوسرا علاّمہ مجلسیؒ نے بعض قدماء کی تالیفات سے نقل کیا ہے ۔

الغرض ائمہ اہل بیتؑ سے کوئی بھی اذنِ دخول منقول نہیں ہے ۔ علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے ظاہری حین حیات میں اُن کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے اذن دخول طلب نہیں کیا جاتا تھا تو ان کی ظاہری وفات کے بعد یہ حکم کہاں سے آ گیا؟

ظاہر ہے کہ بعد از وفات کے آداب ظاہری حیات کے سے زائد تو نہیں ہیں ۔ مخفی نہ رہے کہ یہ سب کچھ معترض کے اعتراض کے جواب میں علمی موشگافی کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ عملی زندگی میں بنا بر احتیاط خود میرا اپنا عمل بھی اسی طرح اذنِ دخول پڑھنے پر رہا ہے اور ہے ۔

جس طرح مفاتیح الجنان وغیرہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اذن دخول محض ان ذوات مقدسہ کے انتہائی عزت واحترام اور ان کی آقائی اور اپنی غلامی کے اظہار واقرار کی خاطر ہے اور بس ۔ یہی وجہ ہے کہ اذن ملنے کی اطلاع کا انتظار کئے بغیر زائر داخل ہو جاتا ہے ۔

سوال: اذنِ دخول میں پڑھنا پڑتا ہے کہ اے اللہ کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟ یا رسولؐ اللہ کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟ یا علیؑ کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟ اس طرح تمام معصومینؑ کا فرداً فرداً نام لے کر اذن دخول مانگا جاتا ہے اگر وہ حاضر ناظر نہیں اور اپنے اپنے مستقر پر ہیں تو انہیں کیوں پکار کر اذنِ دخول مانگا جاتا ہے؟

جواب: اس سوال کا حقیقی وجلی جواب سابقہ سوال کے جواب سے واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ اذنِ دخول بعد کی ایجاد ہے اور کسی امام معصومؑ سے منقول نہیں ہے ۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے اور ان بھول بھلیوں سے یہ خلاف عقل ونقل نظریہ ثابت نہیں ہو سکتا ۔ اور بنا بر ثبوت کیا قادرِ مطلق اپنے مستقر پر ہوتے ہوئے زائر کی آواز ان ذواتِ مقدسہ تک نہیں پہنچا سکتا؟

سوال: سُنا ہے کہ آپ زیارتِ ناحیہ جو کہ عموماً مجالس میں حوالے کے طور پر پڑھی جاتی ہے سے اختلاف رکھتے ہیں؟

جواب: میرے محترم! زیارت ناحیّہ کے متعلق اہل علم میں ایک اختلاف ہے اور ایک نہیں ہے ۔ یہ ایک خالص علمی بحث ہے ۔ زیارت ناحیّہ یقیناً موجود ہے، علماء کرام نے اس کی تشریح مین کتابیں لکھی ہیں ۔ مثلاً نجف اشرف میں ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے" ذخیرۃ الدارین فی انصار الحسینؑ" اس میں پوری زیارت ناحیّہ کو سامنے رکھ کر ان انصار سیّد الشہداءؑ کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے ۔ جن کا تذکرہ زیارت ناحیہ مقدسہ میں ہے تو زیارت ناحیہ کا وجود تو ثابت ہے ۔ لیکن

CS CamScanner

اس میں اختلاف ہے کہ جس زیارت کو عموماً ناحیۂ مقدسہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ زیارت ناحیۂ مقدسہ ہے یا نہیں؟

علماءِ محققین کی تحقیق یہ ہے کہ وہ زیارت جو بالعموم زیارت ناحیہ مقدسہ کے نام سے مشہور ہے وہ زیارت ناحیۂ نہیں ہے بلکہ اصل زیارت ناحیۂ اور یہ دونوں زیارتیں بحارالانوار کی بائیسویں جلد میں موجود ہیں ۔

الغرض جو زیارت عام طور پر زیارت ناحیۂ سمجھ کر پڑھی جاتی ہے اور مصائب کے طور پر جس کے فقرے پڑھے جاتے ہیں اور جس کے اردو میں کئی ترجمے چھپے ہوئے ہیں دراصل یہ زیارت جناب سیّد المرتضٰی علم الہدیٰ کی انشا کردہ ہے جو انہوں نے اپنے جدّ امجد کے مزار مقدس پر کربلا میں پڑھی تھی ۔

آج کل اُسے ہی عام طور پر زیارت ناحیہ کا نام دیا جاتا ہے ۔لیکن جو زیارت ناحیۂ مقدّسہ امام زمانہؑ کی غیبت صغریٰ کے دور میں صادر ہوئی تھی اور کتابوں میں موجود ہے ۔ وہ اور ہے اس میں شہداء کے نام مذکور ہیں اور شہداء پر نام بنام سلام بھی ہے اور ان کے قاتلوں پر نام بنام لعنت بھی ہے ۔ (لعنۃ اللہ علیہم اجمعین)

سوال: کیا آپ کے نزدیک فضائل امیر المومنینؑ میں قصائد پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: ہاں جناب امیر علیہ السلام کی مدح وثنا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ کارِ ثواب ہے ۔ بشرطیکہ یہ مدح وثنا فلمی طرز اور غناء پر مشتمل نہ ہو ۔

سوال: آپ کے نزدیک کیا معصومینؑ کی پیدائش ہر آلودگی سے پاک ہوتی ہے؟

جواب: ہاں معصومینؑ کی ولادت باسعادت ہر قسم کی کثافت اور نجاست سے پاک اور پاکیزہ ہوتی ہے ۔

سوال: مشہور یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ سیّد زادی کا نکاح غیر سیّد سے جائز ہے ۔اس میں کہاں تک صداقت ہے؟

جواب: میں نے اپنی کسی کتاب یا اپنی کسی تقریر وتحریر میں ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا ۔ یہ ڈھنڈورا پیٹنے والے اور عزت سادات کو اچھالنے والے حضرات اگر میری کسی کتاب یا میری کسی تقریر وتحریر سے اس کا کوئی ثبوت پیش کردیں تو میں ان کو منہ مانگا انعام دینے کو تیار ہوں ۔کوئی ہے جو یہ انعام حاصل کرے؟ اور اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو پھر غیور سادات کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کو گریبان سے پکڑیں اور اپنی بے عزتی کا حساب چکائیں ۔

سوال: عقدِ ہاشمیہ کے سلسلے میں آپ کا اپنا مؤقف کیا ہے؟ جواب ہاں یا نہ میں چاہیئے ۔

جواب: جس قدر اور جس طرح اس سوال کا جواب دے دیا ہے وہ کافی بھی ہے اور شافی بھی:

"لان العاقل یکفیہ الاشارہ والبلید لا ینفعہ الف عبارہ"

اہل حقیقت و ارباب بصیرت کے لئے حقیقت حال کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے:

ع عاقلاں را اشارتے کافیست

سوال: آپ نے اصول الشریعہ کے پہلے ایڈیشن میں ایک آیت کے ترجمہ میں "ماء" کا معنی "منی" لکھا ہے مگر موجودہ ایڈیشن میں "پانی" لکھا ہے اس کی وجہ بیان کرسکتے ہیں؟

جواب: نہ پہلا ترجمہ میرا تھا اور نہ موجودہ ترجمہ میرا ہے بلکہ پہلا ترجمہ مولانا سیّد فرمان علی مرحوم کا تھا اور موجودہ ترجمہ مولانا سیّد مقبول احمد مرحوم کا ہے ۔مفتیان

CS CamScanner

کرام جوفتویٰ لگانا چاہتے ہیں وہ ان مفسرین پر لگائیں تا کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے ۔

سوال: شیخ احمد احسائی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: شیخ احمد احسائی اپنے عہد سے لے کر اب تک (جو کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال کا عرصہ ہے) اس کے بارے میں علمائے شیعہ کے دو نظریئے رہے ہیں ۔ایک اُن علماء کا جو اُن کے معاصر تھے جیسے مہدی بحر العلوم، شیخ جعفر کبیر ۔جب انہوں نے اس کے اقوال و آرا اور اس کے مخالف مذہب بلکہ مذہب مخالفِ اسلام نظریات کا مطالعہ کیا تو انہوں نے اسکی تکفیر کی ۔

جیسا کہ کتاب قصص العلماء میں علاّمہ ابوالحسن تنکابنی نے یہ سب تفصیلات لکھی ہیں ۔دوسرے موجودہ دور کے علمائے اعلام اور مراجع تقلید وہ اس کو کافر نہیں سمجھتے البتہ ضال اور مضّل سمجھتے ہیں ۔اس کی کتابوں کو ان کے مندرجات کو مذہب شیعہ کے خلاف سمجھتے ہیں اور ان کی نشر و اشاعت اور ان کے تراجم شائع کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں ۔

جیسا کہ ماضی قریب میں ان مراجع کے فتاویٰ کتابی شکل میں لاہور، چنیوٹ اور ملتان سے شائع ہو چکے ہیں ۔نیز قومی اخبارات میں بھی چھپ چکے ہیں ۔میں بھی موجودہ مراجع تقلید کے فتوؤں کے مطابق اس کو ضال و مضل سمجھتا ہوں ۔ایک نئے مکتبہ فکر (جس کا نام فرقہ شیخیہ ہے) کا بانی سمجھتا ہوں ۔اسکی کتابوں کی نشر و اشاعت اور اس کی حمایت کو مذہب شیعہ کے منافی سمجھتا ہوں ۔اور جو اُسے ضال و مضل نہ سمجھے میں اُسے بھی ضال و مضل سمجھتا ہوں ۔

جیسا سرکار آقائے شیرازی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کا فتویٰ ہے اور مزید احتیاط کی خاطر اسے اور اس کے پیروکاروں کو کافر کہنے سے اجتناب کرتا ہوں ۔واللہ العالم

بالسرائر ۔

سوال: خالصی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: خالصی مرحوم کو بہت بدنام کیا گیا ہے ۔مجھے ان کا شاگرد کہا گیا ان کا مقلد بھی کہا گیا، پتہ نہیں اور کیا کچھ کہا گیا ۔پہلی بات تو یہ ہے کہ خالصی مرحوم کاظمین میں رہتے تھے اور میں نے پورے چھ سال نجف اشرف میں گزارے ہیں ۔جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے زیارات کاظمین و سامرہ کے دوران تین یا چار مرتبہ میری ان سے ملاقات ہوئی اور وہ بھی تنہائی میں نہیں بلکہ مولانا صادق علی نجفی، مولانا شمیم السبطین نجفی اور مولانا منظور حسین نجفی میں سے کوئی نہ کوئی صاحب ہمراہ ہوتے تھے ۔اور یہ ملاقاتیں بھی علمی مسائل پر بحث و تمحیص کی نذر ہو گئیں ۔نہ ان سے مجھے شرفِ شاگردی حاصل ہے اور نہ کوئی اور تعلق ۔

میں پوری دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ وہ نہ کسی نئے مذہب و مسلک کے بانی تھے اور نہ کسی نئی فکر کے موجد تھے اور نہ ہی خالصیت کوئی مکتبہ فکر ہے ۔

بلکہ جس طرح ہمارے بہت سے علماء اعلام گزرے ہیں یا ہیں خالصی مرحوم بھی ہمارے اُنہی علماء میں سے ایک جیّد عالم تھے ۔اور میں نے اپنی کتاب "اصول الشریعہ" میں جہاں سینکڑوں علماء کرام کے تائیدی اقوال و آراء پیش کئے ہیں وہاں ایک آدھ جگہ خالصی مرحوم کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے اور اس سے بھی میں نے اتفاق رائے نہیں کیا بلکہ اختلاف کیا ہے مگر حدود شرافت کے اندر رہتے ہوئے جیسا کہ شریف اہل علم کا شیوہ و شعار ہے ۔

سوال: کیا خالصی نے نجف اشرف کو بدعتیوں کا شہر کہا تھا؟

جواب: میری معلومات کے مطابق قطعاً ایسی کوئی بات نہیں ہے ۔وہ نجف اشرف ہو یا کاظمین یا سامرہ بلکہ تمام مقدّس مقامات کو لائق تعظیم و تکریم سمجھتے

CS CamScanner

تھے ۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ نجف اشرف کے کسی عالم سے انکے کوئی ذاتی اختلافات ہوں تو یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے ۔ ایک جگہ کے رہنے والے علماء کے بھی آپس میں اختلافات ہوتے ہیں ۔لیکن کبھی مجموعی طور پر معاذ اللہ نجف اشرف کو بدعتیوں کا مرکز قرار دیا ہوا ایسی کوئی بات میرے علم میں قطعاً نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اُن کی کسی تحریر میں یہ چیز پڑھی ہے ۔

سوال: کیا خالصی نے کسی رسالے میں امام جعفر صادقؑ کو غیر معصوم مجتہد لکھا ہے؟

جواب: میرے محترم! اس قسم کے بے سرو پا باتیں سُن سُن کر میرے کان پک گئے ہیں ۔ اخباروں میں، رسالوں میں بلکہ بعض نام نہاد کتابوں میں مسلسل ان کے بارے میں لکھا جاتا رہا ہے کہ معاذ اللہ وہ امام جعفر صادقؑ کو ایک مجتہد کے برابر سمجھتے تھے اور سرکار ابوالفضل العباس اور خالد بن ولید کو ایمان میں ہم پلّہ سمجھتے تھے ۔(معاذ اللہ) حالانکہ جہاں تک میری دسترس ہے اُن کی کسی کتاب میں ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے ۔

بلکہ اس کے برعکس ان کی مشہور فقہی کتاب "احیاء الشریعۃ" جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے اس میں انہوں نے قریباً اسّی (۸۰) صفحات وہابیت کی ردّ میں لکھے ہیں اور نجدیوں اور ناصبیوں کے نظریات باطلہ کی رد میں دلائل قاطعہ پیش کئے ہیں ۔ ائمہ طاہرینؑ کو منصوص من اللہ، معصوم عن الخطا امام ثابت کیا ہے ۔یعنی ایسا معصوم جو عمداً، سہواً، علماً، جہلاً اور نسیاناً نہ صغیرہ گناہ کرتے ہیں اور نہ کبیرہ کرتے ہیں ۔ظاہر ہے کہ یہ صفات ایک مجتہد کے اندر تو نہیں پائی جاتیں ۔خالصی آل محمدؐ کو معصوم سمجھتے ہیں عالم علم لدنی سمجھتے ہیں ۔

ظاہر ہے کہ وہ نظریہ اور یہ نظریہ آپس میں متضاد ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ خالصی کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں اُن کے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت

نہیں ہے ۔ اگر وہ یہ بات ان کے اپنے کسی رسالے یا ان کی کسی کتاب سے خواہ وہ عربی میں ہو یا فارسی میں ثابت کر دیں تو میں اُن کو منہ مانگا انعام دینے کو تیار ہوں ۔

ع کس بہ میدان درنمی آید سواراں راچہ شُد ؟

ڈوگر صاحب: خالصی مرحوم کو صرف اور صرف وہاں اور یہاں کے شیخیوں نے بدنام کیا ہے ورنہ ان الزامات کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ جس طرح مراجع تقلید نے شیخ احمد احسائی کے خلاف فتاویٰ جاری کئے ہیں کسی مخالف میں جرأت ہے تو وہ آقائی خالصی کے خلاف مراجع تقلید کا کوئی فتویٰ جاری کرائے ۔

سوال: جیسا کہ آپ نے تسلیم کیا ہے کہ آپ آقائی محسن الحکیم کے مقلّد رہے ہیں تو آپ نے اپنے مرجع کے مخالف (خالصی) کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ کیا یہ نہیں ہے کہ علمائے نجف خصوصاً آقائی محسن الحکیم سے خالصی کے اختلافات رہے اور خالصی نے آقائی محسن الحکیم کے متعلق کچھ غلط بیان دیئے تھے ۔

جواب: مشہور یہی ہے اور لوگوں سے سُنا بھی یہی ہے کہ آقائی حضرت محسن الحکیم مرحوم کے ساتھ خالصی مرحوم کے اختلافات تھے لیکن مجھے ذاتی طور پر اس کا کوئی علم نہیں ہے ۔علاوہ بریں ہماری نگاہ ہمیشہ "ما قال" پر رہتی ہے نہ "من قال" پر ۔ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی کی افواہ بھی بالکل غلط ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ آج آقائی خالصی کا فرزند شیخ مہدی آقائی محسن الحکیم کے فرزند آقائی سیّد باقر الحکیم کا ایران میں دست راست ہے ۔علماء عظام میں نظریہ و رائے کا اختلاف کوئی انوکھی بات نہیں ہے ۔استاد و شاگرد اور باپ و بیٹے میں علمی اختلافات پائے جاتے ہیں جیسا کہ ارباب علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے ۔

سوال: قیام عراق کے دوران کیا آپ کے علم میں یہ بات کبھی آئی تھی یا آپ نے سُنا کہ بغداد میں خالصی نے ایسے غنڈے پال رکھے تھے جو علی ولی اللہ

کہنے والوں کو قتل کرتے یا مارتے پیٹتے تھے؟

جواب: قطعاً ایسی کوئی بات نہ کل میرے علم میں تھی نہ آج ہے۔ یہ صرف پروپیگنڈا ہے۔ میں نے اپنے ایک شیعہ قومی اخبار کو بھی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ دوسرے مراجع کی طرح خالصی مرحوم بھی ایک مراجع تھا بلکہ میرے نزدیک تو وہ ایک مظلوم مجتہد ہے جسے صرف شیخیت کی مخالفت کی وجہ سے بدنام کیا گیا ہے۔ یہ قتل و غارت اور تشدّد وغیرہ کی باتیں غلط ہیں، محض افسانے ہیں۔ یہ سب شیخیوں کی کارستانی ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ اذان میں شہادت ثالثہ کے متعلق ان کا مؤقف وہی تھا جو حضرت شیخ صدوقؒ نے "من لا یحضرہ الفقیہ" میں اختیار کیا و بس۔

سوال: مولانا صاحب آپ نے ہر قدم پر خالصی کی حمایت کی ہے یہ میرے ہاتھوں میں خالصی کے وصیت نامہ کا فارسی ترجمہ ہے اور تشریح ہے جو:

" آیا اینان مسلمانند؟

کے نام سے فارسی میں ترجمہ علی قلمداران نے کیا ہے اور اس کا ناشر حاجی حسن علی ہے۔ دونوں ایران میں خالصی کے نمائندے تھے۔ جبھی تو خالصی کو انہوں نے آیت اللہ لکھا ہے۔ میں اس میں سے کچھ حوالے لکھ کر لایا ہوں۔ حوالے تو بعد میں دوں گا پہلا سوال یہ ہے کہ کیا آپ اسے خالصی کا وصیت نامہ تسلیم کرتے ہیں؟

جواب: اصل وصیّت نامہ عربی میں ہے اس کی تشریح ہر شخص اپنے مزاج اور اپنی سمجھ کے مطابق کرتا ہے۔ میں وہی حوالہ قبول کروں گا جو اصل عبارت وصیّت نامہ میں ہوگا۔ آپ اگر خالصی مرحوم کا حوالہ دینا چاہتے ہوں تو اُن کے وصیت نامہ سے دیں یا اُن کی اپنی کتابوں سے دیں۔

میں قلمداران سے متعارف نہیں ہوں اور نہ ہی میں نے اس کی شرح وصیت

پڑھی ہے اور نہ ہی قلمداران یا ان کی کسی تحریر کا ذمہ دار یا جواب دہ ہوں۔ میرا دعویٰ اس قدر ہے کہ آقائی خالصی کا کوئی ذاتی عقیدہ دین اسلام اور مذہب اہل بیتؑ کے مسلمہ عقائد کے خلاف نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آقائی خالصی مرحوم کی اپنی کتابوں سے اس کے خلاف کچھ ثابت کر دے تو میں اسے منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہوں۔

سوال: تو جو اس شرح میں میرے نزدیک خالصی پر اعتراضات ہیں انہیں اپنی طرف سے سوال قرار دے کر آپ سے اس بارے میں نظریات تو معلوم کر سکتا ہوں؟

جواب: جی ہاں! اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سوال: اس وصیت نامہ میں خالصی کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت علیؑ ابوتراب تھے انہیں ابوالجواہر بنا دیا۔ قبر رسولؐ اور خانہ کعبہ پر سونا کس لئے ہے؟ آپ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: یہ سوال تو ان لوگوں سے کیا جائے جنہوں نے سونا لگایا ہے۔ خالصی مرحوم کے اصل وصیت نامہ میں اس کے نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اس کے متعلق کبھی کچھ کہا ہے۔

سوال: خالصی نے اپنے وصیّت نامے میں لکھا ہے کہ ضریح امیر المومنینؑ کو مخاطب کرنا اور فریاد کرنا، زیارت جامعہ کبیرہ پڑھنا بدعت اور خرافات میں سے ہے اس سلسلے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب: ایسی کوئی بات وصیّت نامہ میں موجود نہیں ہے وہ بھی وسیلہ کے قائل ہیں اور میں بھی بطور توسل وطلب شفاعت حضرت امیر المومنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ کی سرکار میں یہ عرض کرنا کہ وہ بارگاہِ خدا سے ہمارے گناہ بخشوائیں اور ہماری حاجات پوری کرائیں جائز ہے۔

CS CamScanner

سوال: اسی وصیّت نامہ میں لکھا ہے کہ حرم معصومینؑ میں اگر چہرے کے سامنے ضریح آجائے تو نماز باطل ہو جائے گی آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب: میرے نزدیک اس طرح نماز باطل نہیں ہوتی گو جانب سر نماز پڑھنا افضل ہے اور وصیت نامہ میں بھی اس قسم کا کوئی فتویٰ موجود نہیں ہے۔

سوال: قلمداران نے ص ۲۳ پر اس وصیت نامہ کے فارسی ترجمہ میں لکھا ہے کہ اجارہ کے روزے اور نمازیں جائز نہیں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں فقہا میں فی الجملہ اختلاف ہے۔ میرے نزدیک جواز قوت سے خالی نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے "قوانین الشریعۃ" میں لکھا ہے۔ ہاں آقائے خالصی مرحوم نماز اجارہ وغیرہ کو صحیح نہیں جانتے بلکہ تبرعاً (بلا اُجرت) پڑھنے کے قائل تھے۔ واللہ العالم

سوال: قلمداران کی اسی کتاب کے ص ۴۹ پر سُرخی ہے "آقامہ مجلس فاتحہ برائے میّت بدعت است" اس کی وضاحت بھی درج ہے آپ کے نزدیک اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ہاں اس مروّجہ طریقہ کا (جو بالخصوص عراق میں رائج ہے) مشروع ہونا ثابت نہیں ہے کیونکہ وہاں مجلس فاتحہ خوانی کا ہماری طرح کی مجالس عزا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہاں مجلس فاتحہ اس طرح ہوتی ہے کہ چائے کا دور چلتا ہے، حقہ چلتا ہے سگریٹ پیئے جاتے ہیں اور گپیں ہانکی جاتی ہیں۔ الغرض دولت کا ضیاع ہوتا ہے اور میّت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ انہوں نے وصیت نامہ میں اس غیر شرعی رسم کی ممانعت کر دی ہے۔

سوال: حوالہ پھر قلمداران کے فارسی ترجمہ کا ہے کہ خالصی نے نجف اشرف کے بارے میں کہا ہے کہ نادر شاہ کی چرائی ہوئی دولت سے بنی ہوئی ضریح کا

طواف جائز نہیں۔

جواب: یہ بات آقائے خالصی کے وصیت نامے میں قطعاً نہیں ہے اور ان کا ایسا کوئی فتویٰ نہیں ہے۔ یہ سب ایجاد وایزاد کردہ چیزیں ہیں۔ خدا افترا پردازوں کو ہدایت فرمائے۔

سوال: کیا آپ نے اپنی کتاب "سعادۃ الدارین" کا نام خالصی کی کتاب "سعادت الدارین" کے نام پر رکھا ہے؟

جواب: نہیں قطعاً ایسا نہیں ہے، ان کے رسالے کا نام ہے "سعادت الدارین" ہے جو مختلف موضوعات پر ان کے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ میری کتاب کا نام "سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ" یہ مقتل کی کتاب ہے۔ نام کے صرف ایک جز کے مل جانے سے کتاب کے مضامین اور موضوعات تو ایک نہیں ہو جاتے۔ ایک عقل مند کی نظر کام پر ہونی چاہیئے نہ نام پر۔

سوال: کیا برقعی کو خالصی کا جانشین کہا جا سکتا ہے؟

جواب: نہیں! سوچ کا یہ انداز درست نہیں ہے۔ خالصی مرحوم عراق کے عالم تھے اور برقعی ایران کے۔ اُن کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی شاگردی و استادی کا رشتہ موجود ہے۔

سوال: کیا آپ برقعی سے متاثر ہیں جیسا کہ آپ نے برقعی کے حوالے اپنی کتاب میں درج کیئے ہیں؟

جواب: فاضل برقعی پہلے صراط مستقیم پر قائم تھا اور ٹھوس نظریات کا حامل تھا مگر ثقہ شُنید کے مطابق اب ان کے بعض نظریات میں انحراف پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب میں ان کا ارادت مند نہیں ہوں۔ ان کی کتاب "عقل و دین" اور رسالہ "درسے از ولایت" ان کی ثابت قدمی اور صحت اعتقادی کے دور کی کتابیں ہیں جن کے

میں نے "اصول الشریعۃ" میں حوالے دیئے ہیں ۔

سوال: بار بار حوالہ خالصی ہی کا ہے ضریح کے طواف کے بارے میں اس کا نہ سہی اپنا ہی عقیدہ بیان کر دیں؟

جواب: طواف صرف کعبہ کا جائز ہے جو کہ عبادت ہے اور ایک طواف دو رکعت نماز کے برابر ہوتا ہے ۔ لہٰذا باتفاق فقہاء امامیہ کعبہ کے سوا کسی چیز کا طواف جائز نہیں ہے ۔

سوال: قلمداران نے خالصی ہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ضریح اقدس میں رقوم ڈالنا سونا وغیرہ ڈالنا بدعت ہے؟

جواب: نذر صرف خدا کے لئے ہوتی ہے بطور نیاز کچھ پیش کیا جا سکتا ہے ۔ ہاں اگر یہ یقین ہو کہ اسے حکومت جائز اُٹھا کر لے جائے گی اور اسے غلط مصرف پر صرف کرے گی تو یہ بات اور ہے ۔ بہرحال ہر کام میں عقلائی پہلو پیش نظر رکھنا چاہیے ۔ لہٰذا ضریح میں رقم ڈالنے کی بجائے (جو کہ حکومت کے کام آتی ہے) وہاں کے مشاہد مقدسہ کے غریب و نادار مومنین بالخصوص اہل علم و دین اور مدارس دینیہ پر صرف کی جائے تو بہتر ہوگا ۔ واللہ الموافق

سوال: کیا خالصی نے اپنے وصیت نامہ میں ماتم میں تلوار زنی اور زنجیر زنی کو بدعت کہا ہے؟ نیز آپ کا اپنا نظریہ کیا ہے؟

جواب: خالصی مرحوم کے وصیت نامہ میں اس کے متعلق نفیاً یا اثباتاً کچھ بھی مذکور نہیں ہے ۔ البتہ میں نے "تجلیات صداقت" میں عزاداری سیّد الشہداءؑ کے سلسلہ میں گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کا جواز ناقابل ردّ دلائل سے ثابت کیا ہے ۔ البتہ تلوار و زنجیر زنی کے متعلق فقہاء عظام کی رائے کچھ اچھی نہیں ہے ۔

ع کردم اشارتے و مکرّر نمی کنم

سوال: کیا غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی جائز ہے؟

جواب: غیر اللہ کو کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں ہے ۔ اس کی مکمل تفصیلات اور اس سلسلہ میں بعض شبہات اور ان کے جوابات دیکھنے کے لئے میری کتاب "احسن الفوائد" کی طرف رجوع کیا جائے ۔

سوال: کیا انہدام و تاراجی مزارات معصومینؑ پر خالصی نے حکومت سعودیہ کے خلاف کوئی احتجاج کیا تھا یا اسے پسند کیا تھا؟

جواب: خالصی مرحوم کی "احیاء الشریعۃ" کی پہلی جلد میں اس پر احتجاج موجود ہے ۔ اور مزارات مقدسہ پر قبہ و قبور کی تعمیر کا جواز ثابت کیا ہے اور انہدام مزاراتِ مقدسہ پر سعودی حکومت اور اس کے وہابی نظریات کی مذمت بھی کی ہے اور ردّ بھی ۔ اور یہ سعادت آقائے خالصی مرحوم کو نصیب ہوئی ہے کہ انہوں نے احقاقِ حق کے ساتھ ابطال باطل بالخصوص وہابیت کے ہوان و بطلان پر بہت کام کیا ہے ۔

شیخیوں کے پیر و مرشد شیخ احسائی جن کی معرفت اہل بیتؑ اور وہابیوں کی مخالفت کے بہت ڈھنڈورے پیٹے جاتے ہیں انکی پوی تالیفات میں ردّ وہابیت کے متعلق کوئی کتاب یا رسالہ تو کجا کسی کتاب میں ایک سطر بھی نہیں ملتی ۔

ع میرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

سوال: ان دنوں ایک نیا رسالہ "خالصیت نامہ" منتظر آرگنائزیشن کی طرف سے شائع ہوا ہے جو مولانا محمد حسنین سابقی صاحب کا لکھا ہوا ہے اس میں شیخ محمد خالصی پر سخت اعتراجات کئے گئے ہیں اور آپ کے چیلنج کا جواب بھی دیا گیا ہے ۔ آپ نے انٹرویو میں کہا تھا کہ اگر کوئی آقائے خالصی موصوف کی کسی اپنی تحریر و تقریر سے مسلماتِ شیعہ کے خلاف کوئی عقیدہ ثابت کر دے تو آپ اسے منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں ۔

کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ اس رسالہ سے منتخب کر کے چند اعتراجات بغرض جواب پیش کروں؟

جواب: ہاں ضرور پیش کریں تا کہ اس کا پوسٹ مارٹم ہو جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف ہو جائے ۔ ویسے آپ کے اضافہ معلومات کی خاطر عرض کر دوں کہ یہ خرافات کا پلندہ میری نظر سے گزر چکا ہے اور بحمد للہ میرا چیلنج آج بھی موجود ہے اور آئندہ بھی رہے گا ۔

ے نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

سوال: اس رسالہ میں شیخ محمد خالصی کے اجتہاد کو چیلنج کیا گیا ہے اور ان کے اجازہ اجتہاد کو پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔

جواب: یہ ایک بالکل عامیانہ سا سوال ہے ورنہ اہل علم و فضل کسی شخص کے فقہی اجتہادی کارناموں کو دیکھ کر اس کا اجتہاد معلوم کر لیتے ہیں بموجب

ع آفتاب آمد دلیل آفتاب

آقائ موصوف کی علمی و اجتہادی کتابیں بالخصوص "احیاء الشریعۃ" اور "الاسلام سبیل السعادۃ والسّلام" ان کے اجتہادِ مطلق کے زندہ ثبوت ہیں ۔

ع حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

مجتہد تو کجا ایک پیش نماز کے لئے بھی اجازہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ یہ صرف عوام کے اطمینان کے لئے ہوتا ہے ورنہ اگر کوئی گستاخ حضرت شیخ مفیدؒ، حضرت سیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ یا حضرت شیخ طوسیؒ جیسے اساتین اجتہاد کے اجازہائے کا مطالبہ کرے تو ان کے علمی و اجتہادی کتابوں کے سوا اور کیا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ

ع مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

علاوہ بریں چونکہ آقائ خالصی مرحوم کی اولاد یا اہلِ خاندان سے میری کوئی راہ و رسم نہیں ہے ورنہ ان سے رابطہ کر کے ان کے ظاہری اجازے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔ بہر کیف اس بودے ایراد سے اس نابغہ کے علم و فضل اور اجتہاد باسداد کا انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

سوال: اس رسالہ میں یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ علم الرجال کی متعدد کتب موجود ہیں جن میں مجتہدین اور انکے اجازات وتصنیفات کا تذکرہ ہے جیسے اعلام الشیعہ اعیان الشیعہ، روضات الجنات، فوائد رضویہ اور قصص العلماء وغیرہ تو ان میں شیخ محمد خالصی کا کیوں ذکر نہیں جبکہ آپ کے نزدیک وہ اپنے دور کے علمائے اعلام میں سے ہیں ۔

جواب: یہ ایراد پہلے ایراد سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ ان کتابوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو آقائ خالصی کی ولادت سے بھی پہلے لکھی گئی ہیں جیسے قصص العلماء اور بعض وہ ہیں جو ان کے طفولیت کے دور میں لکھی گئی ہیں جیسے روضات لجنات اور بعض وہ ہیں جو اُن کی طالب علمی کے دور میں لکھی گئیں جیسے فوائد رضویہ اور جو بعض ان کی بزرگی کے دور میں لکھی گئیں جیسے اعلام الشیعہ آقائ بزرگ طہرانی ۔ انہوں نے اپنے معاصرین کے حالات لکھے ہی نہیں ہیں ۔

سوال: اگر خالصی میں کوئی بُرائی نہ تھی تو اس کے خلاف نو کتابیں کیوں لکھی گئیں؟ دیگر علماء و مجتہدین کے خلاف کیوں کتب نہ لکھی گئیں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اس بودے اعتراض کو سن کر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو دل چاہتا ہے:

ے اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

CS CamScanner

معترض کے اس اعتراض کے جواب میں بلاتشبیہہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اللہ کے قرآن، نبی آخر الزمانؐ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے خلاف بیسیوں کتابیں لکھی گئیں تو اُن کا جرم کیا تھا؟ اور ان میں برائی کیا تھی؟ تو معترض کیا جواب دے گا ۔

اہل علم جانتے ہیں کہ شیخیت تمام مراجع تقلید اور مجتہدین عظام کے نزدیک کفر و ضلالت ہے مگر شیخیوں کو خصوصیت کے ساتھ حضرت آقائے خالصی سے پرخاش اور عداوت یہ ہے کہ انہوں نے اُن کے کفر کا فتویٰ دینے اور تقریر و تحریر کے ذریعہ سے ان کے مذہب کے بخیئے اُدھیڑنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ عملی طور پر بھی ان کو اس قدر زک پہنچائی کہ عراق کی وسیع و عریض زمین میں ان کے لئے قافیہ حیات تنگ ہو گیا اور وہ عراق چھوڑ کر کویت کو اپنا مرکز بنانے پر مجبور ہو گئے ۔

حتیٰ کہ انہوں نے اکابر شیخیہ کو زیارت کاظمینؑ سے بزور بازو منع کیا اور امامینؑ کے روضہ اقدس کو ان سے ملوث نہیں ہونے دیا ۔ اس لئے بموجب اذا عجز الانسان طال لسانہ اکابر شیخیہ نے اور ان کے زرخرید گماشتوں نے گالیوں پر زور دیا اور مرحوم کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعہ بہتان تراشی، الزام تراشی اور گالم گلوچ کا وہ طوفان بدتمیزی مچایا کہ انسانی شرافت کے ماتھے پر پسینہ آگیا ۔

اگر مرحوم کے خلاف قلم اٹھانے والے علماء و مجتہدین ہوتے تو کوئی بات بھی تھی ۔ مگر وہاں تو کوئی کلکاری ہے کوئی مداری ہے اور کوئی ہمادی ہے اور کوئی بغدادی کوئی نجار تو کوئی قصار ۔ اور ان کی علمی قابلیت اور انسانی شرافت ان کی تالیفات کے ناموں سے ٹپک رہی ہے کسی کا نام ہے " اجور الرجال " اور کسی کا نام ہے "مسلیمۃ القرآن العشرین" انا للہ وانا الیہ راجعون

اور لطف یہ ہے کہ ہمارے برخوردار سابقی صاحب کتاب تو لکھنے بیٹھے ہیں خالصی مرحوم کے خلاف اور ان کے خلاف لکھی جانے والی نام نہاد کتابیں تو

پورے نو عدد ان کے پاس موجود ہیں (خالصیت نامہ ص ۱۵) اور ان کی اپنی کوئی کتاب بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے ۔ ہاں لے دے کے اگر ہے تو مرحوم کے مدرسہ سے جاری ہونے والا رسالہ " مدینۃ العلم " کے چند شماروں کا ایک مجموعہ جیسا کہ انہوں نے اپنے رسالہ کے ص ۱۸ پر اس بات کا اقرار کیا ہے ۔

سرِ دست میرے پاس خالصی کی دیگر کتب تو موجود نہیں یہ میرے ہاتھ میں خالصی کے مدرسہ سے نکلنے والا رسالہ " مدینۃ العلم " ہے اس کے متعدد شماروں پر مشتمل یہ ایک ضخیم مجموعہ ہے ۔ حالانکہ وہ رسالہ ایسا ہے کہ جس میں صرف سرکار خالصی کے ہی مضامین و رشحاتِ قلم یا ان کے ہم نواؤں کے بیانات ہی شائع نہیں ہوتے بلکہ ان کے ذاتی مخالفین اور مخالفین مذہب کی نگارشات بھی شائع ہوتی ہیں ۔ چنانچہ اس رسالہ کے ص ۴۳۸ پر اس کی پالیسی ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے : ۔

ان مجلّتنا للمسلمین کافۃ لا تختص بطائفۃ و لکل مسلم ان یکتب فیہا ما شاء و ان کان مخالفًا لرأینا فتحن ننشرہ حرمۃً لرأی مراتاہ

یعنی میرا یہ رسالہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے کسی خاص فرقہ کے لیے مخصوص نہیں ۔ اس لئے ہر مسلمان کو جو چاہے اس میں لکھنے کا حق ہے اگرچہ ہمارے نظریئے کے خلاف ہو ہم اس کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ضرور اس کی تحریر شائع کر دیں گے ۔

اور عملی طور پر اس رسالہ کے تمام شمارے گواہ ہیں کہ ان میں یگانوں، بیگانوں، سنیوں اور شیعوں سب کے مقالات و مضامین موجود ہیں ۔ ان حقائق کی بنا پر آیا اس رسالہ کی کسی تحریر یا کسی مقالہ یا مضمون کے مندرجات کی بناء پر آقائے خالصی مرحوم کو مطعون کیا جا سکتا ہے؟ کیا اسی کا نام انصاف ہے؟ اور

CS CamScanner

کیا اسی کا نام دین اور اسی کا نام دیانت ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر: ۔

ع فلیبك علی الاسلام من کان باکیا

سوال : خالصی نے اپنے رسالہ مدینۃ العلم کے ص ۲۱۶ پر لکھا ہے "و امیر المومنین سلام اللہ علیہ لیس شیعیًا ولا سنیًا و انما ھو العنوان الکامل للمسلمین" یعنی امیر المومنین علیؑ نہ سنی تھے اور نہ شیعہ وہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک کامل عنوان تھے (خالصیت نامہ ص ۱۸) اس کی وضاحت کر دیں ۔

جواب: اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی اوپر اس رسالہ کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے ۔ اس میں صرف آقائے خالصی مرحوم کی ہی نگارشات شائع نہیں ہوتی تھیں بلکہ دوسرے قلمکاروں کے مضامین بھی برابر شائع ہوتے تھے چنانچہ محولا بالا عبارت بھی جناب موصوف کی نہیں بلکہ یہ مجلّہ کے مدیر اعلیٰ ہادی دفتر کے کلمۃ التحریر (اداریہ) کی ہے ۔ جو رسالہ کے ص ۲۱۱ سے ص ۲۱۶ تک پھیلا ہوا ہے اور جناب امیر علیہ السلام کے فضائل و مناقب سے چھلک رہا ہے جس کا عنوان ہے: ۔

"شھادۃ افضل خلق اللہ بعد رسول اللہ فی افضل الازمنۃ و اقدس الامکنۃ" (ماہ رمضان کے شمارے کی مناسبت سے اس میں جناب امیرؑ کی شہادت بیان کی گئی ہے) اور دوسری گذارش یہ ہے کہ یہ اعتراض "کلمۃ حق یراد بھا الباطل" کا مصداق ہے ۔

اس عبارت کا ہرگز وہ مطلب نہیں ہے جو معترض نے سمجھا ہے بلکہ مضمون نگار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام صرف شیعوں کے پیشوا یا فقط سنیوں کے رہنما نہیں ہیں بلکہ وہ تمام امت مسلمہ (بلکہ تمام عالم انسانیت) کا مشترکہ سرمایہ ہیں ۔ کیونکہ وہ ولی ہیں تو رب العالمین کے، وصی ہیں تو رحمۃ للعالمین کے ۔

اس لئے وہ خود بھی ہدیً للعالمین ہیں ۔ اس مفہوم کی صحت کا زندہ ثبوت مضمون کی وہ عبارت ہے جو بلا فاصلہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد موجود ہے ۔ "فیحق للمسلمین جمیعًا ان یستنیروا بمصباحہ ویستحبحوا باحباحہ"

لہٰذا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ آنجنابؑ کے چراغ رشد و ہدایت سے روشنی حاصل کریں ۔ اس وضاحت کی روشنی میں اربابِ عقل و انصاف بتائیں کہ یہ جناب امیرؑ کی فضیلت ہے یا رذیلت؟ مگر اس کا کیا علاج کہ:

"ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است"

سوال : خالصی نے ۱۳ رجب ۱۳۷۰ھ میں ایک سکول میں تقریر کرتے ہوئے کہا "الا لعنۃ اللہ علی الشیعہ الالعنۃ اللہ علی السنۃ انا لا شیعی ولا سنی" یعنی آگاہ رہو شیعوں پر بھی اللہ کی لعنت اور سنیوں پر بھی اللہ کی لعنت میں نہ شیعہ ہوں اور نہ سنی (الشہادہ الثالثہ جاسم کلکاری) جب وہ اسلام کے دونوں فرقوں کو ملعون قرار دے رہے ہیں تو وہ خود کیا ہیں ۔ (خالصیت نامہ ص ۱۸)

جواب: ڈوگر صاحب!

ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

اور ایک ضرب المثل ہے کہ: ۔

ع کلام العدیٰ ضربٌ من الھذیان

یہی وجہ ہے کہ معترض کو بھی حوالہ کے لیے جاسم کلکاری جیسے دشمن خالصی کے رسالہ کا سہارا لینا پڑا ہے جو بیت العنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے (و انّ اوھن البیوت لبیت العنکبوت) میں اس کلام کو آقائے خالصی مرحوم کو کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں ۔ اگر ان جدید محققین میں جرأت و ہمت ہے تو مرحوم کی کسی اپنی کتاب و تحریر سے ثابت کریں اور اگر صبح قیامت کے طلوع

CS CamScanner

ہونے تک ایسا نہیں کر سکتے تو ایک بے لوث مظلوم عالم دین پر الزام تراشی کر کے اپنی عاقبت تباہ نہ کریں۔وما علینا الا البلاغ

سوال: خالصی نے کھل کر نجدی سلفی وہابیوں کی وکالت کی ہے اور ان کو صحیح العقیدہ مومن کہا ہے۔چنانچہ اسی رسالہ مدینۃ العلم ص ۴۳۹ میں خالصی کا شاگرد رئیس التحریر محمد ہادی دفتر لکھتا ہے کہ" ان رأئینا فی سلفیین حسن جدًا" یعنی ہماری رائے سلفیون کے بارے میں بہت اچھی ہے۔سلفیوں کا ائمہ بقیع کے مزارات کو منہدم کرانا ہمارے نزدیک ان کی خطاء اجتہادی ہے جو سنت کے خلاف ہے(خالصیت نامہ ص۱۹)

جواب: بموجب "دروغ گو را حافظہ نباشد" اسے دروغ گو کے حافظہ کی کمزوری قرار دیا جائے یا باطل نواز کی علمی تہی دستی کہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کا بھی احساس وخیال نہیں۔وہ ثابت تو یہ کرنا چاہتے ہیں کہ آقائے خالصی مرحوم کے عقائد و نظریات شیعی معتقدات ومسلمات کے خلاف ہیں اور وہابیوں کے موافق (جو کہ کبھی ثابت نہیں کر سکتے) مگر اس کا ثبوت ان کی تحریروں سے دینے کے بجائے ان کے کسی شاگرد دفتر صاحب کی تحریر سے دیتے ہیں۔ان کی بے مائگی اور بے چارگی کس قدر قابل رحم ہے۔حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن کا واضح اعلان ہے کہ "لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ" کہ کسی کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اُٹھائے گا۔

بہرحال ان بھول بھلیوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔اگر ہمت ہے تو خالصی مرحوم کی کسی اپنی تحریر سے ثابت کریں کہ انہوں نے نجدیوں کو اصطلاحی معنوں میں مومن اور ان کے انہدام قبور ائمہ کو درست قرار دیا ہو۔اگر ہادی صاحب نے آقائے خالصی کا حوالہ دیا ہے تو ایک شخص کی خبر پر اعتبار کر کے کسی نظریہ کی دیوار استوار نہیں کی جاسکتی۔اگر سرکار آقائے خالصی نجدیوں کو مومن سمجھتے، ان کی وکالت

کرتے اور مزاراتِ مقدسہ کے انہدام کو صحیح جانتے تو اپنی دوسری کتابوں (جیسے احیاء الشریعہ ص۸۶ تا۸۹) کے علاوہ اسی رسالہ مدینۃ العلم میں جابجا ان کے باطل نظریات پر سخت تنقید نہ کرتے۔حالانکہ ان کا یہ رسالہ تنقیدوں سے چھلک رہا ہے بطور نمونہ اس کے درج ذیل صفحات دیکھے جاسکتے ہیں ص ۱۱۴ سے لے کر ص ۱۱۷ تک بذیل عنوان "رد شبهة الوهابين" (ساری بحث قابل دید ہے شاید کبھی لمحات فرصت میں ہم اس کا ترجمہ فائدہ وعبرت کے لئے ہدیہ ناظرین کر سکیں۔ واللہ الموفق) ص ۱۲۰ بذیل عنوان "الامر للہ وحدہ"، ص ۳۱۸ بذیل عنوان "رفع شبهة الاستغاثه بغیر اللہ" اور ص ۳۲۸، ۳۲۹ بذیل عنوان "السجود لادم و ردّ متاخری السلفین" (مجلہ مدینۃ العلم) الی غیر ذلک من المقامات المتفرقة جملہ معترضہ آقائے خالصی مرحوم جن کو مرکز شیخیت (کویت) کے زرخرید ایجنٹ وہابی وہابی کہتے ہیں اور ضال ومضل شیخ احسائی کی معرفت ومحبت اہل بیتؑ اور وہابیت کی مخالفت کے گن گاتے ہوئے نہیں تھکتے۔

آیا وہ وظیفہ خوار مل کر اور اجتماعی کوشش وکاوش سے احسائی کی تمام چھوٹی بڑی تالیفات سے کوئی ایک رسالہ تو بجائے خود کسی کتاب کا ایک صفحہ بھی پیش کر سکتے ہیں جس میں انہوں نے وہابی نظریات کی کھل کر اس طرح رد کی ہو جس طرح آقائے خالصی مرحوم نے کی ہے؟

ان فی هذا العبرة لقوم یعقلون هل فیکم رجل رشید؟

علاوہ بریں جناب ہادی دفتر نے بھی وحدت اسلامی کے جوش وجذبہ کے تحت جہاں سعودی عرب کی تعریف میں چند جملے لکھے ہیں وہاں فوراً مزاراتِ مقدسہ کے انہدام پر اس کی مذمت بھی کی ہے اور تنقید بھی۔چنانچہ محولا بالا عبارت کے اندر لکھتے ہیں:

علی انه لا یخفی ذلك اننا نوافق علی کل ما یجری فی الحجاز
فاننا ننتقد کل الانتقاد علی هدم قبور ائمه البقیع و
شهداء احد و نعتبره اجتهادًا خاطئًا مخالفًا للسنة۔

یعنی اس تعریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حجاز میں جو کچھ ہو رہا ہے ہم اس کے موافق ہیں (نہیں ایسا نہیں ہے) ہم ائمہ بقیع اور شہداء احد کے مزارات مقدسہ کے گرانے پر سخت تنقید کرتے ہیں اور ان کے اس اقدام کو خلاف سنت غلط اجتہاد جانتے ہیں ۔

خالصیت نامہ کے مؤلف نے یہاں خیانت مجرمانہ کرتے ہوئے اپنی پیش کردہ عبارت میں سے درمیانی جملے حذف کر دیئے ہیں اور قطع و برید کر کے اپنی مطلب برآری کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور دھوکہ دہی کا ارتکاب کیا ہے ۔

سوال: اس رسالہ کے ص ۴۵ پر لکھا ہے: ۔

لا یخفی ان عثمان رضی الله عنه سمی ذو النورین لتزوّجه بابنتی
رسول الله و جمعه القرآن و هو خلیفة بنص الشوری

یعنی مخفی نہ رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس لئے ذوالنورین کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت رسولِ خدا کے دو بیٹیوں سے شادی کی اور قرآن کو جمع کیا اور وہ بنص شوریٰ خلیفہ تھے ۔

یہ واضح الفاظ ہیں کہ خالصی نے عثمان کی تعریف کی ہے اور اسے داماد رسولؐ تسلیم کیا ہے اس بارے میں آپ کیا کہنا پسند کریں گے؟

جواب: صفدر صاحب! سچ یہ ہے کہ کسی چیز کی حد سے زیادہ محبت اور حد سے زیادہ عداوت آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے ۔ اور اس کا تازہ اور زندہ ثبوت مؤلف رسالہ کی یہ کارستانی ہے جس میں انہوں نے خوف خدا، خوف حشر و نشر اور

خوف ذِلت و رسوائی سے بالاتر ہو کر اور دیانت و امانت اور شرم و حیا کے جملہ تقاضوں کے نظر انداز کر کے ہر ہونی انہونی بات آقائے خالصی مرحوم کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے ۔ میرے خیال میں اگر وہ دھوکہ دھی و ابلہہ فریبی اور بد دیانتی کی اس نچلی سطح تک اپنے آپ کو نہ گرائیں تو بھی مرکز شیخیت (کویت) کا حق نمک ادا ہو جائے گا ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ قبل ازیں اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ رسالہ "مدینۃ العلم" کے شمارہ نمبر ۲ کے ص ۱۴۱ پر ایک ناصبی محمود ملاح اور ایک حنفی قادری سنی عالم خلیفہ شیخ محمد سعید، بیتواتنی کا باہمی تحریری مناظرہ درج ہے جس کا عنوان ہے "مناظرۃ علمیہ دینیۃ" جو پورے آٹھ صفحات تک پھیلا ہوا ہے یعنی ص ۱۴۱ تا ص ۱۴۸ جو "الملاح" اور "الخلیفۃ محمد" کے نام سے سوال و جواب کی شکل میں موجود ہے جو ۳ شعبان ۱۳۷۱ھ میں بمقام بغداد ہوا تھا ۔

تو خالصیت نامہ کے مؤلف نے جو عبارت آقائے خالصی کی طرف منسوب کر کے ان پر تنقید کی ہے وہ دراصل الخلیفۃ محمد کی ہے جو ان کے نام کے ساتھ رسالہ کے ص ۱۴۵ پر مذکور ہے اور اس سارے واقعہ کی تفصیل مناظرہ کی ابتدائی کارروائی میں ص ۱۴۱ پر بالتفصیل مذکور ہے ۔

سابقی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ان ہی کے پاس رسالہ مدینۃ العلم کی فائل موجود ہے اور کسی کے پاس نہیں ہے؟ اور اگر ان کو خدا اور اس کی بارگاہ میں حاضری کا کوئی خوف نہیں تو کیا خلق خدا کے سامنے اپنی ذلت و رسوائی کا کوئی احساس نہیں ہے کہ ان کے دجل و فریب اور دھوکہ دہی کا پردہ چاک ہو جانے کے بعد لوگ ان کے دین و دیانت کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے ۔

کسی شخصیت یا کسی نظریہ کے بارے میں بحث و مباحثہ میں کوئی حرج نہیں

CamScanner

بشرطیکہ شرافت و دیانت کی حدود کے اندر ہو۔ اور جب آدمی ان حدود و قیود سے باہر ہو جائے تو وہ مکابرہ بن جاتا ہے۔

بہر نوع سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا سائلی صاحب انہی معلومات اور انہی تحقیقات پر اتراتے ہوئے خالصیت نامہ کے ص ۱۵ پر لکھتے ہیں "اردو زبان عوام تو بجائے خود خواص کو بھی بلکہ جناب ڈھکو کو بھی خالصی کے اوپر اس قدر عبور نہیں ہے جو مجھے حاصل ہے۔

؎ اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

سوال: اس رسالے کے حوالے سے ایک سوال ہے کہ خالصی نے عمر کو رسولؐ کا خسر اور علیؑ کا داماد قرار دے کر ان کی محبت کو فرض قرار دیا ہے اس کا کہنا ہے:

اما الشیعه و من المعلوم ان عمر ختن النبی و مهر الوصی.....الخ۔

یعنی شیعوں کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت عمر رسولؐ اللہ کے خسر اور علیؑ کے داماد تھے (مدینۃ العلم ص ۵۳۲) اور پھر بغض عمر شیخیوں کی علامت ٹھہرایا ہے، اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اس ایراد میں بھی اسی بد دیانتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے جس کا مظاہرہ اس سے پہلے ایرادات میں کیا گیا ہے یعنی یہ عبارت آقائے خالصی مرحوم کی نہیں بلکہ ہادی دفتر کی ہے جو ان کے ایک طویل مضمون سے لی گئی ہے جو مدینۃ العلم کے ص ۴۹۹ سے لے کر ص ۵۳۳ تک پھیلا ہوا ہے جس کا عنوان ہے "جدول شہر ذی الحجۃ" جس میں ذی الحجہ کے شمارہ کی مناسبت سے اس مہینہ میں رونما ہونے والے تمام تاریخی واقعات از قسم حضرت علیؑ کا اعلان ولی عہدی (عید غدیر) عید

مباہلہ وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر اسلامی برادری کے دوسرے خلیفہ کی وفات کا ذکر بھی کیا ہے۔ (جو اسی مہینہ میں واقع ہوئی تھی)

اس سلسلہ کے مشہور دشمن اہل بیتؑ محب الدین الخطیب کے اس الزام کہ "شیعہ عمر کی موت پر جشن مناتے ہیں اس لئے وہ بغض صحابہ کی بنا پر خارج از اسلام ہیں" کا جواب دیتے ہوئے ہادی دفتر نے لکھا کہ شیعہ شریف ہیں وہ کسی بھی دشمن کی موت پر خوشی نہیں مناتے تو نبیؐ کے خسر اور علیؑ کے داماد کی موت پر کس طرح جشن منا سکتے ہیں؟

جہاں تک حضرت عمر کے خسر نبی ہونے کا تعلق ہے وہ بے شک صحیح ہے، ہاں البتہ ان کا داماد علیؑ ہونا میرے نزدیک بالکل بے بنیاد اور محض افسانہ ہے (تفصیل کے لئے تجلیات صداقت کا مطالعہ کیا جائے) ہم جناب ہادی دفتر کے مضمون کے اس جز سے اتفاق نہیں کرتے۔

سوال: خالصی نے عصمت معصومینؑ کا انکار کیا ہے انہوں نے کہیں امامؑ کی عصمت کا ذکر نہیں کیا۔ یہ سوال بھی میں نے خالصیت نامہ ص ۲۲ کے حوالہ سے کیا ہے۔ آپ اس سلسلے میں کیا جواب دیں گے؟

جواب: سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم۔ ایک نہیں بیسیوں مقامات پر آقائے خالصی نے ائمہ اہل بیتؑ کی عصمت کا تذکرہ کیا ہے۔ زیادہ دور نہ جائیں خود خالصیت نامہ کے مرتب نے اپنے اس رسالہ کے ساتھ خالصی مرحوم کے عربی وصیت نامہ کا فارسی ترجمہ مع اردو ترجمہ کے درج کیا ہے۔ اس کے ص ۴۱ پر حمد باری ہے بعد لکھتے ہیں "اور اللہ کی رحمت ہو سرور کونینؐ اور اس کی طیّب وطاہر آلؑ پر جو اللہ کے منتخب کردہ اور نیک وشرفا کے ہادی برحق ہیں"۔

فرمائیے اصطلاحِ شریعت میں طیّب وطاہر کسے کہتے ہیں؟ کیا معصوم کو ہی

طیّب وطاہر نہیں کہا جاتا؟ اگر واضح الفاظ ہی لفظ عصمت وطہارت چاہیں تو ان کی کتاب احیاء الشریعہ میں کئی مقامات پر موجود ہے مثلاً ص ۸۷ پر انبیاء وائمہؑ کے قبور مقدسہ کی زیارت کے نہ صرف جواز بلکہ استحباب کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ۔

قد مدوت الاحادیث عن اهل بیعت العصمة متواترة باستحباب زیارة النبی و بقیة المعصومین و تعظیم قبورهم

اس طرح ص ۵۸، ۵۹ پر یہ لکھا ہے کہ امام کو سہو نسیان نہیں ہوتا۔ تو جسے سہو نسیان نہ ہو وہ معصوم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ ان حقائق کے باوجود یہ کہنا کہ آقائے خالصی مرحوم ائمہ کو معصوم نہیں جانتے یہ کس قدر دیدہ دلیری ہے اور ظلم عظیم ہے۔ جب ہی تو میں کہتا ہوں کہ آقائے خالصی مرحوم مظلوم شیعہ مجتہد ہیں۔

سوال: عبدالمنعم کاظمی نے اپنی کتاب "من کنت مولاہ ...." میں لکھا ہے کہ خالصی نے امام جعفر صادق کو ایک تقریر میں مجتہد قرار دیا۔ اور اس تقریر میں بہت سے علماء و زعماء موجود تھے اور اُس کتاب میں آیت اللہ خوئی کی تقریظ موجود ہے اور رسالہ مدینۃ العلم کے مدیر ہادی دفتر کی بھی تقریظ موجود ہے اب اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

جواب: اس انٹرویو میں پہلے اس اعتراض کا اور جناب ابوالفضل عباس اور خالد بن ولید کے ایمان کے برابر ہونے (العیاذ باللہ) والے ایراد کا جواب دیا جا چکا ہے کہ عبدالمنعم کاظمی باقرار خود شیخی ہے اور کسی حمادی بغدادی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بار بار ہم اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ مخالفین میں اگر جرأت و ہمت ہے تو آقائے خالصی مرحوم کی اپنی تحریر سے اس قسم کی کوئی

بات ثابت کریں اور منہ مانگا انعام حاصل کریں۔

ورنہ ان بے بنیاد باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مگر یہ دین و دیانت کے دکاندار اور شرم وحیا کے مخالف پوری بے حیائی اور مکمل ڈھٹائی سے انہی شیخیوں اور زر خرید قلمکاروں کی تحریروں کا سہارا لیتے ہیں کہ فلاں بغدادی نے یہ لکھا ہے اور فلاں حمادی نے یہ کہا ہے، فلاں کلمکاری نے گلکاری کی ہے اور فلاں نے یہ۔

سرکار آقائے خوئی مدظلہ نے اس کتاب (جس کی ۱۳، ۱۴ جلدیں ہیں) کسی جگہ پر اگر چند سطریں پڑھ کر چند تعریفی جملے لکھ دیئے ہیں تو اس سے اس کتاب کے تمام مندرجات کی توثیق تو نہیں ہو سکتی؟ اگر بقول عبدالمنعم کاظمی اس بزم میں بہت سے علماء و زعماء اور خطباء موجود تھے جن کے نام بھی لئے گئے ہیں اور انہوں نے اس بات کا بُرا بھی منایا تھا تو پھر انہوں نے بذریعہ تقریر اس بات کا اظہار کیوں نہ کیا؟ ان کو کیوں سانپ سونگھ گیا؟ اور صرف کاظمی صاحب کے پیٹ میں ہی کیوں مروڑ پیدا ہوا؟

سوال: حوالہ پھر خالصیت نامہ ہی کا ہے۔ کیا خالصی کے مدرسہ میں امریکی دانشوروں کی آمد و رفت رہتی تھی؟ وہ ان کے دعوت پر گئے۔ اس آمد و رفت کا مقصد آپ کے نزدیک کیا تھا؟ کیا امریکیوں کے ساتھ پس پردہ کوئی ساز باز تو نہ تھی؟

جواب: امریکی دانشور صرف خالصی کے مدینۃ العلم کا طواف ہی نہیں کرتے بلکہ جامع الازہر (مصر) اور شیعیان جہان کے علمی مرکز نجف اشرف کا بھی طواف کرتے ہوئے نظر آتے تھے اور آتے ہیں کیونکہ

ع ہر جا کہ بود چشمۂ شیریں
مردم و مور و ملخ ہمہ گرد آیند

CS CamScanner

خالصی مرحوم کا یہ سیاسی نظریہ تھا کہ باوجود کہ یہود و نصاریٰ میں بعد المشرقین ہے مگر اسرائیل کے یہودی امریکہ کے عیسائی حکمرانوں کو مسخر کر کے عالم اسلام کے لئے ناسور بن سکتے ہیں تو پھر مسلمان حکمت عملی سے اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر کے یہودیوں کے طلسم کو کیوں نہیں توڑ سکتے ۔ مرحوم کا سیاسی مؤقف غلط ہوسکتا ہے اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر اس سے ان کو امریکیوں کا ایجنٹ کس منطق کے تحت قرار دیا جا سکتا ہے؟

ع   اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

یہ مطلب ان کے اس کلام سے واضح ہے جو ان کے رسالہ مدینۃ العلم کے اندر مذکور ہے ۔ جس کا عکس خالصیت نامہ کے ص ۵۲ پر ہے اور کانفرنس، جو مسلمانوں کے اشتراک عمل سے کیمونسٹوں کے خلاف بلائی گئی تا کہ ان کو مخالفین کے اجتماع میں حقائق اسلام اُجاگر کرنے کا موقع مل جائے ۔

سوال : رسالہ خالصیت نامہ کے ص ۳۹ کے حوالے سے سوال ہے کہ اس سیمینار میں علماء شیعہ میں سے صرف خالصی ہی کو کیوں مدعو کیا گیا؟ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: یہ کذب صریح ہے کم از کم دو مزید شیعہ علماء و دانشوروں کا تذکرہ تو اسی مجلہ مدینۃ العلم کے اندر موجود ہے ایک علامہ شیخ علی کاشف الغطا (جن کی تصویر ص ۲۸۴ پر آقائے خالصی کے ساتھ موجود ہے) اور تقریر ص ۴۲۱ پر مذکور ہے اور اس میں انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ نجف اشرف کے علماء اعلام سے مشورہ کر کے اور ان کی اجازت سے اس سیمینار میں شریک ہوئے ہیں ۔ اور دوسرے ڈاکٹر رضا زادہ شفق استادِ فلسفہ (طہران یونیورسٹی) جن کا تذکرہ ص ۲۵۹ پر موجود ہے ۔

وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون

سوال : اسی خالصیت نامہ کے ص ۱۳ پر ایک اعتراض ہے جو میرے اپنے ذہن میں بھی ایک سوال کی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر خالصی کی کتب میں شیعہ مسلمہ عقائد کے خلاف کوئی بات نہیں تو آپ اس کی کسی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیوں نہیں کر دیتے؟

جواب: اس نیک کام کے انجام دینے سے صرف دو چیزیں مانع ہیں اور کوئی نہیں ۔ ایک اپنی عدیم الفرصتی اور دوسری اپنی بے مائیگی ۔ میری کئی کتابیں محض اشاعت کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں ۔ یہ اعتراض کرنے والے سچے ہیں وہ تو شیخیت کی تائید میں چند ورقے لکھ کا چھاپ دیں تو ان کو لاکھوں روپے مل جاتے ہیں اور ہم جب اس مظلوم کی تائید میں قلم کو جنبش دیں تو صرف گالیاں ملتی ہیں ۔

بہرحال اگر توفیق ایزدی شامل حال رہی تو کسی وقت اس خواہش کی تکمیل ہو جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ

سوال : اسی رسالہ کے ص ۳۷ پر لکھا ہے کہ خالصی کے نزدیک عزاداری حرام ہے ۔ آپ کیا کہنا پسند کریں گے؟

جواب: اس مرحوم پر سراسر تہمت ہے ۔ مرحوم دوسرے علماء شیعہ کی طرح صحیح عزاداری کو دین حق کی نشر و اشاعت اور اس کی بقا کا موجب سمجھتے تھے ۔

زیادہ دور نہ جائیے، اسی مجلہ مدینۃ العلم کے ص ۸۸ پر آقائے خالصی مرحوم کے خطبہ جمعہ کا خلاصہ درج ہے جس کا سرنامہ یہ ہے: ۔

و یدعو الی تعظیم الشعائر الاسلامیة و شیة و بزکرھا و
بحث العزی و مجالس التابین لائمة الھدیٰ من اھل بیت النبوة
و زیارة مراقدھم المقدسه اذ فی ذالك تشید للدین

الاسلامی و احیا مآثر العزاء و دحض الادینیة و اماتته معنویتهم

آپ نے اس خطبہ میں اسلامی شعار کی تعظیم وتکریم کا تذکرہ کیا اور مجالس عزا قائم کرنے کی رغبت دلائی اور ان کے مشاہد مقدسہ کی زیارت کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا ۔ کیونکہ ان باتوں سے دین اسلام کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور اس کے آثار کو زندگی ملتی ہے اور لادینوں کے باطل خیالات کا ابطال ہوتا ہے ۔

اس سلسلہ میں آگے چل کر فرمایا:

وَمَا تلك المجالس الامحافل دینیة کبری و مدارس سیارة لتعلیم المسلیمین الثبات علی العقیدة والتضحیة فی سبیل الدین و تعمل علی نشر الاصلاح والارشاد و بث احکام الشریعة و الی غیر ذالك من احیاء مائر الاسلام۔

ان اھم اثر کان ولا یزال عاملًا علی تشیید الدین من ذکر السبط الشہید الحسین حیث المتفقه المجالس التابنیة فی ذا کثرانحا المعمورة فی ایران

دین اسلام کے استحکام کا سب سے بڑا سبب نواسہ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کا ذکر ہے ۔ چنانچہ ربع مسکون کے اکثر حصوں میں مجالس عزا منعقد ہوتی ہیں ۔ یہ مجالس کیا ہیں ؟ یہ دینی محافل ہیں اور چلتے پھرتے دینی مدرسے ہیں۔ان میں مسلمانوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ دین پر ثابت قدم رہنے اور دین کے لیے قربانی پیش کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور یہ مجالس اصلاح وہدایات شرعی احکام کی نشر واشاعت میں مددگار ہوتی ہیں اور دوسرے کئی اسلامی شعائر کے زندہ کرنے

کا باعث ہیں ۔(مدینۃ العلم ص ۸۸)

کیا جو شخص مجالس عزا کی اس قدر تعریف وتوصیف کرے اور ان کے اس قدر فوائد وعوائد بیان کرے اسے عزاداری کا دشمن قرار دینا صریح ظلم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

لعنۃ اللہ علی الظالمین، ہاں وہ اُن پیشہ ور تاجرانِ خون حسینؑ کے خلاف تھے جو قوم کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرتے ہیں فضائل ومصائب میں غلط روایات پڑھ کر ان کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں ۔(مجلہ مدینۃ العلم ص ۹۲)

اس لیے شیخیوں کے علاوہ عراق کے تاجران خون حسین بھی مرحوم کے جانی دشمن بن گئے تھے کیونکہ آقائ خالصی مرحوم کی تقریر وتحریر سے ان کی مارکیٹ متاثر ہوتی تھی اور ان لوگوں کو ہر چیز پر اپنا ذاتی ودنیوی مفاد مقدم ہے ۔اور یہی حال یہاں کے شیخیوں اور تاجران خونِ حسینؑ کا ہے ۔ جو اہل علم شرعی ذمہ داری اور وظیفہ دینی سمجھ کر ان کی غلط روش ورفتار پر ان کو ٹوک دے وہ پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اس کے متعلق ہر ہونی اور انہونی بات کہہ گزرتے ہیں مگر اس کے باوجود علماء کرام اپنا شرعی فریضہ ادا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے انشاء اللہ ۔

سوال : رسالہ خالصیت نامہ کے حوالہ ہی سے ایک اور سوال ہے کہ ص ۴۸ سے ص ۵۰ تک پاکستان کے بہت سے علماء کے نام درج ہیں جنہوں نے خالصی کو مذہب شیعہ سے خارج قرار دیا ہے جن میں آپ کا نام بھی درج ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ڈوگر صاحب! مرتب رسالہ کی اس کارستانی سے معلم الملکوت کی روح بھی شرما گئی ہوگی ۔حاشا وکلا، ان علماء کرام میں سے کسی نے آقائی خالصی

مرحوم کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ بات دراصل صرف اس قدر ہے کہ سندھ کے کسی صاحب نے حقیقی یا فرضی نام سے ان علماء کرام سے استفسار کیا تھا کہ اگر کوئی شخص حجاز کی موجودہ وہابی حکومت کو مومن سمجھے اور شیخین کو ایسا مومن کامل سمجھے کہ ان کے ایمان میں شک کرنے والے کو کافر قرار دے تو کیا ایسا شخص شیعہ ہو سکتا ہے؟ تو جواب میں سب نے لکھا (اور میں نے بھی لکھا) کہ نہیں ایسا عقیدہ رکھنے والا شیعہ کہلانے کا روادار نہیں ہے۔ نہ سوال میں کسی شخص کا نام تھا نہ جواب میں۔ مگر مرتب رسالہ نے جھٹ اپنے زعم باطل کی بنا پر اسے آقائے خالصی پر منطبق کر دیا۔ مگر ہم اوراق سابقہ میں ان غلط نسبتوں اور تہمتوں کا ابطال کر چکے ہیں۔ تو بعد ازاں اس چالاکی کا خود بخود پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

سوال: میرے خیال میں ضروری اعتراضات جو میں اپنے ذہن کے مطابق اس رسالے سے بنا سکا تھا وہ میں نے کر دیئے ہیں اگر مزید ضرورت ہوئی تو کیا آپ اسی طرح وقت دیں گے؟

جواب: شکریہ میں خود آپ کا سپاس گزار ہوں کہ آپ نے مجھے حقائق کے اظہار کا موقع دیا۔

سوال: کیا آپ قرآن پاک مہیا کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! وہ سامنے رکھا ہوا ہے۔

سوال: آپ ایک عالم دین ہیں یہ قرآن پاک ہے کیا آپ اس پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی ملکی یا ملکی ادارے، پارٹی یا شخص کے ایجنٹ نہیں اور کسی سے بطور امداد کچھ وصول نہیں کرتے؟

جواب: اس وقت جب کہ میں یہ انٹرویو ٹیپ کر رہا ہوں میں حلفیہ بیان دیتا

ہوں کہ میں نے آج تک کہیں سے کوئی ملکی یا غیر ملکی امداد نہیں لی، اوروں کا کیا ذکر حتیٰ کہ ایران سے جو کہ ہمارا شیعہ ملک ہے۔ لہٰذا کسی کی ایجنٹی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ع کہتا ہوں وہی بات جسے سمجھتا ہوں جسے حق

والحمد للہ رب العالمین

احقر محمد حسین نجفی عفی عنہ بقلمہ سرگودھا

حصہ دوئم

جناب سید عارف حسین شاہ کے
تین سَو سوالات کے جوابات

تمہیدی کلمات

افتخار سید و سادات جناب سید عارف حسین شاہ صاحب ایم اے آف وانڈا نادر شاہ تحصیل پہاڑپور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) اہلِ ایمان کی جانی پہچانی ہوئی مشہور علمی شخصیت ہیں، کثیر المطالعہ آدمی ہیں اور تحقیق پسند واقع ہوئے ہیں ۔ موصوف نے ۲۰۰۴ء میں تین سَو (۳۰۰) سوالات پر مشتمل ایک ذخیرہ بھیجا، جو کاغذات میں ہیں ادھر ادھر ہوگیا ۔ اس لیے جوابات سپردِ قلم و قرطاس نہ کیے جاسکے ۔ مگر مقام شکر ہے کہ ان سوالات کا اصل مسودہ انجمن اتحاد بین المومنین کے سیکرٹری گوہر عباس صاحب کے ہاں موجود تھا، انھوں نے ان کی فوٹو کاپی کرا کر بھیجی، اور تقاضا کیا کہ بہت دیر ہوچکی ہے، لہٰذا اب جلد اس سلسلہ کا آغاز کیا جائے ۔ لہٰذا اب جنوری ۲۰۰۸ء سے اس سلسلے کا آغاز کیا جارہا ہے ۔ اگرچہ شاہ صاحب موصوف کا اصرار ہے کہ ان سوالات کے مفصل اور مدلل جوابات دیے جائیں مگر ایسا کیا جائے تو: ۔

ع "سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے"

تین سَو سوالات ہیں جن میں اصولی، فروعی، تاریخی، تمدنی، دینی اور دنیوی ہر قسم کے سوالات موجود ہیں ۔

لہٰذا اگر ان کے تفصیلی جوابات دیے جائیں تو کم از کم ایک ہزار صفحہ کی کتاب بن جائے گی ۔ لہٰذا کوشش کی جائے گی کہ اختصار و تفصیل کا درمیانہ راستہ تلاش کیا جائے، نہ اختصار مخّل ہو اور نہ اکثار مِمّل ہو ۔ اب جنوری ۲۰۰۸ء

CamScanner

سے آغاز کررہے ہیں ۔اور ہر ماہ "دقائق اسلام" میں یہ سلسلہ جاری رہے گا ۔ ان شاءاللہ ہر ماہ چند سوالات کے جوابات پیش کیے جائیں گے ۔اور اس کے ساتھ ساتھ قارئین کرام سے توفیق خیر اور اس میں اضافہ کی استدعا کی جاتی ہے ۔

(احقر محمد حسین عفی عنہ بقلمہ سرگودھا)

چونکہ سوال نمبر ۱ سے سوال نمبر ۸ تک ایک فقہی مسئلہ حق مہر کے محور کے اردگرد گھومتے ہیں، لہٰذا اس شمارہ میں انہی آٹھ سوالات کے جوابات پر اکتفا کی جاتی ہے ۔

سوال: (۱): کیا مہر کا تعین کرنا عقد کے شرائط میں داخل ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: مہر مقرر کرنا اور اس کا معین کرنا واجب ضرور ہے مگر شرائط عقد میں سے نہیں ہے کہ جس کے بغیر عقد باطل ہوجاتا ہو ۔

سوال: (۲): کیا مہر کے تعین کیے بغیر عقد ہوسکتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں اگر اس کا تعین نہ بھی کیا جائے تو عقد نکاح ہوجاتا ہے، البتہ اس صورت میں مہر المثل واجب ہوگا ۔یعنی عورت کے خاندان کی عورتیں جو حسن و جمال اور فضل و کمال اور باکرہ یا ثیبہ ہونے میں اس جیسی ہیں جو حق مہر ان کا ہوگا وہی اس کا سمجھا جائے گا ۔

سوال: (۳): کیا مہر کے تعین کے بغیر عقد کے بعد زفاف ہوسکتا ہے، یعنی جائز ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں اگر عورت راضی ہوتو زفاف جائز ہے ۔

سوال: (۴): کیا حق مہر کے تعین کے بعد حق مہر کا ادا کرنا فوری طور پر لازم ہے یا تاحیات روکا جاسکتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: حق مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے، اور جس قدر جلد ممکن ہو اسے زوجہ کے حوالے کرے تاکہ حق الناس سے سبکدوش ہوجائے ۔
بلکہ بنا برمشہور بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ ازدواج کے بعد شوہر کو اس وقت تک نزدیک نہ آنے دے جب تک وہ مہر ادا نہ کرے، بشرطیکہ شوہر ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہو ۔

CS CamScanner

سوال: (۵): مہر کے تعین کے بغیر یا مہر کی تعین شدہ رقم کے ادا کیے بغیر یا تعین وعہد ادائیگی کے باوجود تاحیات نہ ادا ہوسکنے پر وفات ہوجانے پر کیا حکم ہوگا، مرد زندہ ہو اور عورت وفات پاجائے یا الٹ؟

جواب: باسمہ سبحانہ: پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ زرمہر کی جلد ادائیگی واجب ہے اور اگر شوہر ادائیگی میں سہل انگیزی کرے یہاں تک کہ عورت فوت ہوجائے تو شوہر پر واجب ہے کہ عورت کے وارثوں کو زرمہر ادا کرے اور اگر شوہر پہلے مرجائے تو وراثت کی تقسیم سے پہلے اصل ترکہ سے زرمہر ادا کی جائے گی۔

سوال: (۶): مہر کے تعین کے باوجود عوام الناس میں اس کی ادائیگی کا رواج نہیں ہے، اور نہ ہی اسے محسوس کیا جاتا ہے، تو کیا حکم ہوگا؟ جبکہ فوتگی بھی ہوجائے۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سابقہ سوال کے جواب سے واضح ہے، اس سستی کا ایک سبب تو عوام کی دین اور اس کے احکام سے لاپرواہی ہے اور دوسرا سبب عورتوں کی جہالت ہے۔ اور اپنے حقوق طلب کرنے میں سہل انگیزی۔ اگر وہ اپنے حقوق طلب کرنے میں بیدار مغزی کا ثبوت دیں تو مرد اُن کے حقوق غصب کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔

سوال: (۷): کیا حق مہر واجب ہے اور مہر کی ادائیگی واجب ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میرے خیال میں سابقہ سوال و جواب کے بعد اس سوال کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ حق مہر واجب ہے، اور عورت سے تمتع حاصل کرنے یا مرد کی کثرت ازدواج یا طلاق کی وجہ سے پیش آنے والے نقصانات اور زحمات کا معاوضہ ہے، اور اس کی ادائیگی بہرحال شوہر پر واجب ہے۔

سوال: (۸): کیا حق مہر میں کرنسی، زمین زرعی، پلاٹ، مکان، سونا، چاندی کار میں سے کوئی شے متعین ہوسکتی ہے؟ یا کوئی مسنون و مستحبی طریقہ ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: حق مہر کے سلسلے میں ہر وہ چیز مقرر کی جاسکتی ہے جس کا ایک مسلمان بحیثیت مسلمان مالک ہوسکتا ہو، وہ عین ہو یا دین زمین ہو یا حیوان یا ان چیزوں میں سے کوئی چیز، جن کا تذکرہ سوال میں کیا گیا ہے، تا کہ عورت کے حقوق کا تحفظ ہوجائے اور اس کی قلت و کثرت کا دارومدار طرفین کی رضامندی پر ہے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ مہر السنۃ ہو، جو کہ پانچ سو درہم، جو رسولِ خداؐ نے اپنی ازواج کا اور خاتونِ قیامتؑ کا مقرر کیا تھا، جسے مہر السنۃ اور السنۃ المحمدیہؐ کہا گیا ہے۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جنوری ۲۰۰۸ء)

سوال: (۹): علم "جفر" کی حقیقت کیا ہے؟ اسکا کوئی عالم پاکستان میں موجود ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: علم رمل ہو جس کا زیادہ تر دارومدار اعداد حروف پر ہے یا علم نجوم جس کا زیادہ تر تعلق ستاروں کی گردش سے ہے، دونوں برحق علم ہیں۔ مگر ان کے جاننے والے کبریتِ احمر سے بھی کم اور میرے معلومات کے مطابق پاکستان بھر میں ان علوم کا کوئی ماہر موجود نہیں ہے اور ناقص معلومات کا حامل آدمی فائدہ سے زیادہ لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے معصومین علیہم السلام نے ایسے لوگوں کے قول و فعل پر اعتبار نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت سید ابن طاؤس نے فرج المھموم فی تراجم علماء علم النجوم کے نام سے ایک پوری کتاب لکھی ہے جس میں اس مضمون کی متعدد احادیث درج کی ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ علم برحق ہے۔ "نحن نعلمه او بيت في الهند"

۔ہم اہل بیتؑ یہ علم جانتے ہیں یا ہندوستان میں ایک خانوادہ جانتا ہے ۔ مشاہدہ شاہد ہے کہ وہ لوگ یہ جانتے ہیں جس بنا پر وہ بعض سچی پیش گوئیاں کرتے رہتے ہیں اور انکی جنتریاں زیادہ صحیح ہوتی ہیں ۔واللہ العالم

سوال:(۱۰):تصوف اور عرفان کی حقیقت سے روشناس کرائیں؟

جواب:باسمہ سبحانہ:عرفان تصوف کا ہی بدلا ہوا نام ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا نام بدل دینے سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی ۔اور تصوف بقول ڈاکٹر اقبال:"اس میں ذرہ بھی شک نہیں ہے کہ تصوف کا وجود اسلام میں ایک اجنبی پوداہے"۔(اقبال نامہ)

تصوف اور عرفان بزعم صوفیاں نہ صرف براہِ راست خدا تک رسائی حاصل کرنے بلکہ خدا تک پہنچ کر اور اپنی خودی کو اس کی ذات میں ضم کر دینے اور "من توشدم تومن شدی" کا راگ الاپنے کا ایک خودساختہ اور خانہ ساز طریقہ کار بھی ہے ۔جس کا اسلام اور قرآن کی مقدس تعلیمات سے اتنا بھی ربط وتعلق نہیں جتنا کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکے سے ہوتا ہے ۔اس کے بنیادی دو اصول ہیں:

① انسان کا براہِ راست خدا سے مکالمہ۔

② نفس انسانی کا حقیقت مطلقہ کے ساتھ مل جانا ہے ۔جسے صوفیہ"وصال"یا"فناء فی اللہ" کہتے ہیں ۔اور علامہ جزائری اور بعض دیگر محقق علماء کی تحقیق کے مطابق یہ گروہ بنی امیہ کی ایک خاص سازش کی پیداوار ہے ۔(انوارِ نعمانیہ)

صوفیوں کی مذمت سے ہماری کتب احادیث چھلک رہی ہیں ۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سب صوفی ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے مغائر اور منافی ہے ۔ (حدیقۃ الشیعہ،مقدس اردبیلی)

تصوف کے بدلے ہوئے نام عرفان کی اصطلاحات سب وہی صوفیہ والی

ہیں، جیسے ذکر جلی، ذکر خفی، محو، صحو، اور مراقبہ وغیرہ ۔اور ان کے عرفاء اسلام بھی وہی نامور صوفیا ہیں جیسے محی الدین ابن عربی، منصور حلاج جیلانی اور غزالی وغیرہ وغیرہ۔

؏ بهر رنگے که خواهی جامه می پوش

من انداز قدت را می شناسم

بنظر اختصار سر دست اس موضوع پر اتنا ہی لکھنا کافی ہے ۔

سوال:(۱۱):نفس اور عرفان نفس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:باسمہ سبحانہ: اس میں قدرے اختلاف ہے کہ نفس و روح دو الگ الگ حقیقتیں ہیں یا ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ نفس سے مراد روح ہے، جیسا کہ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں فرمایا ہے:"اعتقادنا فی النفوس انہا ھی الارواح" نفوس کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اس سے مراد ارواح ہیں، جن پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے اور اس پر انسان کی انسانیت اور تکالیف شرعیہ کا انحصار ہے ۔

اب رہی یہ بات کہ نفس و روح کی حقیقت کیا ہے؟ تو اس کے معلوم کرنے کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا، اور نہ ہی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں ۔کیونکہ اس کی حقیقت کا ادراک عام انسانی عقل و خرد کی دسترس سے باہر ہے ۔جب خدا نے اس کی حقیقت بیان نہیں کی، اور محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے بیان نہیں کی تو پھر اس کے معلوم کرنے کا راستہ کونسا ہے؟ لوگوں کے سوال پر خدا نے صرف یہ فرمایا:"قل الروح من امر ربی" کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے ۔

پھر لوگوں کے تفصیلی جواب کے تقاضا پر فرمایا:"و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا"تمہاری عقل اور علم تھوڑا ہے جس کی وجہ سے تم اس کی

CS CamScanner

حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے ۔

چنانچہ مشہور حدیث نبویؐ یا علویؑ : "من عرف نفسه فقد عرف ربه" "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا" کے متعلق اکثر علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ ارشاد "تعلیق الامر علی المحال" کی قسم سے ہے ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خداوند عالم کی اصل حقیقت کی معرفت محال ہے اسی طرح نفس و روح کی حقیقت کا معلوم کرنا بھی محال و ناممکن ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ حکماء و علماء نے ابتدائے آفرینش کائنات سے لیکر آج تک اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوششیں کی ہیں مگر اس عقبۂ دشوار گزار کو عبور نہ کر سکے ۔ اسی لیے خدا و رسولؐ نے ہمیں اس کے معلوم کرنے کا حکم نہیں دیا ۔ہم نے بقدر وسعت و استطاعت اپنی علمی کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" کے پندرھویں باب میں نقد و تبصرہ کیا ہے اور ارشاداتِ معصومینؑ کی روشنی میں اس عقدہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مزید تفصیلات کے لیے وہاں رجوع کیا جائے ۔

سوال: (۱۲): خانہ کعبہ بیت المقدس سے قدیم تر رہا ہے جبکہ بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے ۔ پھر یہ قبلہ اول کیوں بنا، جبکہ خانہ کعبہ موجود تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس عالم آب و گل میں سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ یہی خانہ کعبہ ہے جس کے پہلے معمار حضرت آدم صفی اللہ تھے، پھر برابر وہی قبلہ رہا ۔ ہاں البتہ بیت المقدس کی تعمیر کے بعد کسی خاص مصلحت کی بنا پر کچھ مدت کے لیے اسے قبلہ بنا دیا گیا، اور

ہجرتِ نبویہ تک وہی قبلہ رہا، بعد ازاں پہلے قبلہ کو قبلہ بنا دیا گیا ۔ بیت المقدس کو قبلہ اوّل اس لیے کہا گیا ہے کہ اوائل اسلام میں مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ۔ ورنہ حقیقی معنی کے لحاظ سے بھی خانہ کعبہ ہی قبلہ اول ہے اور یہی قبلہ آخر ہے ۔ باقی اس موضوع سے متعلقہ تفصیلات تفسیر فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن جلد ۳ میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" فروری ۲۰۰۸ء)

سوال: (۱۳): واقعۂ معراج میں مسجد اقصیٰ بیت المقدس ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: عام مفسرین نے تو اس سے بیت المقدس ہی مراد لیا ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس تک تو قرآں سے ثابت ہے اور اس کے بعد مقام قاب قوسین تک حدیث سے ثابت ہے مگر اس قول کی کمزوری کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے ۔ لہٰذا بعید نہیں ہے کہ مسجد اقصیٰ کو اس کے لغوی معنیٰ پر باقی رکھتے ہوئے اس سے مقام قاب قوسین مراد لیا جائے ۔ جو سجدہ کی دور ترین اور آخری حد ہے ۔ جہاں آپ سے پہلے نہ کسی نبی مرسل نے سجدہ کیا نہ کسی ملک مقرب نے اور نہ کسی مومن ممتحن نے یہ سعادت کاتبان قضاء و قدر نے صرف اور صرف سید الاولین و الآخرین کے نام نامی واسم گرامی کے ساتھ مختص قرار دی تھی ۔ واللہ العالم ۔

سوال: (۱۴): جب تم کسی عالم کو امور دنیا میں منہمک پاؤ تو امور دین میں اس پر اعتماد نہ کرو (الحدیث)

امور دنیا میں انہماک کا معیار اور کسوٹی کیا ہے؟

ترکِ دنیا اور انہماک فی الدنیا کا خط امتیاز کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: دنیا ہو یا دین کسبِ معاش یا حصول ثواب الغرض اسلام ہر چیز اور ہر ہر بات میں اعتدال کا علمبردار ہے ۔لہٰذا تحصیل معاش اور اپنے بیوی بچوں کے لیے روزی طلب کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ خدا کی عبادت اور عین سعادت ہے ۔حدیث میں وارد ہے: "**الکاسب حبیب اللہ**" یعنی کسبِ معاش کرنے والا حبیب خدا ہوتا ہے ۔ہاں البتہ اس میں اس قدر انہماک کرنا کہ آخرت کو بھلا دیا جائے ۔اور مال و منال کی جمع آوری میں آدمی اس طرح مشغول ہوجائے کہ حلال و حرام جائز و ناجائز کا امتیاز ہی ختم کر دیا جائے ۔اور جب جمع ہوجائے تو مالی حقوق کی ادائیگی میں سہل انگیزی سے کام لیا جائے یہ ممنوع ہے ۔

اسی طرح آخرت کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے سدھارنے اور سنوارنے کی کوشش کرنا عبادت بھی ہے اور سعادت بھی ہے ۔لیکن اس میں اس قدر انہماک کہ دنیا اور کسبِ معاش کو بالکل نظرانداز کر دیا جائے یہ بات بھی ممدوح نہیں بلکہ مذموم ہے ۔اسی لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: "لیس منا من ترک الدنیا للآخرۃ و لیس منا من ترک الآخرۃ للدنیاہ" دو شخص ہم میں سے نہیں ہیں، ایک وہ جو اپنی آخرت کی خاطر اپنی دنیا چھوڑ دے اور دوسرا وہ جو اپنی دنیا کی خاطر اپنی آخرت چھوڑ دے" ۔(کتاب الخصال)

یہی وجہ ہے کہ مومن کو یوں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے: "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار" ۔

امید ہے کہ یہاں انہماک فی الدنیا اور ترک دنیا کا باہمی فرق نمایاں ہوگیا ہوگا ۔ان شاء اللہ ۔

سوال: (۱۵): "جب میری امت میں بدعت ظاہر ہوجائے تو عالم دین کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کریں اور جو ایسا نہیں کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے، ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت کا راستہ جہنم کی طرف ہے" ۔ بدعت کی عام فہم تعریف کیا ہے، جو محمدؐ و آلِ محمدؐ نے بیان فرمائی ہے ۔جو دین حضرت رسولِ خداؐ نے پہنچایا اور جس کی آلِ محمدؐ نے اشاعت فرمائی، آج کافی چیزیں مباح کے نام سے بڑھا دی گئی ہیں ۔کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ حدیث بڑی مستند اور معتبر ہے ۔اور اصول کافی میں موجود ہے ۔جس سے پتا چلتا ہے کہ علمائے کرام کی ذمہ داری کس قدر سخت ہے اور بدعات کے دور میں اگر وہ حق و حقیقت کا اظہار نہیں کریں گے تو پھر ان کو خدا کی لعنت سے کوئی بچا نہیں سکتا ۔

اب رہی یہ بات کہ بدعت کسے کہتے ہیں؟ اس کی تفصیل اور اس کی اقسام اور احکام تفصیل سے "اِصلاح الرسوم" میں مذکور ہیں ۔یہاں اس قدر اِجمالاً واضح کیا جاتا ہے کہ بدعت کی جامع ترین تعریف وہ ہے جو امیر علیہ السلام سے منقول ہے، فرمایا: "ما احدث من بعدہ" جو چیز پیغمبر اسلامؐ کے بعد انکے دین میں پیدا کی جائے ۔ (شرح اصول کافی ملا صالح مازندرانی)

اب اس کی دو قسمیں ہیں:

① "ایجابی" کہ جو کوئی نئی چیز دین میں داخل کی جائے جو اس میں داخل نہ تھی ۔

② "سلبی" جو چیز دین میں داخل تھی اسے خارج کیا جائے ۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں جس نیت سے بھی انجام دی جائیں حرام ہیں ۔اور مداخلت فی الدین کے زمرے میں داخل ہیں ۔ہاں البتہ "مباح" کی اِصطلاح خود ساختہ نہیں ہے، بلکہ شریعت کے احکام خمسہ میں سے پانچویں قسم

CamScanner

ہے، اور وہ یہ ہیں:

① واجب ② حرام ③ سنت (مستحب) ④ مکروہ ⑤ مباح

مقصد یہ ہے کہ جو چیز نہ واجب ہو، نہ حرام، نہ مستحب ہو، نہ مکروہ، وہ مباح کہلاتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ سب عبادات توقیفی ہیں۔ ان کا جواز ان کے حدود و قیود، کیفیت و نوعیت شریعت مقدسہ پر موقوف ہے۔ نہ کسی کو کسی عبادت کے ایجاد کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ ان کی حدود و قیود مقرر کرنے کا۔ واللہ الموفق۔

سوال: (۱۶): اکثر سننے میں آیا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ دین سمجھ کر نہ کرو۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ دین نہیں ہے تو یہ کیا ہے اور کیوں کریں؟ حالانکہ علماء جانتے ہیں کہ عوام ان امور کو دین سمجھ کر بجالاتے ہیں۔ پھر دینی اور غیر دینی امور میں خط امتیاز کھینچنا شاید علماء کی ذمہ داری ہے۔

جواب: باسمہ سبحانہ: آپ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے۔ اگر علماء کرام اپنی ذمہ داری کو ادا کریں تو کوئی شخص مداخلت فی الدین کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر کیا کِیا جائے؟ بقول اقبال: ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

جب علماء تھوڑی سی لچک کا مظاہرہ کرتے ہیں تو عوام کالانعام میلوں تک آگے نکل جاتے ہیں۔

دعا ہے کہ خداوند عالم علمائے کرام کو اپنے فرائض کی انجام دہی کی توفیق عطا فرمائے، وہ عوام کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، بلکہ ان کی صحیح رہنمائی کرتے ہوئے انھیں جادۂ حق پر چلنے کی تلقین فرمائیں۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مارچ ۲۰۰۸ء)

سوال: (۱۷): حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم خدا کے اسمائے حسنیٰ ہیں، ہماری معرفت کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: قرآن مجید میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بڑے خوب صورت نام ہیں۔ "فادعوہ بہا"۔ لہٰذا ان ناموں کے توسل سے خدا کو پکارو، اور ائمہ اہل بیتؑ فرماتے ہیں کہ ہم اسمائے حسنیٰ ہیں، لہٰذا خدا کی بارگاہ میں ہمارے وسیلہ سے دُعا و پکار کرو۔ اور یہی مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے کہ مرکز کائنات خدا کی ذات ہے، اور اس کی پہچان اور اس سے مقصد برآری کا وسیلہ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام ہیں و بس۔ مزید تفصیل ہماری تفسیر فیضان الرحمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: (۱۸): ائمہ اہل بیتؑ کا ارشاد ہے: ہم حجۃ اللہ، باب اللہ، لسان اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ ہیں۔ ہم اس کے بندوں پر اولوالامر ہیں۔ ان القاب کی اصل اور جامع توضیح فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: خوارج نے جنگ نہروان میں اعلان کیا تھا کہ: "یا علی لا حکم لك ان الحکم الا للہ" (اے علیؑ! آپ کا حکم نہیں چلے گا، حکم تو بس خدا کا ہے)

حضرت علیؑ نے جب ان کی بات سنی تو فرمایا: "کلمۃ حق یراد بہا الباطل" یہ کلمہ تو حق ہے مگر خارجیوں کی اس سے مراد باطل ہے۔

یہی مراد ان القاب کی ہے۔ یہ القاب و کلمات تو صحیح ہیں، مگر غالیوں کی اس سے مراد باطل ہے۔ کیونکہ وہ اس سے مراد لیتے ہیں کہ جو شخص ان دیکھے خدا کی زبان، آنکھ، اور چہرہ دیکھنا چاہے وہ حضرت علیؑ کی زبان آنکھ اور چہرہ دیکھ لے۔

CamScanner

جو ہو بہو اللہ کی زبان، آنکھ اور چہرہ کی طرح ہے ۔ اس طرح یہ لوگ مخلوق کی طرح خدا کی زبان اور آنکھ اور چہرہ وغیرہ اعضاء وجوارح قرار دیتے ہیں اور اپنی جہالت وضلالت کی وجہ سے یہ نہیں سوچتے کہ خدا تو جسم وجسمانیات سے پاک ہے اور "لیس کمثلہ شئ" کا مصداق ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہوں یا دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام ان کی زبان آنکھ اور چہرے اللہ کے خاص زبان آنکھ اور چہرے ہیں ۔ عام زبان آنکھ اور چہروں جیسے نہیں ہیں ۔ یہ زبان سے وہی کچھ کہتے ہیں جو رضائے خدا ہوتی ہے اور ان کا چہرہ اللہ کا خاص چہرہ ہے جو خدا کے علاوہ کسی اور کے آگے جھکتا نہیں ہے ۔

الغرض یہ اضافت اس کی خصوصی فضیلت ظاہر کرتی ہے ۔ جیسا کہ بیت اللہ، ناقۃ اللہ، اور روح اللہ ہیں ۔ گو گھر سارے خدا کے ہیں مگر خانہ کعبہ اللہ کا خاص گھر ہے، تمام ناقائیں اللہ کی ہیں، مگر حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ اللہ کی خاص اونٹنی ہے، اور روحیں سب خدا کی ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ کی روح خدا کی خاص روح ہے ۔ (ملاحظہ ہو حضرت شیخ صدوقؒ کی کتاب التوحید اور حضرت علامہ مجلسیؒ کی بحار الانوار وغیرہ)

سوال: (۱۹): اللہ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کیے ، وہ ان کو روئے زمین پر اس طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلوں کو خلیفہ بنایا ۔ آیا اس سے مراد ائمہ طاہرینؑ ہیں؟ ائمہ طاہرینؑ کو خلافت کیوں نہ ملی؟ جب ائمہ کے علاوہ بھی ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے لوگ موجود ہیں تو پھر خلافت کے حق دار ائمہ طاہرینؑ کیوں ہیں، اور کیا حضرت امیرؑ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اگرچہ عام طور پر اس آیت سے مراد خلافت نبویہ مراد

لی جاتی ہے اور ہمارے بعض بڑے بڑے مناظرین نے اس پر زور بیان صرف کیا ہے، مگر وارثانِ قرآن کی بیان کردہ تفسیر وتعبیر سے جو کچھ واضح و عیاں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں خلافت سے کفار کی خلافت مراد ہے ۔ خداوند عالم نے مظلوم و مجبور مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ آج جو لوگ تاج و تخت کے مالک ہیں، اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے بے وطن کر رہے ہیں اور ان کے مال واسباب پر قبضہ کر رہے ہیں، خدائے قہار وجبار بہت جلد ان کے مال وجائیداد اور تخت وتاج کا وارث انہی بے نوا اور بے سروسامان ایمان اور عمل صالح کرنے والے لوگوں کو قرار دے گا ۔

خدا نے یہ اپنا وعدہ پیغمبر اسلام ﷺ کے حین حیات میں فتح مکہ کے بعد پورا کر دیا تھا، اور مسلمانوں کو کفار کے مال وجائیداد کا وارث قرار دے دیا تھا ۔ اور ان کو فارغ البال اور خوشحال بنا دیا تھا ۔ اس آیت کی باقی تفصیلات ہماری کتاب تجلیاتِ صداقت اور تفسیر فیضان الرحمن میں دیکھی جائیں ۔

سوال: (۲۰): جو شخص ماہِ رمضان میں ہر رات کو سورۃ دخان سو مرتبہ پڑھے تو جب ۲۳ کی شب آئے تو شب قدر کا اظہار ہوگا، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: عوامی نظریے کی قرآن وسنت سے تائید مزید نہیں ہوتی، بظاہر اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسے لیلۃ القدر کا شرف حاصل ہوگا، جو کہ "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" ہے ۔ اظہار سے بظاہر مراد یہ ہوگی کہ اسے اطمینانِ قلب حاصل ہوگا کہ اسے یہ شرف حاصل ہوگیا ہے ۔

سوال: (۲۱): سورۂ شوریٰ میں ہے کہ ہم نے تمہاری طرف روح کی وحی کی جو ہمارے امر سے ہے تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور ایمان کیا ہے ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہم نے اصول الشریعہ اور تفسیر فیضان الرحمن میں سب کی مکمل تفسیر بیان کی ہے کہ یہاں روح سے مراد روح القدس ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان و ایقان ہو یا علم و عرفان سب عطیۂ پروردگار ہے۔ ان کا ذاتی کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلقت کے بعد (روحانی ہو یا جسمانی) ایک لمحہ ایسا بھی تھا کہ آپ یہ چیزیں نہیں جانتے تھے اور خداوند عالم نے اپنے خصوصی لطف و کرم سے تعلیم دیں۔ یہی مقصد ہے "وعلمك ما لم تكن تعلم" کا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں وہ کچھ تعلیم دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔ یہ اس لیے ہے کہ ان کے ذاتی علم کی نفی ہو، اور وہبی اور لدنّی علم کا اثبات ہو جائے۔ واللہ الہادی۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اپریل ۲۰۰۸ء)

سوال: (۲۲): حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب کوئی امام رحلت فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بتا دیتا ہے کہ اس کا وصی کون ہوگا۔ (اصول کافی) جب پہلے پیغمبر اسلامؐ کی بارہ اماموں والی حدیث موجود ہے جس میں بارہ اماموں کے نام مذکور ہیں تو وفات کے وقت امامؑ کو نام بتانے کا کیا مقصد ہے؟ کیا امام پہلے واقف نہیں ہوتا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، جس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے پہلے دن حضرت امیر علیہ السلام کے تصدیق رسالت کرنے کے بعد ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا کہ "هذا اخی و وصی"......الخ۔ مگر غدیر کے موقع پر رسم ولی عہدی ادا کی تھی، اسی طرح خدا نے پیغمبر اسلامؐ کو ان کے بارہ جانشینوں کے نام بتا دیے اور آپؐ نے تمام امت کو بتا دیے جن میں خود ائمہ بھی شامل ہیں۔ مگر موجودہ امامؑ کی

رحلت کے وقت خصوصی طور پر منجانب اللہ اس کو بتا دیا جاتا ہے کہ اس کا وصی اور جانشین فلاں امامؑ ہوگا۔ تاکہ تاکید مزید ہو جائے۔ اور علم کی تجدید ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اس سلسلہ میں کسی قسم کا بداً واقع نہیں ہوا۔ واللہ العالم۔

سوال: (۲۳): حضرت رسولِ خداؐ نے سلسلۂ امامت بتا دیا تھا تو شیعیان اور خود امام کیوں اس سے ناواقف تھے، جیسا کہ جناب اسماعیل کا معاملہ پیش آیا، اس طرح پیغمبر اسلامؐ کی خبر صادق ثابت نہ ہوئی۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ابھی اوپر سوال کے جواب میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ بارہ اماموں کے نام خدا نے اپنے حبیب مصطفیٰؐ کو بتا دیے اور آپ نے امت کو بتا دیے۔ لہٰذا نہ کسی شیعہ کو کوئی شک تھا اور نہ کسی اور کو۔ بھلا کسی کو مخبر صادق امام جعفر صادقؑ کی خبر میں کس طرح شک ہو سکتا تھا؟ جناب اسماعیل بن جعفر صادق کا معاملہ اور ہے۔ چونکہ کئی احادیث میں مذکور ہے کہ موجودہ امام کے بعد اس کا بڑا بیٹا امام ہوتا ہے جب تک اس میں کوئی نقص نہ ہو۔ بنا بریں چونکہ اسماعیل حضرت امام جعفر صادقؑ کے بڑے بیٹے تھے، اور بظاہر ان میں کوئی نقص بھی نہ تھا۔ لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق تو حضرت اسماعیل کو امام ہونا چاہیے تھا۔ مگر بارہ اماموں والی حدیث میں ساتویں امام موسیٰ کاظم مذکور تھے، اس لیے کچھ کمزور ایمان والے شک میں پڑ گئے تھے کہ ساتواں امام کون ہوگا؟ مگر خدائے علیم و قدیر نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے حین حیات میں جناب اسماعیل کو موت دے کر واضح کر دیا تھا کہ ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ ہوں گے نہ کہ جناب اسماعیل۔

ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

سوال: (۲۴): حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب محمد

CamScanner

بن حنفیہ نے امام زین العابدینؑ کی امامت کا انکار کیا اور خود امامت کا دعویٰ کیا اور امام زین العابدینؑ کے کہنے پر بھی نہ مانا۔ بالآخر امام نے حجر اسود کی گواہی طلب کی تب مانا۔ جب بارہ اماموں والی حدیث موجود تھی تو جناب ابن حنفیہ نے کیوں انکار کیا؟ اور کیوں جھگڑا کیا؟، اور کیوں نوبت حجر اسود کی گواہی تک پہنچی؟ جبکہ محمد بن حنفیہ معمّر اور بزرگ آدمی تھے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ درست ہے کہ جناب محمد بن حنفیہ معمّر تھے۔ بزرگ تھے اور امام زین العابدینؑ کے عم محترم تھے۔ مگر بایں ہمہ معصوم نہ تھے اور غیر معصوم سے خطا ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ بزرگ ہو یا خُرد، اور ع "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مگر اس حقیقت کے باوجود ہمارے بعض علمائے اعلام نے اس اختلاف کی ایک بہت اچھی تاویل کی ہے کہ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی امامت کی گواہی حجر اسود کے دینے سے اس قدر پختہ اور واضح و آشکار ہو جائے کہ کسی کو یارائے انکار نہ ہو سکے۔ اور ایسے ہی ہوا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس ظاہری اختلاف کا مقصد نیک تھا اور دوسرے مخالفین ائمّہ کو خاموش کرانا اور امام چہارم کی امامت کا اثبات تھا و بس۔

سوال: (۲۵): حدیث میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ میں بخش دوں گا ہر اس مسلمان کو جو امام عادل کے تحت عبادت کرے گا۔ جو امام من جانب اللہ ہوگا، اگرچہ اس کے عمل خراب ہی ہوں۔ (اصول کافی) وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس قسم کی حدیثوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ امام برحق کے ماننے والوں کو جہنم سے برائت کا پروانہ جاری کر دیا جائے کہ وہ جیسا بھی اچھا یا بُرا عمل کریں گے انھیں ضرور بخش دیا جائے گا۔ جبکہ اس قسم کی حدیثیں بھی موجود ہیں کہ بعض محبت اہلِ بیتؑ کے دعوے داروں کو تین تین

لاکھ سال تک جہنم میں جلنے کے بعد شفاعت نصیب ہوگی۔ (اعتقادیہ شیخ صدوق) اور بعض لوگ جہنم میں جل جل کر کوئلہ کی مانند ہو چکے ہوں گے کہ تب ان کو شفاعت اور بخشش نصیب ہوگی۔ (الامالی) اس قسم کی حدیثوں کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جس شخص کا اعتقاد صحیح ہوگا، یعنی توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت کا صحیح عقیدہ رکھتا ہوگا اور اس میں کچھ عملی کمزوریاں ہوں گی وہ مخلد فی النار نہیں ہوگا، بلکہ اپنے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا بھگت کر بالآخر جنت میں پہنچ جائے گا۔ بخلاف اس شخص کے جس کا عقیدہ باطل ہوگا، وہ مخلد فی النار ہوگا۔ یعنی جو کافر، مشرک یا منافق ہوگا، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

سوال: (۲۶): مروی ہے کہ راوی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے امام زین العابدینؑ کے تقیہ کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا کہ اگر ابوذر جان جائے کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو اسے قتل کر دے۔ حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس روایت کی مکمل وضاحت تو میں نے اصول الشریعہ کے مقدمہ میں کر دی ہے مگر یہاں صرف اس قدر وضاحت کر دینا کافی ہے کہ ایمان کے دس درجے ہیں۔ اور ہر نیچے درجے والا اپنے سے اوپر درجے والے کو برداشت نہیں کر سکتا۔

چنانچہ جناب ابوذرؓ نویں درجے پر ہیں اور حضرت سلمانؓ دسویں درجے پر ہیں۔ لہٰذا حضرت ابوذرؓ حضرت سلمانؓ کے درجے کو برداشت نہیں کر سکتے، بلاتشبیہ جس طرح قرآنی واقعہ ہے کہ جناب خضرؑ نے تین کام کیے اور جناب موسیٰؑ نے ہر کام پر اعتراض کیا، حالانکہ حضرت خضرؑ کے کام و اقدام درست تھے اور جناب موسیٰؑ کے ایراد بھی غلط نہ تھے۔

CS CamScanner

لہٰذا ہر شخص کے ساتھ خدا جو سلوک کرتا ہے وہ اس کے ایمان و ایقان کے مطابق کرتا ہے اور ہر شخص وہ جو کام و اقدام کرتا ہے وہ اپنی ایمانی مقدار کے مطابق کرتا ہے۔

سوال: (۲۷): سلمان رُوئے زمین پر باب اللہ ہیں، جن لوگوں نے پہچان لیا وہ مومن ہیں اور جنھوں نے انکار کیا وہ کافر ہیں۔ سلمان ہم اہلِ بیتؑ سے ہیں۔ سلمان نے فرمایا: مجھے علم کثیر دیا گیا ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہ سب بتادوں تو کوئی مجھے مجنون کہے گا اور کوئی میرے قاتل کے لیے مغفرت طلب کرے گا۔ (اصول کافی) وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سابقہ سوال کے جواب سے واضح و عیاں ہے۔ مطلب بالکل واضح ہے کہ ہر شخص کی عقل و فراست الگ الگ ہے۔ اس کا علم و معرفت الگ الگ ہے۔ لہٰذا اس کی شرعی تکلیف اور ذمہ داری بھی الگ الگ ہے۔ حضرت آدمؑ اور ملائکہؑ کے قصہ سے واضح ہے کہ فرشتوں کی نسبت حضرت آدمؑ کی علمی استعداد و صلاحیت زیادہ ہے اور پھر ہر آدمی کی قوت عقل و علم کا الگ الگ حکم ہے۔ "کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم" ہر شخص کا علم و عقل الگ الگ ہے۔ پھر اہلِ علم و عقل کو حکم ہے کہ لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق ان سے بات کریں۔ نتیجہ یہ کہ انبیاء و ائمہؑ کے بعد حضرت سلمان فارسی کا مقام سب لوگوں سے بلند ہے۔ واللہ العالم۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مئی ۲۰۰۸ء)

سوال: (۲۸): امام کھڑا ہو کر کہے گا: اے میرے پروردگار! میرا خمس یعنی اپنا حق طلب کرے گا، اور ہم نے اپنے شیعوں کے لیے مباح قرار دیا ہے، تاکہ ان کی ولادت پاک و صاف رہے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس مسئلہ کا تعلق خمس کے معرکۃ الآراء اختلافی مسئلہ کے ساتھ ہے۔ اتنا تو مسلّم ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں فی الجملہ خمس ادا کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اس کی کیفیت اور نوعیت میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا صرف مالِ غنیمت میں واجب ہے یا بعض دوسری چیزوں میں بھی واجب ہے۔ پھر یہ کہ مالِ غنیمت سے کیا مراد ہے؟ بہرنوع خمس کے چھ حصے ہوتے ہیں:

① خدا کا حصہ ② رسولؐ کا حصہ

③ ذوی القربیٰ کا حصہ یعنی امامؑ کا حق، ان تین کو "سہم امام" کہا جاتا ہے۔

④ آلِ رسولؐ کے مسکینوں کا حصہ ⑤ یتیموں اور ⑥ مسافروں کا۔

ان تین حصوں کو "سہم سادات" کہا جاتا ہے۔

مختلف ائمہ اہلِ بیتؑ سے مختلف قسم کی حدیثیں منقول ہیں۔ بعض میں اہلِ ایمان کے لیے خمس کے معاف کیے جانے کا تذکرہ ہے اور بعض میں ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ جن کو علمائے کرام نے حالات و ظروف پر محمول کیا ہے۔ بہرحال ہر امامؑ کو اپنا حق معاف کرنے یا اس کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

پس جس امامؑ نے جس دور کے شیعوں کو اپنا حق معاف کر دیا، ان کے لیے معاف ہے، اور جس امامؑ نے اپنے دور کے شیعوں سے اپنے حق کا مطالبہ کیا ہے، ان پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔ اور ہمارا چونکہ امام زمانہؑ کے دَور سے تعلق ہے۔

لہٰذا ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ انھوں نے کیا حکم دیا ہے، تو احتجاج طبرسی، بحارالانوار وغیرہ کتابوں میں امام زمانہؑ کی متعدد توقیعات موجود ہیں، جن کا موضوع یہ ہے: "امّا الخمس فقد ابیح لشیعتنا" ہم نے اپنے شیعوں کے

CS CamScanner

لیے خمس معاف کر دیا ہے ۔

ہم نے اپنی فقہی کتاب "قوانین الشریعۃ" میں ثابت کیا ہے کہ خمس کے دو حصے ہیں: ① سہم امامؑ ② سہم سادات ۔ لہٰذا امامؑ کو اپنا حصہ وصول کرنے یا معاف کرنے کا حق حاصل ہے ۔ اور چونکہ انھوں نے اپنا حق معاف کر دیا ہے لہٰذا وہ معاف ہے ۔ اور جہاں تک سہم سادات کا تعلق ہے تو جب ان میں آج مسکین، یتیم اور مسافر موجود ہیں تو ان کا حصہ واجب الادا ہوگا ۔ اور جو ان کا حق غصب کرے گا وہ غاصب سمجھا جائے گا ۔ اور اپنے پیٹ میں آگ بھرے گا ۔ ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ ۔

سوال: (۲۹): امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں قریشی اور اولادِ رسولؐ ہوں اور کتاب خدا کا علم رکھتا ہوں، جس میں ہر شے کا بیان ہے ۔ ابتدائے خلائق سے لے کر اور آسمان وزمین اور امر اولین وآخرین کا جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے وہ میری نظر کے سامنے ہے، پھر بھی تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے ۔ (اصول کافی جلد ۴ صفحہ ۱۴۹ ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس حدیث کا تعلق علم امامؑ سے ہے اور اس کی مقدار اور خاص طور پر علم ما کان و ما یکون سے ہے اور یہ مسئلہ خاصا پیچیدہ اور معرکۃ الآراء ہے اور ہم نے بقدر ضرورت بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی کتاب "اصول الشریعۃ" میں اس پر تبصرہ کر دیا ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس علم کا جاننا اور حاصل ہونا نبیؐ کی طرح اس کے جانشین اور امامؑ کیلئے بھی جاننا ضروری ہے جو اس کے ناشر اور محافظ ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام شریعت کا علم رکھنے کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا ۔

باقی رہا علم ما کان و ما یکون علم آسمان یا علم زمین یا دوسرے مختلف علوم،

ان کا جاننا نہ نبیؐ کے لیے واجب ہے اور نہ امامؑ کے لیے ۔ کیونکہ ان علوم کا ان کے منصب سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ ہاں البتہ یہ علم اللہ کا فضل ہے، وہ جس قدر چاہے عطا فرمائے ۔ "لامانع لعطائہ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء" ۔ اور جو کچھ مختلف اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ باعلام اللہ گزشتہ مشہور واقعات کا علم رکھتے ہیں، اور آئندہ بھی وہ حتمی واقعات جن میں بداء واقع نہیں ہوتا کا علم رکھتے ہیں ۔

یعنی خدا سے اُن کا ہر وقت رابطہ قائم رہتا ہے ۔ لہٰذا وہ زمین وآسمان کی جس چیز کو جاننا چاہیں خدا ان کو جنوا دیتا ہے اور آگاہ فرما دیتا ہے ۔ "والحجۃ من لا یقول لا ادری" حجت خدا اسے کہا جاتا ہے جو کسی سائل کے کسی سوال کے جواب میں یہ نہیں کہتا کہ میں نہیں جانتا ۔ "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء" ۔

سوال: (۳۰): امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: جب کسی کی ریاضت اس کی صفائی قلب سے زیادہ ہو تو یہ ہمارے نزدیک نفاق ہے ۔ (شافی جلد ۴ صفحہ ۳۶۹) وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ مختصر حدیث ان مفصل احادیث کا حصہ ہے جن میں وارد ہے کہ آدمیوں کی چند قسمیں ہیں:

① ایک وہ جس کا ظاہر بھی صاف اور باطن بھی صاف ہے یہ مؤمن ہے ۔

② دوسری قسم وہ ہے جس کا ظاہر بھی صاف ہے اور باطن بھی صاف ہے مگر اس کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ شفاف ہے، یہ ولی ہے ۔

③ تیسری قسم وہ ہے جس کا ظاہر بھی نجس ہے اور باطن بھی نجس ہے، یہ کافر ہے ۔

④ چوتھی قسم وہ ہے جس کا ظاہر اچھا ہے اور باطن گندا ہے ۔ یہ منافق ہے ۔ اور اس حدیث میں ایک قسم کا تذکرہ کر کے اسے بھی نفاق قرار دیا گیا ہے کہ ظاہری

CS CamScanner

صفائی پر زیادہ توجہ دی جائے اور قلب کی صفائی ستھرائی کا خیال نہ رکھا جائے ۔ یہ بھی نفاق ہے ۔(جامع السعادات وغیرہ کتب اخلاق) خلاصۂ کلام یہ ہے:

ع سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جون ۲۰۰۸ء)

سوال: (۳۱): فلسفہ وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود کی وضاحت فرمائیں اور ان کے متعلق شرعی نقطہ نظر کی وضاحت فرمائیں ۔ نیز تصوّف پر بھی روشنی ڈالیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اسلام کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ خالق کائنات کا وجود الگ ہے جو کہ واجب الوجود ہے اور مخلوق کا وجود الگ ہے (جو کہ ممکن الوجود ہے) مگر صوفیا قائل ہیں کہ خالق و مخلوق کا وجود ایک ہے جو کہ شرک ہے لیکن یہ فرقہ کم از کم یہ تو تسلیم کرتا ہے کہ جو موجود نظر آتے ہیں وہ خدا سے الگ ہیں مگر وحدۃ الشہود والے ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب خدا ہے اور یہ کھلم کھلا کفر ہے ۔ چنانچہ غالب نے اسی گروہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا:

ے اصل شہید و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں؟

اور جہاں تک اصل تصوف کا تعلق ہے تو وہ بقول ڈاکٹر اقبال اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے ۔ (اقبال نامہ) یہ فلسفہ یونان کے مذعومات، یہودیوں کے نظریات، عیسائیوں کے عندیات، ہندوؤں کے خرافات اور جوگیوں کے ریاضیات کا ایک ایسا ملغوبہ ہے کہ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" ۔

اور اس کے بنیادی اصول دو ہیں:

① انسان کا خدا سے براہِ راست مکالمہ

② نفس انسانی کا حقیقت مطلقہ (خدا) کے ساتھ مل جانا ہے ۔ جسے صوفیہ وصال یا فنا فی اللہ کہتے ہیں ۔

ے من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ بنی امیہ کے دور کی بدعت ہے جو اہلِ بیتِ نبوتؑ کے روحانی اقتدار پر شب خون مارنے کی خاطر ایجاد کی گئی تھی ۔ جبکہ دنیوی اقتدار پر پہلے ہی قبضہ کیا جا چکا تھا ۔

ع کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

اس لیے ائمہ اہلِ بیتؑ نے فرمایا ہے: "الصوفیۃ کلھم من اعدائنا و طریقتھم مبائنۃ طریقنا" کہ تمام صوفی ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے خلاف ہے ۔ (حدیقۃ الشیعہ از علامہ اردبیلی)

سوال: (۳۲): کشف و الہام اور وحی میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جہاں تک وحی کا تعلق ہے تو اس کے لغوی معنی تو مخفی اشارہ کے ہیں، اور اسی معنی کے اعتبار سے قرآن مجید میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے: "اوحینا الی ام موسیٰ" کہ ہم نے مادرِ موسیٰ کو وحی کی ۔ یا "اوحینا الی النحل" ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی ۔ دوسرے اس کے اصطلاحی معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے خاص الخاص بندوں (یعنی نبیوں رسولوں) سے خطاب کر کے ان کو احکام شریعت کی وحی کرتا ہے ۔ اور یہ قسم صرف نبیوں اور رسولوں سے مختص ہے اور کشف و الہام غیر انبیاء کو بھی ہوسکتا ہے ۔

یعنی جب کوئی بندہ مومن کسی کام کے سلسلے میں متردد ہوتا ہے اور خدا سے

راہنمائی کا سوال کرتا ہے تو خدا اس کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کے دل و دماغ میں حق بات ڈال دیتا ہے ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "و نفس و ما سواھا فالھمھا فجورھا و تقواھا" ۔ قسم ہے نفس کی اور اس کے برابر کرنے والے کی جس نے اس کو نیکی اور بدی کا الہام کیا ہے ۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نفس ملہمہ رکھنے والوں کو من جانب اللہ الہام والقاء ہوتا ہے ۔

سوال: (۳۳): حضورؐ کے وقت میں نوشیرواں عادل کا پوتا خسرو پرویز بادشاہ تھا، اسکے بعد اس کے بیٹے شیرویہ نے آٹھ ماہ حکومت کی، اسکے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت پر بیٹھا، عمر سات برس تھی، ڈیڑھ سال بعد قتل ہوا، بعد ازاں جواں شیر تخت پر بیٹھا، ایک سال بعد مر گیا ۔ اب یزدجرد جو کہ ہنوز بچہ تھا تخت پر بیٹھا، جس سال حضرت عمر نے خلافت سنبھالی ۱۳ سنہ ھ اسی سال یزدجرد بالغ ہوا ۔ عمر سولہ یا اٹھارہ سال تھی ۔ نہاوند اور ایران ۲۱ ھ میں فتح ہوا ۔ اسکی تین جواں سال بیٹیاں نہیں ہوسکتیں ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس ساری تقریر دلپذیر کو من وعن تسلیم کرلیا جائے تو بھی چودہ پندرہ سال کا لڑکا بالغ متصور ہوگا ۔ لہٰذا ۲۱ سنہ ھ تک اس کی دو تین بیٹیاں دس گیارہ سال کی بالغہ عاقلہ کیوں نہیں ہوسکتیں؟ بالخصوص جب دوسری روایت کو مدنظر رکھا جائے تو یزدجرد کی یہ بیٹیاں حضرت امیر علیہ السلام کے ظاہری دورِ خلافت میں مدینہ لائی گئیں ۔

سوال: (۳۴): معراج نبویؐ کے زمانہ میں مسجد اقصیٰ کا وجود تھا جو کہ بیت المقدس میں بتائی جاتی ہے، جبکہ یہ علاقہ حضرت عمر کے دور میں فتح ہوا، اور حضرت عمر کے وہاں نماز پڑھنے سے مسجد وجود میں آئی ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ بات بالکل خلافِ حقیقت ہے کہ حضرت عمر کے

وہاں نماز پڑھنے سے مسجد اقصیٰ وجود میں آئی، بلکہ بیت المقدس ہی مسجد اقصیٰ ہے جو کہ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کے عہد میں تعمیر ہوئی اور مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے ۔ بنا بریں عام مفسرین نے تو مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس مراد لیا ہے، لہٰذا بنا بریں قرآن کی رو سے معراج کا آغاز مسجد الحرام سے ہوا، اور اختتام مسجد اقصیٰ پر اور سفر آسمان حدیثوں سے ثابت ہے اور بعض مفسرین نے مسجد اقصیٰ سے مقام قاب قوسین اوادنیٰ مراد لیا ہے ۔

بنا بریں مسجد اقصیٰ کے معنی ہوں گے انتہائی دور جائے سجدہ اور وہ یہی مقام ہے ۔ بنا بریں سفر معراج کا آغاز مسجد الحرام سے ہوگا اور اختتام بمقام قاب قوسین اوادنیٰ پر ہوا ۔ اس طرح پورا واقعہ معراج قرآن سے ثابت ہوگا اور احادیث سے اس کی تائید مزید ہوگی ۔

سوال: (۳۵): حیات بعد الموت اور حیاتِ جاودانی میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو شخص ظاہری موت کا مزہ چکھنے کے بعد جہنم سے بچ جائے اور جنت کی جاگیر میں داخل ہوجائے وہی شخص حیاتِ جاوداں کا حامل ہے، جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، فرمایا:

لیس من مات فاستراح بمیتٍ انما المیت میت الاحیاء

یعنی جو شخص بظاہر مرجائے مگر عذابِ الٰہی سے بچ جائے وہ مردہ نہیں ہے (بلکہ زندہ ہے) ہاں البتہ مردہ وہ ہے جو زندوں میں رہ کر مردہ ہے ۔ (کیونکہ وہ مقصدِ زیست سے نا آشنا ہے)

سوال: (۳۶): کیا حیات جاوداں خدا کی ابدیت جیسی ہوگی، دوام حیات کب تک ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے "لیس کمثلہ شیٔ" کا

CS CamScanner

مصداق ہے، ذات ہو یا صفات، کوئی بھی مخلوق اپنے خالق جیسی نہ ہے اور نہ ہی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس کی حیات جاوداں ازلی بھی ہے اور ابدی بھی اور واجب الوجود بھی۔ مخلوق کی حیات ابدی تو ہوسکتی ہے مگر ازلی نہیں ہوسکتی اور ابدی بھی تو عطائی ہے، ذاتی نہیں ہے۔ ممکن ہے واجب نہیں ہے، وہ سلب ہوسکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ محسن حقیقی حسب الوعدہ کبھی سلب نہ کرے۔

سوال: (۳۷): موت یا ذائقۂ موت نفس کو ہوگا، یا کسی اور چیز کو؟ وضاحت فرمائیں۔ نیز حیات جاودانی نفس کو ہوگی یا کسی اور چیز کو؟

جواب: باسمہ سبحانہ: موت نفس کو ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "کل نفس ذائقة الموت" ہر نفس موت کا مزہ چکھے گا۔ اور اس سے مراد جسم و روح کی جدائی ہے۔ بقول شاعر:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

اور حیات جاوداں جو ملے گی تو وہ بھی روح کو ہی ملے گی مگر جسم کے ساتھ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جولائی ۲۰۰۸ء)

سوال: (۳۸):

جواب: باسمہ سبحانہ:

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جولائی ۲۰۰۸ء)

سوال: (۳۹): فطرت کسے کہتے ہیں؟ اسلام دین فطرت ہے، پھر تبلیغ و ضرورت انبیاءؑ و رسلؑ کیوں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: "فطرت" جسے انگریزی میں "نیچر" اور فارسی میں "سرشت" کہتے ہیں۔ طبعی رجحان ومیلان کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی فطرت

وطبیعت کا طبعی رجحان ومیلان تو خدا کے اقرار اور اس کی بندگی کے اظہار کی طرف ہے۔

مگر جیسا کہ آئندہ سوال سے واضح ہوگا کہ بعض اوقات داخلی و خارجی عوامل واسباب کی وجہ سے یہ فطری جذبہ مغلوب ہوجاتا ہے اور دب جاتا ہے۔ اور آدمی خدا کا بھی انکار کر دیتا ہے اور اس کی عبادت سے بھی پہلو تہی کرتا ہے۔ اس لیے انبیاء ورسل آتے ہیں اور اس کی فطرت کو جھنجوڑ کر اس سے پوچھتے ہیں:

"افی اللہ شك فاطر السماوات والارض"

کیا اس خدا کے وجود میں بھی کسی قسم کا شک وشبہ ہوسکتا ہے جو زمین وآسمان کا خالق ہے؟

اور اگر بندگی سے پہلو تہی کرے تو اسے خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں اور آواز دیتے ہیں:

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

سوال: (۴۰): ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے، ماں باپ، اسے یہودی ونصرانی بنا دیتے ہیں۔ کیا فطرت تبدیل ہوسکتی ہے یا بدلتی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سوال ۳۹ کے جواب سے واضح ہے اور خود اسی حدیث سے لائح ہے۔ کیونکہ فطرت صرف کسی چیز کا تقاضا کرتی ہے، اس کے عدم یا وجود کی علت تامہ نہیں ہوسکتی۔

جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے کہ ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ ماحول اور معاشرہ اس پر غالب آجاتا ہے۔ اور اسے یہودی ونصرانی یا مجوسی بنا دیتا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی کہتے ہیں:

CamScanner

ے صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند
پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف پئے نیکاں گرفت و آدم شد

سوال: (۴۱): انسان کا ناشکرا ہونا، گناہ کرنا، کمزور ہونا، جلد باز ہونا، نیک و بد اور جھگڑالو ہونا، ظالم یا عادل ہونا، فطرت کا تقاضا ہے یا کچھ اور کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: فطرت کا جو تقاضا ہوتا ہے وہ دو متضاد چیزوں کا تقاضا نہیں کرتی ۔ یعنی اس کا تقاضا نیکی ہے تو پھر بدی کا تقاضا نہیں کرسکتی اور اگر بدی کا تقاضا ہے تو پھر نیکی کا تقاضا نہیں کرسکتی ۔ اگر عدل اس کا تقاضا ہو تو ظلم اس کا مقتضی نہیں ہوسکتا ۔

میرا رجحانِ طبع اس طرف ہے کہ نفس امارہ کی خواہش، شیطان کی فرمائش اور بیرونی عوامل کی چاہت کے پیشِ نظر اگر لوگ تقاضائے فطرت کے خلاف کام واقدام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جابجا ہم پڑھتے ہیں کہ "کان الانسان کفورا" کہ انسان بڑا ناشکرا ہے ۔ "کان الانسان جھولا" کہ انسان بڑا جاہل ہے ۔ "کان الانسان اکثر شئ جدلا" کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

وہ اسی طرف اشارہ ہے کہ مقام عمل میں اکثر لوگ باغوائے ابلیس فطرتِ انسانی کے خلاف کام کرتے ہیں اور انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا بن جاتے ہیں اور اسے بدنام کرتے ہیں ۔

ع بد نام کنندہ نکو نامے چند

سوال: (۴۲): انسان کی فطرت کیا ہے؟ نیز انسانی اور حیوانی فطرت میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سوال نمبر ۳۹ کے جواب کے پہلے حصے میں عیاں ہے اور آخری حصے کا جواب یہ ہے کہ جو انسان و حیوان میں فرق ہے یا جو صاحبِ عقل اور بے عقل میں فرق ہے وہی انسانی اور حیوانی فطرت میں فرق ہے ۔

سوال: (۴۳): "ضمیر" کی تعریف کیا ہے؟ یہ ماحول سے پروان چڑھتی ہے یا کسی اور نہج پر پہلے سے موجود ہوتی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جس چیز کو ہماری قومی زبان (اردو) میں ضمیر کہا جاتا ہے اسے عربی زبان میں "وجدان" کہا جاتا ہے ۔ جو خیر وشر، حسن وقبح اور غلط وصحیح میں تمیز کراتا ہے ۔ چنانچہ ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ گانا سننا اور بجانا جائز ہے؟ امامؑ نے فرمایا: میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اگر خداوندعالم حق و باطل کو الگ الگ کر دے تو کیا یہ گانا بجانا حق کی طرف ہوگا یا باطل کی طرف؟

اس نے عرض کیا کہ میرا ضمیر کہتا ہے کہ وہ باطل کی طرف ہوگا ۔ فرمایا: جب تیرے ضمیر کا یہ فیصلہ ہے تو پھر مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ (بحارالانوار) سچ ہے:

وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ⑦ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰىهَا ⑧
(سورۃ الشمس)

سوال: (۴۴): وحی کی کیفیات کیا ہیں؟ وحی، کلام، اشارہ اور ادراک کیا ہوتا ہے؟

CS CamScanner

جواب: باسمہ سبحانہ: "وحی" کی کیفیت کیا ہے؟ وحی کے وقت صاحب وحی کی کیا کیفیت ہوتی ہے ۔ ان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسے تو وہی ذات بیان کرسکتی ہے جس پر وحی ہوتی ہے ۔ اور وہ نبی و رسول کی ذاتِ گرامی صفات ہے، میں بقول شاعر:

ع حلوائے نانتانی تا نہ خوری نہ دانی

یعنی نانتان کا حلوہ کھانے سے تعلق رکھتا ہے، بتانے سے نہیں ۔ اخبار و آثار سے تو صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو آپ پر ایک گونہ غنودگی چھا جاتی تھی اور جاڑے کے موسم میں بھی پیشانی اقدس پر پسینہ آ جاتا تھا، اور وحی کے لغوی معنی کلام اور خفیہ اشارہ کے ہیں ۔ البتہ ادراک اور چیز ہے ۔ جس کا وحی سے کوئی تعلق نہیں ۔ جس کے معنی عقل یا اعضاء و جوارح سے کسی چیز کو پانے کے ہیں ۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا (سورۃ حم شوریٰ:۵۱)

سوال: (۴۵): "الہام" "ادراک" "خیال" کیا ہوتا ہے؟ "الہام" کس کو ہوتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو کچھ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرامین سے واضح و آشکار ہے وہ یہ ہے کہ وحی نبوت تو نبی و رسول کے ساتھ مختص ہے ۔ مگر الہام، القاء، اولیا اور اوصیا کو بھی ہوسکتا ہے ۔ یعنی جب وہ کسی مشکل معاملہ میں خدا سے رجوع کرتے ہیں تو خدا ان ذواتِ مقدسہ کو حقیقت حال کا الہام والقا کر دیتا ہے ۔ چنانچہ اصول کافی میں اس موضوع سے متعلق کئی احادیث موجود ہیں: "ان الامام اذا اراد ان یعلم شیئا اعلمه الله" کہ جب امام کسی بات کے معلوم کرنے کا ارادہ کرلیں تو خداوند عالم انھیں جنوا دیتا ہے اور

اس کا ان کو الہام والقاء کر دیتا ہے ۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ)

سوال: (۴۶): الہام اپنی ذات و ادراک کا کرشمہ ہے؟ سوچ و فکر کا عملی نتیجہ ہے یا اللہ کا بندے سے اور بندے کا اللہ سے رابطہ نزول وانکشاف کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: علم نفسیات کے ماہرین تو یہی کہتے ہیں جو کچھ سوال میں بیان کیا گیا ہے ۔ مگر حکماء اسلام یعنی سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے کلام حق ترجمان سے جو کچھ واضح و عیاں ہوتا ہے وہ بھی سوال نمبر ۴۵ کے جواب میں بیان کر دیا گیا ہے ۔ واللہ العالم بحقائق الامور۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اگست ۲۰۰۸ء)

سوال: (۴۷): امر، مشیت، ارادہ، اذن، مقدر اور تقدیر کی تعریف فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: "امر" کے معنی "حکم" کے ہیں، جبکہ "مشیت" کے معنی "چاہنے" کے ہیں ۔ "ارادہ" کا مفہوم "کسی کام کے کرنے کا عزم بالجزم" اور "تقدیر" کے معنی "اندازہ مقرر کرنا" ۔ اور مقدّر اسی تقدیر کا اسم مفعول ہے ۔ یعنی "تقدیر شدہ" ۔ اور "اذن" کے معنی "اجازت" کے ہیں اور حکم کے بھی ۔

بہرحال جہاں جہاں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہاں وہاں موقع و محل کی مناسبت اور نزاکت کے پیشِ نظر ان کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے ۔ بہرنوع ان الفاظ میں سے جو لفظ یا جو چیز زیادہ اہم ہے وہ تقدیر کی لفظ ہے کہ خدا کی تقدیر کیا ہے؟ ۔ یعنی خدا کا فیصلہ کیا ہے؟ ۔

تو اس کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ کس چیز کا فیصلہ؟ انسانی افعال و اعمال کا، یا انسانی صحت و مرض کا یا فقر و غنا وغیرہ ۔ اور دوسرے تمام حالاتِ زندگی کا تو جو کچھ قرآن اور آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان

CamScanner

سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی افعال واعمال کے بارے میں خداوندعالم کی تقدیر یعنی اس کا فیصلہ یہ ہے کہ نہ تو انسان مجبور محض ہے اور نہ ہی بالکل مطلق العنان "بل الامر بین الامرین"

لہٰذا یہ غلط ہے کہ خدا نے فیصلہ کر لیا ہے کہ فلاں ہر حال میں جنت میں جائے گا، اور فلاں ہر حال میں جہنم میں جائے گا، بلکہ اس نے انسان کو نیکی و بدی کرنے کی طاقت دے کر فاعل مختار بنایا اور انبیاء ومرسلین وائمہ طاہرین کے ذریعہ سے جنت وجہنم کا رستہ دکھایا ہے۔

لہٰذا ان میں سے کسی ایک رستہ پر چل کر جنت یا جہنم میں جانا انسان کے اختیار میں ہے۔ اور جہاں تک انسانی زندگی کے دوسرے حالات وواقعات کا تعلق ہے تو اگرچہ ان میں خدا کی قضا وقدر کا بھی بڑا دخل ہے مگر کافی حد تک انسان کا بھی اپنے حالات سنوارنے اور بگاڑنے میں دخل وعمل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "لیس للانسان الا ما سعیٰ" کہ ہر انسان کو وہ کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

اگر حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی کرے تو صحت کی دولت ملتی ہے، اور اگر ان اصولوں کو پامال کرے تو مرض کی سوغات ملتی ہے۔ اور اگر آدمی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے تو پھر نتیجہ فقر وفاقہ کی صورت میں ملتا ہے۔ یہی کیفیت عزت وذلت، بلندی وپستی کی ہے۔ الغرض خدا کا وعدہ ہے: "انی لااضیع عمل عامل منکم" کہ وہ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ بہرنوع:

؂ مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

نتیجہ یہ کہ موت وحیات کی طرح انسان دوسرے حالات وکوائف میں اس طرح مجبور وبے کس نہیں ہے بلکہ اس کی روش ورفتار کا عمل ودخل بھی ہے۔

سوال: (۴۸): مذکورہ بالا نظریہ کے بعد دعا کا مقام بیان فرمائیں۔ یعنی پھر دعا کیوں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: دعا کی ضرورت واہمیت بہرحال قائم ودائم ہے ایک تو اس لیے کہ خالق کائنات کی بارگاہ میں دعا کرنا نہ صرف یہ کہ عبادت ہے، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ (سورۃ المومن: ۶۰)

تم دعا کرو، میں قبول کروں گا، جو اس کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور دعا کرنے میں اپنی کسرشان سمجھتے ہیں، ان کو ذلیل کر کے جہنم میں جھونک دوں گا۔

دوسرا اس لیے کہ انسان کی جس سعی وکوشش اور جدوجہد سے تقدیر بنتی اور بدلتی ہے دعا بھی انہی انسانی اعمال میں سے ایک نہایت ہی شائستہ اور شستہ عمل ہے، جس کی تاثیر ناقابلِ انکار ہے۔ جیسا کہ روایت میں وارد ہے: "لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یرد البلا الا الصدقة"

قضا کو رد نہیں کرتی مگر دُعا اور بلا کو رد نہیں کرتا مگر صدقہ (سابع بحار الانوار)

سوال: (۴۹): جنت میں داخل ہونے کے بعد مرد وزن جن وانس گناہ ثواب کرنے میں کیسے حالات میں ہوں گے، جبکہ شیطان بہکائے گا نہیں۔ کیا سب جنتی معصوم ہو جائیں گے؟ انسانی جذبات کیسے ہوں گے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: قبل ازیں انسانی جبلت وفطرت کے بارے میں یہ

حقیقت بیان کی گئی ہے کہ انسانی طبیعت وفطرت کا رجحان ومیلان اسلام و ایمان اور نیک کام کی طرف ہے ۔ "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا" اگر انسان بڑا ہوکر کفر وعصیان اختیار کرتا ہے تو بیرونی حالات وسانحات سے متاثر ہوکر، جیسے ماں باپ عزیز و اقارب اور ماحول ومعاشرہ اسی طرح اس کا طبعی رجحان تو نیک کام کی طرف ہے مگر لذت کام و دہن حاصل کرنے ، جنسی خواہشات کے مٹانے ، مال وزر کے انبار پر کرنے کی خاطر گناہ کرتا ہے اور جنت میں ہر چیز بطور حلال میسر ہوگی ۔ یعنی جیسا خورد ونوش پسند کرے گا وہ موجود، جس طرح جیسی خواہش کی تکمیل کرنا چاہے گا وہ حاضر، جیسے مکان میں رہنا چاہے گا، جیسی سواری پر سوار ہونا چاہے گا، وہ حاضر ۔

الغرض جب جنتی کی ہر خواہش کے پورا ہونے کا جائز طریقہ پر انتظام ہوگا تو پھر وہ گناہ وعصیان کا ارتکاب کیوں کرے گا ۔ بنابریں اگر احتراماً ان لوگوں پر لفظ معصوم نہ بولا جائے تو کم از کم ان کو ہر قسم کے گناہ سے محفوظ تو کہا جاسکتا ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلا وجہ کوئی شخص گناہ نہیں کرتا، اور جنت میں گناہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی ۔ والحمدللہ ۔

سوال: (۵۰): ایک آدمی دس نیکیاں کرتا ہے اور دو برائیاں کرتا ہے ۔ کیا وہ جنت میں جانے کا حق دار ہے؟ جب کہ قرآن کہتا ہے کہ ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر برائی کا بدلہ ملے گا ۔ اس طرح تو زیادہ نیکیاں کم برائیوں کے بدلہ سے بچادیں گی ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اگر اس فارمولا کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر تو جنت میں کوئی معصوم ہی داخل ہوگا، ورنہ ظاہر ہے کہ غیر معصوم جتنا بڑا نیکوکار اور پرہیزگار ہو، اس سے کوئی نہ کوئی تو بڑا یا چھوٹا گناہ سرزد ہوجاتا ہے ۔ بے شک

خدا تو عادل ہے، ذرہ ذرہ کا حساب وکتاب لے گا ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧ (سورۃ الزلزال: ۷و۸)

مگر برائیوں کے برے بدلہ سے بچنے کا خدا نے تین طرح سے انتظام کیا ہے ۔

① ایک توبہ ہے کہ توبہ کرنے سے انسان بڑے سے بڑے وزر وبال سے بال بال بچ جاتا ہے:

توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا

اے گناہگار مومنو! تم توبہ کرو، خداوندعالم تمہارے سب گناہ معاف کردے گا ۔

② دوسرا نیک کام بجالانا، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

ان الحسنات یذھبن السیئات

کہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں ۔ یعنی مسلسل نیکیاں کرنے سے آدمی بعض برائیوں کے برے نتائج سے بچ جاتا ہے ۔

③ تیسرا سبب انبیاء ومرسلین اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شفاعت ہے ۔

"بشرائطھا المقررۃ رزقنا اللہ شفاعۃ النبیؐ وآلہ الطاہرینؑ"

سوال: (۵۱): "جہالت" اور "جاہلیت" میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: "جہالت" "علم" کی ضد ہے ۔ پس جب علم کے معنی "جاننا" ہے، تو "جہالت" کے معنی ہوں گے "نہ جاننا" ۔ اور "جاہلیت" اس دور اور عہد کو کہا جاتا ہے جس میں جہالت کا اس طرح دور دورہ ہو کہ علم کی بجائے لوگ جہالت اور ضلالت پر اور اس کے غلط رسم ورواج پر فخر وناز کرتے ہوں، اور اسے چھوڑنے

CS CamScanner

پر کسی طرح آمادہ نہ ہوں۔ کیونکہ "کل حزب بما لدیھم فرحون"۔

سوال: (۵۲): ضرورت سے زیادہ اللہ کی راہ میں دو، پھر زکوۃ اڑھائی فیصد قرار دے کر جو چاہو جتنا چاہو جمع کرلو۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: پہلا حکم استحبابی ہے اور دوسرا وجوبی۔ لہٰذا وجوب اور استحباب میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ سال بھر کے اخراجات سے جو کچھ بچ جائے تو مستحب اور افضل یہ ہے کہ وہ سب راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔ مگر واجب صرف یہ ہے کہ اڑھائی فی صد راہِ خدا میں خرچ کرو اور جو کچھ بچے وہ تمہارے لیے مباح ہے۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" ستمبر ۲۰۰۸ء)

سوال: (۵۳): جن ذوات اعلم الناس کا اپنے متبعین کو ارشاد ہو کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اور یہ کہ علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین جانا پڑے وہ خود کس طرح ان پڑھ ہوسکتا ہے اور کس طرح وہ تا قیامت پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔ امی تھا؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: کس نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے؟

ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

پیغمبر اسلام کے "اُمّی" ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ ان پڑھ تھے اور منسوب الی الام تھے۔ اُمّی کی وہ تفسیر معتبر نہیں جو عوام کرتے ہیں، بلکہ وہ تفسیر معتبر ہے جو اقلیم امامت کے آٹھویں تاجدار نے بیان کی ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے۔ (عیون اخبار الرضا، بحار الانوار)۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ بہتر (۷۲) زبانوں میں

لکھ پڑھ سکتے تھے۔ (معانی الاخبار حضرت شیخ صدوق) بات صرف اس قدر ہے کہ آپ بحکم الٰہی اور حکمت ایزدی کے تحت حسب ظاہر نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے۔ "اذا لارتاب المبطلون" ورنہ باطل پرستوں کو موقع مل جاتا کہ آپ نے غارِ حرا میں بیٹھ کر اور آسمانی تابوں کا مطالعہ کر کے قرآن نامی کتاب مرتب کر لی ہے۔ (القرآن) اس حکمت اور مصلحت سے نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے۔

بہر حال کسی خاص مصلحت کے تحت نہ لکھنا، اور نہ پڑھنا، اور ہے اور نہ لکھ سکنا، یا پڑھ نہ سکنا اور ہے۔ ان دو باتوں میں جو نمایاں فرق ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ والحمدللہ۔

سوال: (۵۴): "لیس للانسان الا ما سعیٰ" حالانکہ کئی بار ایک انسان بلا محنت و مشقت مال حاصل کر لیتا ہے۔ اور کئی بار باوجود محنت و مشقت کے کچھ حاصل نہیں کر پاتا۔ کہتے ہیں کہ اللہ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا، لیکن علمی و عملی میدان میں کافی لوگ محنت کے بعد بھی منزل مقصود حاصل نہیں کر پاتے۔ مذکورہ بالا آیت کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس آیت کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جس قدر دوکاوش کرتا ہے اتنا ہی پھل پاتا ہے۔ یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں البتہ غالباً ایسا ہی ہوتا ہے کہ آدمی جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ مگر کبھی بھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو بویا جائے اس کا ایک دانہ بھی نہیں پھوٹتا، اور خودرو پودے اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ آدمی ایک پروگرام بناتا ہے اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے مگر نتیجہ اس کی خواہش کے خلاف نکلتا ہے۔ ایسی ہستی کو خدا کہتے ہیں جو انسانی

ارادوں کو بدل دیتا ہے اور انسانی تدبیروں پر پانی پھیر دیتا ہے۔

؎ مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

نمرود اور اس کے ارکانِ سلطنت بڑی محنت و مشقت سے آگ تیز کرتے ہیں، منجنیق کے ذریعہ جناب خلیلؑ کو اس میں پھینکتے ہیں کہ جل کر بھسم ہوجائیں۔ مگر خدا ان کو محفوظ رکھتا ہے اور آگ کو گل و گلزار بنا دیتا ہے۔ فرعون سارے ملک سے جادوگر بلواتا ہے اور جناب موسیٰؑ سے عصا پھنکوا کر فرعونیوں کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ آیت آخرت کے متعلق ہو کہ آدمی دارِ دُنیا میں جیسا کام کرے گا اس کا آخرت میں انجام بھی ایسا ہی پائے گا۔ یعنی:

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت سے نہ نوری ہے نہ ناری ہے

علاوہ بریں جو لوگ باوجود محنت کے حصولِ مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے بالعموم ان کی کارگردگی میں کوئی نقص ہوتا ہے۔

سوال: (۵۵): علماء سے سنا ہے کہ ہر شئے کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، جب کہ چرند، پرند، حیوان اور انسان فاقے سے مرجاتے ہیں، اصل مدعا کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: آپ نے جو کچھ علماء سے سنا ہے وہ برحق ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا" یعنی زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں ان کی روزی کا انتظام خدا کے ذمے ہے۔ (سورۃ ہود:۶) مگر سابقہ آیت کے مطابق ہاتھ پاؤں ہلانا انسان و حیوان

کا کام ہے اور رزق پہنچانا خدا کا کام ہے۔ اگر کوئی حیوان یا انسان رزق کی تلاش میں تگ و تاز نہ کرے، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے مکان کے اندر بیٹھ جائے تو خدا چھت پھاڑ کر رزق نازل نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ چند آدمی ایسے ہیں کہ جن کی خدا دعا قبول نہیں کرتا، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر میں بیٹھ جائے اور تلاشِ رزق میں کوئی جستجو نہ کرے اور پھر خدا سے کہے کہ یا اللہ! مجھے روزی دے، تو خدا جواب میں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے ہاتھ پاؤں دیے ہیں تو روزی کی تلاش میں کیوں باہر نہیں نکلتا اور اسے کیوں تلاش نہیں کرتا؟ (خصال شیخ صدوق)

علاوہ بریں یہ اجتماعی فقر و فاقہ اور اس کی وجہ سے موت خدائی اِمتحان بھی ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات عذاب بھی۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَ
الْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾

(سورۃ البقرہ:۱۵۵)

؎ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

سوال: (۵۶): لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ (سورۃ البقرہ:۲۵۴) اور مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (سورۃ البقرہ:۲۵۵) میں تضاد کیوں ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن بیع و شراء اور کوئی شفاعت و سفارش نہیں ہوگی، اور دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن شفاعت و سفارش ہوگی، مگر خدا کے اذن و اجازت کے بعد۔ اس کے باوجود ان دو آیتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ

CamScanner

دونوں آیتوں کا مفہوم الگ الگ اور کوئی شفاعت نہ ہوگی، یعنی خدا کی پیشگی اجازت کے بغیر شفاعت نہ ہوگی، یعنی خدا کی پیشگی اجازت کے بعد ہوگی، یہ ایک مفہوم ہے ۔اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جن کی شفاعت نہ ہوگی وہ اور لوگ ہیں (وہ کفار، مشرکین اور منافقین ہیں) اور جن کی شفاعت ہوگی وہ اور لوگ ہیں ۔یعنی جن کا دین و مذہب تو پسندیدہ ہوگا مگر ان میں کچھ عملی کمزوریاں پائی جاتی ہوں گی ان کی شفاعت ہوگی ۔(یہ وہ وضاحت ہے جو وارثانِ علم قرآن یعنی سرکار محمدؐ و آلِ محمدؑ نے فرمائی ہے ۔(ملاحظہ ہو تفسیر البرہان، نور الثقلین، مجمع البیان، اور فیضان الرحمن وغیرہ)

سوال: (۵۷): "لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ" (سورۃ الانعام: ۵۱) اللہ شفیع اور سفارشی کیسے ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا سرپرست اور سفارش قبول کرنے والا صرف اللہ ہوگا، یہ ان لوگوں کے ایمان باللہ کے مآل اور ارتقاء کی دلیل ہے ۔

سوال: (۵۸): اسی طرح ملائکہ کی شفاعت کا مطلب کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ملائکہ کی شفاعت و سفارش کا مطلب بعینہ وہی ہے جو کہ انبیاء و مرسلین اور شہداء و صدیقین، ائمہ طاہرین اور عباد اللہ الصالحین کی شفاعت کا مطلب ہے کہ یہ بھی خدا کے اذن و اجازت کے بعد سفارش کریں گے، جن کا دین و ایمان درست ہوگا، اگر ان کے اندر کچھ عملی کمزوریاں پائی جاتی ہوں گی ۔ان شاء اللہ العزیز ۔الحمد للہ علیٰ وضوح الحق والحقیقۃ

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اکتوبر ۲۰۰۸ء)

سوال: (۵۹): قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

(سورۃ طٰہٰ: ۱۲۰) ہمیشگی کا درخت اور انمٹ بادشاہت کا پتا ابلیس نے آدمؑ کو دیا ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: جب یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ ابلیس جناب آدمؑ کا کھلم کھلا دشمن تھا تو اس نے جناب آدمؑ کو فریب دینے کے لیے جھوٹی قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ اگر آپ نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو آپ کو انمٹ بادشاہت مل جائے گی ۔اور جناب آدمؑ نے یہ خیال کر کے کہ ابلیس نے خدا کے نام کی قسم کھائی ہے، اور بھلا کوئی مخلوق اپنے خالق کے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتی ہے؟ اس پر اعتبار کر کے درخت کا پھل کھا لیا، اور نتیجہ اس کے برعکس ظاہر ہوا کہ اس درخت کا پھل کھاتے ہی بہشت بریں سے نکلنا پڑ گیا ۔یہ تھی ابلیس کی پرکاری اور فریب کاری ۔اور جناب آدمؑ سے ترکِ اولیٰ یہ ہوا کہ انھوں نے خدا سے رابطہ قائم کر کے یہ نہ پوچھا کہ اے پروردگار! ابلیس لعین تیرے نام کی قسم میں جھوٹا ہے یا سچا؟

سوال: (۶۰): وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ سورۃ الرحمن میں آیات ۴۶ تا ۵۵، اور اللہ سے ڈرنے والے کے لیے دو جنتیں ہیں ۔کیا مطلب و مفہوم ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: "جنت" کے لغوی معنی ہیں: "باغ" یعنی باغِ بہشت تو گویا خداوند عالم ہی فرما رہا ہے کہ جو لوگ ہر وقت خائف و ترساں رہے ہوں، جہاں کھڑا کر کے ان سے حساب لیا جائے گا، تو ان کے لیے ایک جنت (ایک باغ نہیں ہے) بلکہ دو جنتیں یعنی دو باغ ہیں ۔خلاصہ یہ کہ ان کو دوگنی جزا دی جائے گی ۔مزید وضاحت تفسیر فیضان الرحمن جلد ۹ میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

سوال: (۶۱): کیا مردے سنتے ہیں؟ مسلمان مردے یا غیر مسلمان بھی؟

جنگ بدر کے کافر مقتولین سے حضورؐ کا باتیں کرنا اور صحابہ کا پوچھنا، اور حضورؐ کا جواب میں فرمانا کہ یہ لوگ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ جواب دینے سے قاصر ہیں۔ کیا مسلمان کے مُردے اہلِ ماتم، اہلِ زیارت کی آمد سے آگاہ ہوتے ہیں؟ نیز قبر میں لیٹا ہوا مُردہ تلقین سُن اور سمجھ رہا ہوتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ مسئلہ قدیم الایام سے امتِ مسلمہ میں اِختلاف کی آماج گاہ بنا ہوا ہے۔ بعض فرقے سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور وہ اپنی دلیل اسی واقعہٴ بدر کے کفار مقتولین سے اس طرح گفتگو کو قرار دیتے ہیں کہ آپؐ نے بدر کے کفار مقتولین سے اس طرح گفتگو کی ہے جس طرح زندوں سے کی جاتی ہے۔

نیز نہج البلاغہ میں حضرت امیر علیہ السلام کا وادی السلام میں مومنین سے گفتگو کرنا اور ان سے سوال کرنا کہ تمہارے ساتھ کیا بیت رہی ہے؟ اور پھر حاضرین سے فرمانا کہ "لو اذن لھم فی الکلام لا خبرو کم ان خیر الزاد التقویٰ یا امیر المومنین" اگر ان کو جواب دینے کی اجازت مل جائے تو یہ سب بیک زبان ہو کر کہیں گے کہ بہترین زادِ راہ سفر میں تقویٰ ہے۔

اور کچھ مسلمان عدمِ سماع کے قائل ہیں۔ اور وہ قرآن مجید کی اس آیت کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں: وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (سورۃ الفاطر: ۲۲) اے پیغمبرؐ! آپؐ قبروں والوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں میں مدفون مُردے کو جب پیغمبر اسلامؐ بھی آواز نہیں سنا سکتے۔ تا بدیگراں چہ رسد؟

مگر پہلا فریق اس استدلال کے جواب میں کہتا ہے کہ جس طرح بظاہر قبروں والے زندہ کی آواز نہیں سن سکتے اسی طرح پیغمبر اسلام بدر کے کافروں کو

ہدایت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہدایت حاصل کرنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اس شخص میں ہدایت حاصل کرنے کی طلب اور تڑپ ہو۔ جو کہ کافروں میں نہیں ہوتی۔ اس لیے خدا و مصطفیٰ بھی ان کو ہدایت نہیں کر سکتے۔ میت کا کاندھا پکڑ کر اور اسے ہلا کر اور یا فلاں بن فلاں اسمع وافہم (اے فلاں بن فلاں سن اور سمجھ) کہنے سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ مُردے سنتے ہیں، ورنہ یہ تلقین بے کار محض متصور ہوگی۔

یہاں اس سے زیادہ اس موضوع پر گفتگو کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ۔

سوال: (۶۲): دف بجانے کی کیا حقیقت ہے۔ نکاح کے وقت سماع اور دف کو سنت سمجھا جاتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہمارے فقہاء میں سے اسے سنت تو کوئی بھی نہیں مانتا، البتہ بعض فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر چونکہ دف بظاہر آلاتِ غناء سے سمجھی جاتی ہے لہٰذا شادی ہو یا غم، اس سے اجتناب کرنا اولیٰ ہے۔ واللہ العالم۔

سوال: (۶۳): عورتوں سے مشورہ کر لینا چاہیئے۔ لیکن عمل اس کے خلاف کرنا چاہیے۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ کوئی قاعدہ کلیہ اور ضابطہٴ حیات نہیں ہے، جس کی بہر حال بجا آوری لازم ہو۔ بلکہ اعم واغلب پر محمول ہے کہ چونکہ بالعموم عورتیں ناقص العقل، ناقص العبادۃ اور ناقص الحصہ ہوتی ہیں۔

لہٰذا ان کی رائے اور مشورہ بھی ناقص ہوگا۔ اگرچہ بعض عورتیں اس قدر عقل مند اور دانش مند ہوتی ہیں کہ اکثر مرد بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ متنبی نے سیف الدولہ کی پھوپھی کی مدح میں کہا تھا:

CamScanner

و لو کان النساء کمثل ھذی لفضلت النساء علیٰ الرجال

کہ اگر تمام عورتیں اسی خاتون کی مانند ہوتیں تو پھر عورتیں مردوں سے افضل ہوتیں ۔لہٰذا ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ سمجھی جائیں گی ۔واللہ العالم

سوال: (۶۴): بیری کے پتوں سے سر دھونا رزق بڑھاتا ہے ۔ نیز غم والم، وسوسہ شیطانی کو دور کرتا ہے ۔کافی فائدہ مند ہے ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: بیری کے انہی فوائد کے پیشِ نظر شریعت مقدسہ نے آبِ سدر سے غسل دینے کو واجب قرار دیا ہے ۔ جمادات ہوں یا نباتات یا حیوانات جب ہر چیز کے کچھ خواص اور طبعی آثار ہوتے ہیں جن کو سب جانتے ہیں، خواہ حکماء واطباء بیان کریں یا فلاسفہ یونان ۔اور اگر حقیقی حکماء اسلام یعنی سرکار محمدؐ وآلِ محمدؑ کسی نبات کے کچھ خواص بیان کریں تو ان کو صحیح ماننے میں کیا امر مانع ہے؟ اسے بھی درست تسلیم کرنا پڑے گا ۔

(ماہنامہ" دقائق اسلام" نومبر ۲۰۰۸ء)

سوال: (۶۵): ابوجہل بنو مخزوم قبیلہ کا سردار تھا، اسے عوام وخواص اہلِ عرب ابوجہل کہتے تھے ۔کیا یہ اس کی کنیت تھی یا سبھی اسے اس کنیت سے پکارتے تھے ۔اصل حقیقت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: آپ نے خود اپنے سوال میں اقرار کیا ہے کہ تمام اہلِ عرب، کیا خواص اور کیا عوام، اسے ابوجہل ہی کہتے تھے ۔تو پھر اس سوال کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے: "یا سب اسے اس کنیت سے پکارتے تھے؟" حقیقت یہی ہے کہ پورا عالم عرب وعجم اسے اسی نام سے پکارتا تھا اور پکارتا ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ اس کا نام ہے یا کنیت ۔ہاں البتہ اس کے والد کا نام ہشام تھا ۔یعنی ابوجہل بن ہشام مخزومی ۔

سوال: (۶۶): واقعہ معراج میں جملہ انبیاء نے حضورؐ کی اقتداء میں نماز ادا کی، جسمانی طور پر یا روحانی طور پر، کس طرح پڑھی؟ توضیح فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: پیغمبر اسلامؐ کا جسمانی معراج تو قرآنی آیات اور متواتر روایات سے ثابت ہے اور یہ بھی کہ خدائے علیم وحکیم نے آپ کو آسمانی عجائباتِ قدرت اور سماوی آیاتِ الٰہیہ دکھانے کے لیے آسمانوں پر بلوایا تھا ۔ جب کہ آیت مبارکہ "لنریہ من اٰیاتنا الکبریٰ" کا مفاد ہے ۔ باقی رہیں اس سفر کی تفصیلات کہ خدائے قدیر نے آپ کو کیا کیا دکھایا؟ اور آپؐ نے کیا کیا دیکھا؟ ۔ یہ سب کچھ اخبار آحاد میں وارد ہے جو کہ موجب یقین نہیں ہیں ۔

انہی اخبار میں سے انبیاء کا آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی وارد ہے (جب کہ دنیوی زندگی کے بعد نماز وروزہ کی شرعی تکلیف ساقط ہوجاتی ہے ۔) اور آنحضورؐ بھی عشاء کی نماز مکہ میں پڑھ کر اس سفر پر روانہ ہوئے تھے، اور صبح کی نماز واپس آکر مکہ میں ہی ادا کی تھی ۔ پھر یہ کونسی نماز تھی؟ نیز آپ تو بجسد عنصری عالم بالا پر گئے تھے مگر کیا دوسرے انبیائے ماسلف بھی ابدانِ عنصریہ کے ساتھ وہاں موجود تھے یا برزخی کے ساتھ؟ یہ سب باتیں پردۂ خفا میں ہیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ "ابھموا ما ابھما اللہ" جس بات کو خدا مبہم رکھے (اجمالاً بیان کرے) تم بھی اسے مبہم ہی رہنے دو ۔

اور یہی کیفیت اس سفر معراج میں پہلے پچاس نمازوں کے واجب ہونے اور پھر جناب موسیٰؑ کے مشورہ کے مطابق حضورؐ کے باربار بارگاہِ خداوندی میں ان کی تعداد کم کرنے کی استدعا کرنے اور بالآخر پانچ نمازوں پر اکتفا کرنے والی روایت کی ہے ۔جو بظاہر حضرت رسولِ اعظمؐ کی شان کے منافی ہے ۔ کما لا یخفی ۔

سوال: (۶۷): دورانِ واقعۂ معراج میں پچاس نمازوں کا تحفہ اور حضرت

موسیٰؑ کے مشورہ وصلاح دینے پر بار بار آنا جانا اور نمازوں کا پانچ ہو جانا، اور ثواب پچاس نمازوں کا ہونا؟ حقیقت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: سابقہ سوال کے جواب میں اس روایت پر اجمالاً تبصرہ کر دیا گیا ہے، اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: (۶۸): لقاء اِلٰہی سے کیا مراد ہے؟ کیا روزِ حشر لقاء الٰہی ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: لقاءِ اِلٰہی سے مراد قیامت کے دن خالق کائنات و مالک ممکنات کی بارگاہ تعالیٰ میں حاضری وحضوری ہے وبس۔ جہاں تک خدا کی رُویت بصری کا تعلق ہے تو وہ عقلی وشرعی دلائل قاطعہ کی روشنی میں ناممکن ومحال ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ" (سورۃ الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو درک نہیں کرسکتیں، ہاں البتہ وہ آنکھوں کو درک کرتا ہے۔

اور حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: "لا تراه العیون بمشاهدة الابصار بل تراه القلوب بحقائق الایمان" یعنی خدا کو ان مادی آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا، بلکہ اسے حقائق ایمان کی روشنی میں نورِ بصیرت سے دیکھا جاسکتا ہے۔ (نہج البلاغہ)

سوال: (۶۹): اسامہ بن زید بن حارثہ کی ماں کا نام ام ایمن تھا، جو کہ حضرت رسولِ خداؐ کی دائی تھیں، جو کہ آپؐ کو ورثہ میں نیز ملی تھی۔ یعنی ام ایمن زید بن حارثہ کی بیوی تھی۔ (بحوالہ ضیاء النبیؐ)۔ مزید وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: عام تاریخوں میں یہی لکھا ہے۔ اس وقت مزید تحقیق کرنے کی فرصت نہیں ہے۔

سوال: (۷۰): سورج پلٹنے کا واقعہ کب پیش آیا؟ یہ صرف ایک بار پیش آیا

یا متعدد بار، جب کہ احادیث میں ملتا ہے کہ نبی وامام کا سونا جاگنا، آگے پیچھے سے آگاہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ تو پھر بوجہ نیند نماز قضا کیوں ہوئی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: بنا برمشہور جنگ خیبر سے واپسی پر مقام صدہا پر پہنچے اور وہاں قیام فرمایا تو آپ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ مگر حضرت علیؑ نے ہنوز نماز نہیں پڑھی تھی کہ آپؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر لیٹے تھے کہ وحی کا سلسلہ شروع ہوا، جو کہ غروبِ آفتاب سے پہلے ختم نہ ہوا۔ تب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ یا علیؑ! نمازِ عصر پڑھی ہے؟

عرض کیا کیسے پڑھتا، جب کہ آپؐ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا۔ اور وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ اس وقت پیغمبر اسلامؐ نے دستِ دعا بلند کر کے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: بارِالٰہا! چونکہ علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اِطاعت میں مصروف تھے اس کے لیے سورج کو پلٹا، تاکہ وہ نمازِ عصر ادا کرسکیں۔ چنانچہ سورج پلٹ آیا، اور آپؑ نے نمازِ عصر ادا فرمائی۔ (کتب فریقین)

بنابریں اس واقعہ کا امام کی نیند سے کوئی تعلق نہیں ہے جب کہ وہ روایات جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ زمینی حقائق کے خلاف ہیں۔ کیونکہ نبیؐ وامامؑ جب سو کر اٹھتے تھے تو تجدیدِ وضو کیا کرتے تھے۔ کما لا یخفیٰ۔ (باقی آئندہ ان شاء اللہ)

(ماہنامہ "دقائق اسلام" دسمبر ۲۰۰۸ء)

سوال: (۷۱): شق القمر کے معجزہ پر روشنی ڈالیں کہ تاریخ عالم میں اسے کیوں رقم نہیں کیا گیا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اگر تاریخ سے مراد تاریخ اسلام ہے تو مؤرخین اسلام اور مفسرین قرآن نے باقاعدہ اس معجزہ کا بڑے طمطراق سے تذکرہ کیا ہے اور

CamScanner

اگر اس سے مراد غیر مسلم مؤرخین ہیں یعنی مغربی مؤرخین، تو اس وقت جب اس معجزہ کا ظہور ہوا مغرب جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ تو وہ اس کا تذکرہ کس طرح کرتا، اور پھر یہ واقعہ رات کے وقت رونما ہوا اور چند منٹ ہی ہوا۔ لہٰذا ہر شخص اس کی طرف متوجہ نہ ہوسکا۔ جبکہ اس وقت مغربی ممالک میں دن تھا۔ کما لایخفیٰ

سوال: (۷۲): چاند گرہن اور سورج گرہن کا حاملہ عورتوں پر کیا اثر ہوتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: قرآن وسنت میں کسوف وخسوف کے حاملہ وغیرہ پر اثر انداز ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ صرف سینہ گزٹ ہے اور توہم پرستی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

سوال: (۷۳): بروز نوروز تحویل کے وقت مخصوص پانی کے برتن میں گلاب کا پھول ڈالا جاتا ہے جو حرکت کرتا ہے۔ لوگ عمل کرتے ہیں، مخصوص دعائیں مانگتے ہیں۔ جب کہ یہ عمل حافظ ریاض حسین نجفی پرنسپل جامعۃ المنتظر لاہور کی جنتری میں درج ہے۔ آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ نوروز ایرانی قوم کا ایک مخصوص تہوار ہے جو قبل از اسلام سے برابر منایا جا رہا ہے۔ مگر اس امر میں سخت اختلاف ہے کہ آیا یہ کوئی اسلامی عید بھی ہے یا نہ؟ اس سلسلہ میں مختلف اخبار وآثار وارد ہوئے ہیں۔ بعض سے اس کی نفی ہوتی ہے اور بعض سے اثبات۔

اگرچہ مشہور یہی ہے کہ یہ ایک اسلامی عید ہے مگر بہت سے محقق علماء و فقہاء اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور ہر فریق نے اس کی نفی و اثبات پر متعدد رسائل تالیف کیے ہیں۔ ہمارا ذاتی رجحان اور میلان بھی اسی کی

طرف ہے کہ یہ ایرانی قوم کا قومی تہوار ہے وبس۔ تفصیل کے لیے "اصلاح الرسوم" کی طرف رجوع فرمائیں۔

سوال: (۷۴): جامعۃ المنتظر کی جنتری میں عام جنتریوں کی طرح ہر قسم کے عمل موجود ہیں جب کہ جنتری پر علامہ سید صفدر حسین نجفی (مرحوم) کی تصاویر موجود ہیں۔ عوام تو ان کے نام اور تصاویر کو دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اندر کی ہر چیز جائز ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: کس قدر بہتر ہوتا کہ آپ ہمارے ان لائق احترام دوستوں کے نام نہ لکھتے تا کہ جواب دینے میں یہ اندیشہ دامن گیر نہ ہوتا کہ:

ع   کہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد گرامی ہے: "انظر الیٰ ما قال ولا تنظر الیٰ من قال" ہمیشہ یہ دیکھو کہ کہنے والا کیا کہتا ہے، یہ نہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے؟ بنا بریں نام کی بجائے قول وفعل کو دیکھنا چاہیے۔ لہٰذا اگر اس جنتری یا رسالہ کے مندرجات سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے ارشادات وفرمودات کے مطابق ہیں تو قابلِ قبول ہوں گے ورنہ نہیں۔ "بل نردھا الیٰ قائلھا" عام جنتریوں میں تو رطب ویابس کی بھرمار ہوتی ہے۔

چونکہ المنتظر جنتری علماء کرام کی زیر نگرانی شائع ہوتی ہے اس لیے غیر مستند چیزوں سے پاک ہونی چاہیئے۔

سوال: (۷۵): حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار، حضرت عبداللہ بن رواحہ جنگ موتہ کے تینوں جرنیل ایک قبر میں مدفون ہیں (حوالہ ضیاء النبیؐ) ان کی قبر کہاں ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ان کی قبریں بمقام موتہ (نزد شام) میں موجود ہیں۔

CamScanner

سوال: (۷۶): وقت آخر حضورؐ نے فرمایا: اے عائشہ! اس کھانے کا درد اب محسوس کر رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اس زہر کی وجہ سے میری رگِ دِل کٹ رہی ہے۔ (ضیاء النبی) وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ایسی ہی ایک روایت ہمارے ہاں بھی موجود ہے، جسے حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے عقائد شیخ صدوق میں نقل کیا ہے کہ کسی یہودیہ عورت نے آپؐ کو زہر دیا تھا۔ مگر فریقین کے محقق علماء آنحضورؐ کی طبعی موت کے قائل ہیں۔ واللہ العالم۔

سوال: (۷۷): اگر کسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں تو کیا وہ چیز عبادت ہوگی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اگر اس چیز کا تعلق عبادت سے ہے یعنی وہ چیز ایسی ہے کہ اس کے ادا کرنے میں قصد قربت لازم ہے تو پھر وہ عبادت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وہ چیز معاملات و مباحات سے ہے تو اگر اس کی ادائیگی میں خدا کی خوشنودی کا قصد کیا جائے تو وہ کارِ ثواب بن سکتی ہے۔

سوال: (۷۸): کیا تعظیمی سجدہ شرک ہے یا گناہ؟ تو کیا وہ سجدہ جو فرشتوں نے آدمؑ کو کیا تھا، وہ کس قسم کا تھا؟ کیا تعظیمی سجدہ تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: کسی مخلوق کو تعظیمی سجدہ کرنا شرک ہے اور شرک سے بڑا گناہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ "ان الشرك لظلم عظيم"۔ وہ سجدہ جو فرشتوں نے حضرت آدمؑ کے روبرو کیا تھا، اس کے بارے میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: "خالق کائنات نے آدم کو قبلہ بنا کر سجدہ اپنی ذات کو کرایا تھا"۔ (بحار الانوار، احتجاج طبرسی، تفسیر البرہان وغیرہ) تو گویا شیطان نے جناب آدمؑ کو قبلہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔

تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب "احسن الفوائد" یا ہماری تفسیر

"فیضان الرحمن" کی طرف رجوع کیا جائے۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جنوری ۲۰۰۹ء)

سوال: (۷۹): بہت سے صحابہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور مکہ میں داخل ہوئے تو حضورؐ کے سر اقدس پر کالے رنگ کا عمامہ تھا۔ عمر بن حریث سے روایت ہے کہ جب آپؐ نے خطبہ دیا تو سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہوا تھا۔ جو حضورؐ کا جھنڈا تھا، وہ بھی کالا تھا۔ حضورؐ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا۔ حضورؐ کے عمامے کا رنگ سیاہ تھا، اور حضورؐ عیدین کے موقع پر اسے باندھا کرتے تھے۔ (حوالہ ضیاء النبیؐ جلد ۵ صفحہ ۵۸۱) عمامہ اور جھنڈے کے رنگ کی حقیقت و اصلیت بیان فرمائیں کہ سنت رسولؐ کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میرے نزدیک یہ مسئلہ اس قدر اہم نہیں ہے کہ اس پر زور بیان صرف کیا جائے، اور اشہب قلم کو میدانِ قرطاس میں جولان دیا جائے۔ بھلا جو لوگ کالے رنگ کی مذمت میں بولتے اور لکھتے ہوئے نہیں تھکتے، تو جب انہی کا ایک مفسّر و محدث جناب پیر کرم شاہ ازہری اپنی سیرت النبیؐ میں اپنے ممدوح صحابہ کرام کے حوالے سے لکھ رہے ہیں کہ حضورؐ کے عمامہ کا رنگ بھی سیاہ تھا اور جھنڈے کا رنگ بھی سیاہ تھا تو آپ اور کیا چاہتے ہیں؟

ہم تو پہلے ہی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اگر ہمارے کالے لباس پر یا کالے علموں پر اعتراض ہے تو اسلامی برادری والوں کو تو جب ان کے ذمہ دار علماء بھی یہ حقیقت تسلیم کر رہے ہیں تو ہمیں ان کی راست گوئی کی داد دینی چاہیے۔ ہاں البتہ یہ واضح رہے کہ ہماری کتب حدیث میں جہاں کالے رنگ کی مذمت وارد ہوئی ہے وہیں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ اس مذمت سے عمامہ، عباء، اور موزے مستثنیٰ ہیں۔

(حلیۃ المتقین از علامہ مجلسی یا اس کا ترجمہ تہذیب المومنین از مولانا مقبول احمد دہلوی)

سوال: (۸۰): اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انھیں تو قرآن ایک انسان پڑھاتا ہے ۔حوالہ سورہ ۔یہ کس شخص کی طرف اشارہ تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ الزام تراشی کرنے والا شخص ولید بن مغیرہ تھا، اور اس کا قرآن پڑھانے کا اشارہ جناب سلمان محمدی کی طرف تھا ۔(کتب تفسیر)

سوال: (۸۱): قصۂ غرانیق سے کیا مراد ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: برادرانِ اسلام کی بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ ایک بار پیغمبر اسلام ﷺ اصنام قریش کی مذمت پر خطبہ دے رہے تھے کہ شیطان نے ان کی زبان پہ یہ اشعار جاری کر دیے جو ان بتوں کی تعریف پر مشتمل ہیں ۔العیاذ باللہ ۔

تلك الغرانيق العلیٰ و ان شفاعتهن لترتجیٰ

یہ جو بلند و بالا (بُت) ہیں، ان کی شفاعت (سفارش) کی امید کی جاتی ہے (یہ شفاعت کر کے بُت پرستوں کو بخشوائیں گے) اسی روایت پر اعتماد کر کے رشدی ملعون نے اپنی ملعون کتاب "شیطانی آیات" میں پیغمبر اسلامؐ کی ذاتِ اقدس پر جرح و قدح کی ہے ۔حالانکہ یہ روایت شانِ رسالت کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے ۔

سوال: (۸۲): اکثر عاملین حضرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام سے اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام کا عمل کرتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہمیں جناب موصوفہ کے نام کے عمل کی صحت و سقم

سے کوئی غرض نہیں ہے ۔ ہاں البتہ جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے "حیات القلوب" میں اور جناب علامہ جزائری نے "قصص الانبیاء" میں موصوفہ کے تین نام بتائے ہیں ۔مشہور نام "یوخائیل" ہے، دوسرا "یوخاوند" اور تیسرا "نخیب" ۔واللہ العالم ۔

سوال: (۸۳): جادو سے اثر کیسے ہوتا ہے؟ کہتے ہیں کہ بیماری سے لے کر موت تک مؤثر ہے ۔اصل حقیقت کیا ہے؟ پھر تو یہ صرف نظر بندی نہ ہوئی ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس عالم اسباب میں ہر چیز علل و اسباب کی کڑیوں میں جکڑی ہوئی ہے ۔خداوند عالم نے جس طرح ظاہری طور پر ہر خوردنی و نوشیدنی چیز میں ایک اثر وضعی رکھا ہے کہ مثلاً زہر مارتی ہے اور تریاق اس کے مضر اثر کو زائل کرتا ہے ۔

اسی طرح معنوی طور پر الفاظ و کلمات میں قادر مطلق نے کچھ تاثیر ودیعت کی ہے ۔اب ان کا استعمال انسان کے اختیار میں ہے، خواہ ان سے اچھا کام لے یا برا ۔باقی رہا یہ امر کہ اس کا اثر بیماری سے لے کر موت تک ہوتا ہے، غلط ہے ۔محبت و عداوت یا صحت و مرض تک تو اس کی تاثیر تسلیم کی جا سکتی ہے مگر اس سے زائد نہ ۔

اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب "قوانین الشریعۃ" جلد ۲ کی طرف رجوع کیا جائے ۔

مخفی نہ رہے کہ جادو کی مذکورہ بالا تاثیر بھی ڈھل مل یقین اور ضعیف الاعتقاد لوگوں پر ہوتی ہے اور کامل الایمان موحدین پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔

سوال: (۸۴): جادو کے عمل کو کیمرہ کیوں فلماتا ہے، جب کہ اکثر علماء اسے نظر بندی سمجھتے ہیں ۔کیمرہ تو مشین ہے، اس کی نظر بندی کیسے ہوتی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ایک شخص مٹھی میں سنگریزے لیتا ہے ۔ کیمرہ ان کو سنگریزے فلمائے گا ۔ وہ شخص جادو کے اثر سے ان سنگریزوں کا انگور کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے ۔ تو کیمرہ ان کو انگور کی شکل میں فلمائے گا ۔ اب اس چیز کا پتا تو کھاتے وقت چلے گا کہ وہ سنگریزے ہی ہیں یا درحقیقت انگور بن چکے ہیں ۔ اس حقیقت کو فلمایا نہیں جا سکتا ۔

سوال: (۸۵): جادو، معجزہ اور کرامات اور خرقِ عادت میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جادو اور معجزہ میں جو حقیقت و مجاز والا فرق ہے وہ قبل ازیں واضح کیا جا چکا ہے ۔ باقی رہا معجزہ اور کرامات کا باہمی فرق؟ جب کہ دونوں خارق عادت ہونے میں مشترک ہیں ۔

کیونکہ ان کا ظہور نیچر اور قانون طبیعت کے خلاف ہوتا ہے ۔ یہ ہے کہ اگر اس خارق امر کا ظہور نبی و امام کے ہاتھوں پر ہو تو اسے معجزہ کہا جاتا ہے اور اگر کسی صالح و پرہیزگار آدمی کے ہاتھ پر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے ۔

سوال: (۸۶): جادو کے توڑ کے لیے جادو سیکھنا جائز ہے؟ کیا جادو قرآنی طریقہ سے سیکھا جاتا ہے؟ جب کہ کہتے ہیں یا ابلیس یا اس قسم کا عمل کیا جاتا ہے جس میں شیطان یا جنات سے مدد لی جاتی ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: جب آپ خود اپنے سوال میں تسلیم کرتے ہیں کہ جادو میں ابلیس یا جنات سے مدد طلب کی جاتی ہے تو پھر قرآن مجید سے کس طرح جادو ہو سکتا ہے؟ ہاں البتہ قرآن کی برکت سے قرآن سے جادو کا توڑ تو ہو سکتا ہے مگر جادو نہیں ہو سکتا ۔ وھو اوضح من ان یخفی۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" فروری ۲۰۰۹ء)

سوال: (۸۷): آج کل گلی گلی کوچہ کوچہ میں سفلی عملیات کے ذریعے عوام کو

جکڑا جا رہا ہے، ہاتھوں ہاتھ یہ دشمنانِ اسلام کام کر رہے ہیں، پتلے جلاتے ہیں، سلاخوں، میخوں، تیلو، قبر کھود کر خون سے تعویذات لکھ کر سور کے بال، ہڈیوں، کتے کے بال، ناخن وغیرہ پر الٹے سیدھے عمل کرتے ہیں ۔ کیا ان سفلی عملیات کا واضح اور دکھائی دینے والا توڑ کوئی نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں تا کہ دقائق اسلام کے ذریعے سے تکلیف میں مبتلا لوگوں کو چھٹکارا مل سکے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہمیں بھی اس کا ذاتی علم ہے کہ اس اسلامی ملک میں یہ اشتہار بازی گلی گلی کوچہ کوچہ ہو رہی ہے، اور انسانیت کے ان دشمنوں کے گلے میں کوئی پٹا ڈالنے والا نہیں ہے، جب کہ اسلام میں جادوگر کی سزا موت ہے ۔ ان سفلی عملیات کا سب سے بڑا توڑ تو خدا پر توکل ہے: "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" ۔ اور دوسرا توڑ معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس) کی تلاوت ہے ۔ اور تیسرا اور آخری توڑ اس دعا کا لکھ کر اپنے پاس رکھنا جو کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ سے مروی ہے ۔

بسم اللہ و باللہ و ماشاء اللہ بسم اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ قال موسیٰ ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ. ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین و یحق و یبطل ما کانوا یعملون فغلبوا ھنالك وانقلبوا صاغرین۔۔ (مفاتیح الجنان وزاد العباد)

سوال: (۸۹): علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم نے مکمل جلد عملیات قوی وضعیف پر مشتمل لکھ ڈالی ہے ۔ کیا آپ اس نہج پر کوئی تحقیق تحریر لکھنا پسند فرمائیں گے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میں ابطال الباطل بالباطل کا قائل نہیں ہوں ۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: "بعض التمائم اشراك" یعنی بعض تعویذات شرک ہوتے ہیں ۔ (مکارم الاخلاق) میں انہی عملیات کا قائل

ہوں جو ائمہ طاہرینؑ سے مروی ہیں اور ایسے مستند عملیات میں نے اپنی کتاب "زاد العباد لیوم المعاد" میں درج کر دیے ہیں، اس کی طرف رجوع کیا جائے ۔ ان شاء اللہ ۔

سوال: (۹۰): ہمزاد، تسخیر جنات و ملائکہ، مسمریزم، ٹیلی پیتھی وغیرہ کے بارے میں شرعی نقطہ نگاہ کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہمزاد جنات و ملائکہ کی تسخیر تو بالاتفاق مکاسب محرمہ میں داخل ہے اور کسی بھی مخلوق کو مسخر اور تابع کرنا حرام ہے ۔ چونکہ مسمریزم اور ٹیلی پیتھی بھی ابلہ فریبی اور دھوکا دہی اور اس قسم کی دوسری خرابیوں کا موجب ہیں ۔ لہٰذا ایسے کاموں سے اجتناب لازم ہے ۔

سوال: (۹۱): رسم قل خوانی، قرآن خوانی بعد از نماز جنازہ چارپائی کے آس پاس بیٹھ کر قرآنی سورہ پڑھنا، اور پھر کسی مولوی کے ملک کرنا، اور اس کا مردہ کو بخشنا، یہ سب کیا ہے؟ قرآن وسنت سے وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ان سب باتوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے ۔ سوائے قرآن خوانی کے خواہ وہ دوسرے دن ادا کی جائے یا تیسرے دن، یا اس سے پہلے یا بعد ۔ اور اس میں قرآن پڑھ کر اس کا ثواب مرنے والے کی روح کو بخشا جائے، یا کسی غریب کو کھانا کھلا کر یا کسی پیاسے کو پانی پلا کر یا کسی غریب کا بدن ڈھانپ کر، الغرض کوئی کارِ خیر انجام دے کر اس کا ثواب مرحوم کی روح کو بخشا جائے، ورنہ قل خوانی ہو یا دسواں یا چہلم یہ صرف رسمیں ہیں، ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے ۔ اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب "اصلاح الرسوم" کی طرف رجوع کریں ۔

سوال: (۹۲): تفسیر انوار النجف جلد ۹ صفحہ ۸ پر روایت درج ہے کہ مکھی کو

پانی میں ڈبو کر مُردہ کرایا، پھر اس پر سورۃ فاتحہ پڑھی تو مکھی زندہ ہوگئی، اور پرواز کرگئی ۔ آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس روایت کو درج کرنے والے اس کی صحت وسقم کو بہتر جانتے ہیں ۔ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ ہوتا ہے جب تک معجز نما کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور جب کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے تو پھر وہ معجزہ ظاہر نہیں ہوتا ۔ بلکہ عکس معجزہ ظاہر ہوتا ہے ۔ مثلاً قرآن مجید پیغمبر اسلام ﷺ کا معجزۂ خالدہ ہے ۔ جب معجز نما (نبی و امام) اسے پڑھ کر بارگاہ الٰہی میں دعا کریں تو یقیناً مردہ زندہ ہوسکتا ہے مگر ہماری حالت تو یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کی جان نہ نکل رہی ہو تو ہم اس پر سورۃ یاسین یا سورۃ صافات پڑھیں تو سورۃ ختم ہونے سے پہلے اس کی جان ختم ہوجاتی ہے ۔

بہرحال ہمارے نزدیک ایسی روایات و حکایات بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے ورنہ شک کرنے والوں کو قرآن کی صداقت پر شک کرنے کا موقع مل سکتا ہے ۔

سوال: (۹۳): دعائے فرج کی سند کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں ۔ کیا اس کا پڑھنا جائز ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: دعائے فرج کی کوئی سند نہیں ہے، جناب کفعمی نے اپنی کتاب البلد الامین میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ ایک شخص قید خانہ میں قید تھا ۔ حضرت امام زمانہؑ اسے خواب میں ملے، اور اسے یہ دعا پڑھنے کی ہدایت کی جس کے پڑھنے سے وہ شخص آزاد ہوگیا ۔ خواب دیکھنے والا شخص نبی و امام ہو تو پھر یقیناً ان کا خواب شرعاً صحیح ہوتا ہے مگر غیر معصوم آدمی کا خواب شرعاً حجت نہیں ہے اور دُعا کے ظاہری الفاظ بھی موہم شرک ہیں ۔

CamScanner

لہٰذا اگر اس کے پڑھنے سے اجتناب کیا جائے تو انسب و اولیٰ ہے ۔ اگر ان الفاظ سے مقصد توسل ہو تو پھر اس کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے ۔

سوال: (۹۴): کیا والدہ شہزادہ علی اکبرؑ میمونہ بنت ابوسفیان کی بیٹی تھی؟ جیسا کہ لوائج الاحزان میں لکھا ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: شہزادہ علی اکبرؑ کی والدہ ام لیلیٰ ہیں، جو ابومرہ بن عروہ کی بیٹی اور عروہ بن مسعود ثقفی کی پوتی تھیں ۔ (سعادۃ الدارین)

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مارچ ۲۰۰۹ء)

سوال: (۹۵): بینک میں پیسہ جمع کرا دیا جاتا ہے اور بینک والے اپنے دستور کے مطابق جو نفع دیتے ہیں کیا وہ لینا جائز ہے یا سود کے زمرے میں آتا ہے؟ نیز قرض لینے پر جو رقم اضافی ادا کرتے اور لیتے ہیں وہ سودی لین دین ہوگا یا جائز؟

جواب: باسمہ سبحانہ: بینک اپنے شرکاء کار کو جو رقم دیتا ہے وہ چونکہ وہ از خود دیتا ہے لوگوں کو مزید رقم جمع کرانے کی ترغیب کے لیے دیتا ہے، نیز اس کا کسی دوسرے شخص کو ضرر و زیاں بھی نہیں ہوتا ۔ لہٰذا بلا اشکال اس کا لینا جائز ہے ۔

ہاں البتہ قرضہ لینے پر بینک جو اضافی رقم لیتا ہے وہ یقیناً سود کے زمرہ میں داخل ہے اور اَ نا گزیر حالات میں ایسا قرضہ لینا پڑ جائے تو اس کے جواز کا طریقہ یہ ہے کہ قرض لینے والا یہ قصد کرے کہ وہ جس قدر قرضہ لے رہا ہے اتنی ہی مقدار اس کے ذمہ واجب الاداء ہے اور جب اضافی رقم ادا کرنے لگے تو یہ قصد کرے کہ وہ اس کا ذاتی پیسہ ہے جو بینک کو ہبہ کر رہا ہے ۔ واللہ العالم ۔

سوال: (۹۶): حبیب بینک اگر اسماعیلی فرقہ نے لے لیا ہے تو کیا اس سے سودی لین دین جائز ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: حدیث میں وارد ہے: "**لا ربا بین اهل ملتین**"

دو مختلف ملتوں کے درمیان سود نہیں ہے ۔ بنا بریں جائز ہوگا ۔

سوال: (۹۷): قرض دے کر سود لینا تو حرام ہے مگر قرض لے کر سود ادا کرنا بسبب ضرورت بھی حرام ہے؟ توضیح فرمائیں پھر ایک ضرورت مند کیا کرے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سوال نمبر ۹۵ کے جواب میں دے دیا گیا ہے ۔

سوال: (۹۸): سود صرف وزن اور پیمانہ کی چیزوں میں ہے بس ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: سود کی دو قسمیں ہیں:

① قرضہ والا سود ② بیع وشرا والا سود

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز مطلقاً ہی حرام ہے ۔

اور دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ سود صرف ناپی اور تولی جانے والی چیزوں میں ہے و بس ۔ تفصیل "قوانین الشریعہ" جلد ۲ میں مذکور ہے ۔

سوال: (۹۹): قربانی کے جانور کو مکہ کے علاوہ اطراف عرب میں ذبح کرنا بطور عید قربان مسلمانوں کا اور خصوصاً اہل بیتؑ سے ثابت ہے ۔ حوالہ ارشاد فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: حجاج بیت اللہ پر بمقام منیٰ قربانی کرنا بالاتفاق واجب ہے اور دوسرے دیار و اعصار کے اہل اسلام کے لیے قربانی کرنا صرف مستحب ہے اور یہ بات سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے ارشادات سے ثابت ہے جو کہ وسائل الشیعہ اور مستدرک الوسائل میں موجود ہیں ۔ اور پرویزیوں کے سوا اور کوئی اسلامی فرقہ اس کا منکر بھی نہیں ہے ۔

سوال: (۱۰۰): اگر شکاری کتے کو شکار پر چھوڑا جائے اور اگر شکار مر جائے تو کیا وہ حلال ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں ، جب سدھائے ہوئے شکاری کتّے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا جائے تو اگر شکار کرنے والا زندہ جانور پر پہنچ جائے تو اس کا ذبح کرنا واجب ہے اور اگر اس کے پہنچنے سے پہلے شکار مر جائے تو باتفاق فریقین وہ جانور حلال متصور ہوگا ۔

سوال: (۱۰۱): حرام جانور پر تکبیر کہی جاسکتی ہے، جب کہ وہ سخت تکلیف اٹھا رہا ہو ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: کتّے اور سور کے علاوہ باقی جو حرام جانور ہیں جن کا گوشت کھانا تو حرام ہے مگر ان کا جسم پاک ہے، جیسے شیر، چیتا، اور گیدڑ و بلی وغیرہ، تو ان پر تکبیر پڑھی جاسکتی ہے، اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک تو وہ جانور اذیت سے نجات پا جائیں گے اور دوسرا ان کا چمڑا استعمال کیا جاسکے گا ۔

سوال: (۱۰۲): سور کو پکڑ کر کتوں سے مروانا اور اسے ذلیل کر کے لذت حاصل کرنا کیا شرعاً جائز ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو چیز اذیت پہنچائے جیسے سانپ بچھو اور سور وغیرہ کو مارنا تو جائز ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: "اقتل الموذی قبل الایذاء" موذی کو اسکی اذیت رسانی سے پہلے قتل کر دو ۔ (وسائل) مگر سور وغیرہ کو اس طرح اذیت پہنچانا جس طرح سوال میں مذکور ہے اور پھر اس سے لطف حاصل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے ۔

سوال: (۱۰۳): قسم کب قسم شمار ہوتی ہے اور اس کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو اس کا پورا کرنا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے ۔

① اول یہ کہ وہ کام جس کے کرنے کی قسم کھائی جائے وہ کام شرعاً جائز ہو ۔

اور جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی جائے وہ شرعاً ناجائز ہو ۔

② دوم قسم جائز طریقہ پر کھائی جائے ۔ یعنی خداوند عالم کے کسی ذاتی یا صفاتی نام کی کھائی جائے ۔

③ سوم یہ ہے کہ بقائی ہوش و ہواس کھائی جائے ۔

④ اور چہارم یہ کہ بلا جبر و اکراہ کھائی جائے ۔

سوال: (۱۰۴) اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو وسیلہ دینا اس طرح واجب و لازم ہے کہ اس کے بغیر دعا مانگنا جائز نہیں ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: خداوند عالم کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیے بغیر دعا مانگنا جائز ہے ۔ ہاں البتہ قبولیت دُعا کی خاطر اور ناراض خدا کو راضی کرنے کی خاطر ان ذواتِ مقدسہ کا وسیلہ پیش کرنا احسن و اولیٰ اور مستحب ہے ۔ بہر حال واجب نہیں ہے ۔

سوال: (۱۰۵): اول و آخر درود نہ پڑھنے سے دُعا معلق رہتی ہے ۔ کیا وسیلہ کو واجب قرار دیتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سے بھی وسیلہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوتا ہے ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اپریل ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۰۶): شفاعت کا دائرہ کیا ہوگا؟ آیا حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں میں شفاعت ہوگی؟ اس دنیا میں شفاعت کیسے موثر ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: شفاعت کرنے والے ذوات مقدسہ ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کا دین و مذہب پسندیدہ ہوگا، جیسا کہ ارشادِ قدرت

ہے: "ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ" اور پھر یہ شفاعت خدائے تعالیٰ کے اذن کے بعد ہوگی، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" اور پھر یہ شفاعت عموماً حقوق اللہ کے بارے میں ہوگی۔

ہاں اگر کبھی کبھار حقوق الناس کے بارے میں بھی ہوئی تو جس کی حق تلفی ہوئی ہوگی شفاعت کرنے والے بارگاہِ خداوندی سے اس کی تلافی بھی کرائیں گے تاکہ عدل و انصاف متاثر نہ ہو۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ یہ شفاعت بروز قیامت ہوگی۔ دنیا میں اس کا فائدہ بطور وسیلہ ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کا واسطہ دے کر خدا سے دعا و استدعا کی جائے تو وہ کریم کرم نوازی فرماتا ہے۔ وبس۔

سوال: (۱۰۷): ان پڑھ ہونا عیب ہوتا ہے، جب کہ حضرت رسالت مآبؐ کو اُمّی کہا جاتا ہے۔ جس سے ان پڑھ معنی لیے جاتے ہیں، جب کہ یہ کہا جاتا ہے کہ آپ لکھ نہ سکتے تھے۔ اور قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے بندے کو قلم سے علم سکھایا۔ یہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اُمّی کی صحیح وضاحت کیا ہے؟ ان پڑھ کو ان پڑھوں میں بھیجا، یہ سب کچھ کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: قابل غور بات یہ ہے کہ جب ان پڑھ ہونا عام لوگوں کے لیے عیب و نقص ہے تو اگر یہی عیب کسی نبی بلکہ سید الانبیاءؐ میں پایا جائے تو اس کی قباحت میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ لفظ "اُمّی" کے دو معنی ہیں: ①منسوب الیٰ اُمّ القریٰ، یعنی اُمّ القریٰ (جوکہ مکہ کا لقب ہے) کی طرف منسوب۔ یعنی مکہ کا رہنے والا۔ ②منسوب الیٰ لام یعنی جاہل۔

عقلائے روزگار کا یہ اصول ہے کہ جب کسی لفظ کے معنی متعین کیے جاتے ہیں تو پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس شخص کے بارے میں بحث ہو رہی ہے اس کی شخصیت کیا ہے؟ بنابریں جن لوگوں کو اُمی اعظم کے مقام و مرتبہ کا کوئی علم

نہیں، انھوں نے اس لفظ کے معنی "ان پڑھ" کے کیے ہیں اور جن حضرات کو آنحضرتؐ کے مقام و مرتبہ کا علم تھا، یعنی اہلِ بیت رسالتؑ، انھوں نے اس لفظ کے معنی مکہ کے رہنے والے کے کیے ہیں۔ بنابریں "ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم" کے معنی یہ ہوں گے کہ "خداوند وہ ہے جس نے مکہ کے رہنے والوں کی طرف مکہ کے رہنے والے ایک بزرگوار کو نبی بنا کر بھیجا"۔ "لتنذر ام القریٰ و من حولھا"۔ "تاکہ تو مکہ اور اس کے اردگرد والے لوگوں کو (جس میں ساری کائنات داخل ہے) بڑے عذاب سے ڈرائے"۔

جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ آپؐ ان پڑھ تھے (جوکہ ایک عیب ہے) قرآن مجید میں صرف یہ تاکید ہے کہ اے میرے حبیب! تو اعلانِ نبوت سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے کچھ لکھتا تھا۔ ورنہ شک کرنے والوں کو تیری نبوت میں شک کرنے کا موقع مل جاتا۔ "ما کنت تقرأ من کتاب من قبلہ و لا تخطہ بیمینک اذا لا رتاب المبطلون" اس آیت میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ ایک خاص مصلحت کے تحت اعلانِ نبوت سے پہلے تو لکھتا پڑھتا نہیں تھا۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تو لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا۔ ان دو باتوں میں زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ یعنی "نہ لکھنا اور نہ پڑھنا" اور ہے "لکھ پڑھ نہ سکنا" اور ہے۔

ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر (۷۲) زبانوں میں لکھ بھی سکتے تھے اور پڑھ بھی سکتے تھے۔ (معانی الاخبار، تفسیر صافی اور البرہان وغیرہ)

مامون عباسی کے سوال پر حضرت امام رضا علیہ السلام نے پیغمبر اسلامؐ کے اُمّی ہونے کی یہی تشریح فرمائی تھی۔ جو ہم نے یہاں کی ہے۔ (تفسیر

"فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن")

سوال: (۱۰۸): علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم تفسیر انوار النجف جلد۶ پارہ نمبر ۱۰ کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ: "حضرت صاحب العصر و الزمانؑ سے بروایت اکمال الدین منقول ہے کہ خمس ہمارے شیعوں پر مباح ہے اور وہ ان کو معاف کیا گیا ہے، تا وقتیکہ ہمارا امر ظاہر نہیں ہوتا، اور یہ اس لیے ہے تا کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں" ۔کیا یہ روایت مستند ہے؟ اگر ہے تو علماء اس کو عوام وخواص میں واضح کیوں نہیں کرتے؟ جناب کی تحقیق کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میرے نزدیک یہ روایت ہو یا اس سے ملتی جلتی بعض اور روایات مستند و معتبر ہیں ۔مگر ان میں وارد شدہ لفظ خمس سے پورا خمس مراد نہیں، بلکہ اس کا وہ حصہ مراد ہے، جسے آج کل سہم امامؑ کہا جاتا ہے (جو کہ خدا و رسولؐ اور امامؑ کے حصص کا مجموعہ ہے) وہ آج کل غیبت کبریٰ میں شیعیانِ حیدرِ کرارؑ کے لیے معاف ہے ۔

اور جہاں تک خمس سہم سادات کا تعلق ہے تو وہ بدستور واجب و لازم ہے ۔ جو غرباء و مساکین وغیرہ سادات کا حق ہے ۔کیونکہ امامؑ کو اپنا حصہ معاف کرنے یا وصول کرنے کا حق حاصل ہے ۔اور میں نے اپنی فقہی کتاب "قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ" میں اس موضوع کی مکمل وضاحت کر دی ہے ۔

باقی رہے جناب مولانا جاڑا صاحب مرحوم، ان کا اپنا عمل اس روایت کے مطابق کیوں نہیں تھا؟ یا دوسرے علماء و فقہاء اس کو عوام و خواص پر واضح کیوں نہیں کرتے؟ وہ اپنی شرعی تکلیف اور ذمہ داری کو بہتر سمجھتے ہیں ۔

ع ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

سوال: (۱۰۹): کسی کی آمدنی روزانہ، کسی کی ہفتہ وار، کسی کا ماہوار، کسی کا

ششماہی یا سالانہ ہے ۔اس طرح بچت کا حساب بھی مختلف ہوتا ہے ۔ایک دن وہ کافی بچت محسوس کرتا ہے، لیکن کسی مخصوص دن خرچ اخراجات کر کے کچھ بچت نہیں ہوتی ۔خمس کے حساب کو کس طرح معین کریں؟ نیز سال میں ایک دن خمس کے لیے مخصوص کرنا سرکار محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فرمان سے ثابت ہے؟ حوالہ جات سے واضح کریں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: خمس کی احادیث میں ایک جملہ وارد ہے، اور وہ یہ ہے: "الخمس بعد المؤنۃ" (یعنی خمس اخراجات کے بعد ہے) (کتب اربعہ، الوسائل، الوافی) اب یہ بات کہ ان اخراجات سے مراد کون سے اخراجات ہیں؟ یومیہ، ہفتہ وار، ماہوار، یا سالانہ؟ اگرچہ ان سب احتمالات کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے ۔یومیہ اخراجات کے بعد بچت پر، ہفتہ وارانہ اخراجات کی بچت پر، اور علیٰ ہذا القیاس ۔

مگر فقہاء نے عوام اہلِ ایمان کی سہولت کی خاطر اخراجات سے سالانہ اخراجات متعین کیے ہیں کہ سال بھر کی آمدنی اور خرچ کے بعد جو کچھ بچ جائے اس کا خمس ادا کر دینا چاہیے ۔اس لیے سال کا کوئی ایک دن معین کیا جاتا ہے ۔ یعنی یہ فقہاء کا جو تجویز کردہ طریقہ ہے ۔سرکار معصومینؑ کے عمل یا ارشاد سے ایسا کرنا ثابت نہیں ہے ۔واللہ العالم ۔

سوال: (۱۱۰): اگر کوئی شخص زکوٰۃ کو تو تسلیم کرے لیکن خمس کو زکوٰۃ کی طرح فرض واجب نہ جانے تو کیا وہ شیعہ اثناعشریہ رہے گا ۔وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: قطع نظر خمس کے اختلافی پہلو سے کہ آیا زمانہ غیبت امامؑ میں تمام خمس معاف ہے یا صرف سہم امام یا کچھ بھی معاف نہیں ہے اور پھر اس کی ادائیگی کا طریقہ کار کیا ہے؟ اور اس کا مصرف کیا ہے؟ فی الجملہ خمس کا

CS CamScanner

وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس سے بالکل انکار کرنے والا شخص کہ خمس نام کی کوئی چیز شریعت میں نہیں ہے، شیعہ کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔

سوال: (۱۱۱): کیا سید کسی ذات کا نام ہے؟ سادات کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں، اب تو یہ ایک خاص ذات قرار پا چکی ہے اور اس سلسلہ کا آغاز جناب ہاشم سے شروع ہوتا ہے۔ پس جس شخص کا سلسلۂ نسب شرعی طریقہ سے جناب ہاشم تک پہنچ جائے وہ سید کہلائے گا۔

ہاں البتہ خود سادات کرام کے اندر مراتب و مدارج کا تفاوت موجود ہے۔ مثلاً جناب امیر علیہ السلام کے تین بھائی اور بھی ہیں۔ اب اگرچہ چاروں بھائیوں کی اولاد سید ہے مگر جناب امیر علیہ السلام کی اولاد کو باقی تین بھائیوں کی اولاد پر فضیلت حاصل ہے۔ اب اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کی اولاد دو طرح کی ہے۔

① ایک وہ ہے جو جناب سیدۂ سلام اللہ علیہا کے بطن اقدس سے ہے۔

② دوسری وہ اولاد جو دوسری محترمات کے بطن سے ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جناب امیرؑ کی اس اولاد کو جو جناب سیدۂ طاہرہؑ کے بطن سے ہے اس کو دوسری اولاد پر شرف حاصل ہے۔ "وھذا اوضح من ان یخفی"۔

سوال: (۱۱۲): "منت" ماننے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ نیز کیا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علاوہ بھی کسی بزرگ ولی کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: قسم اور عہد کی طرح منت (نذر) بھی شرعاً اللہ تعالیٰ کے ذاتی یا صفاتی نام کی مانی جا سکتی ہے۔ مثلاً آدمی بارگاہِ الٰہی میں یوں منت مانتا ہے کہ یا اللہ اگر تو میرا فلاں کام کر دے تو میں منت مانتا ہوں کہ تیرے نام

پر فلاں کام کروں گا۔ (اتنی رکعت نماز پڑھوں گا، یا اتنے روزے رکھوں گا، یا اتنے اہلِ ایمان کو کھانا کھلاؤں گا، یا مدرسہ کے کمرے بناؤں گا) اگر وسیلہ کے لیے پنج تن پاکؑ، بارہ امامؑ اور چودہ معصومؑ کافی ہیں تو پھر کسی اور بزرگ کو وسیلہ ماننے کی ضرورت کیا ہے؟ اور اگر یہ ناکافی ہیں تو پھر ساری کائنات بھی کافی نہیں ہے۔ ہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ واللہ الموفق۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مئی ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۱۳): جب دُعائیں کرتے کرتے منظور نہیں ہوتیں تو مایوسی ہونے لگتی ہے تو اطمینانِ قلب کا حصول کیسے ممکن ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: دُعاؤں کے قبول نہ ہونے کے متعدد علل و اسباب ہیں، منجملہ ان کے:

① ایک سبب یہ ہے کہ قبولیت دعا کے شرائط کا فقدان ہے۔ اور وہ بڑی بڑی شرطیں دو ہیں: ①صدقِ مقال ②اکل حلال۔ بقول شاعر: ؎

قرآن تو قرآن دعاؤں میں ہے تاثیر
جو ہر جو نہیں کھلتے یہ عامل کی ہے تقصیر

② دوسرا سبب دُعا کرنے والوں کی لاعلمی ہے کہ وہ مفید و مضر چیز میں تمیز نہیں کرتے۔ یعنی وہ ایک چیز کو اپنے لیے مفید سمجھ کر خدا سے طلب کرتے ہیں، حالانکہ وہ چیز خدا کے علم کے مطابق ان کے لیے مضر ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ مانگ مانگ کر تھک جاتے ہیں۔ مگر خدائے کریم ان کے مفاد کی خاطر قبول نہیں کرتا۔

بلاتشبیہ ہمارے اور ہمارے پروردگار کی مثال بچے اور اس کے ماں باپ جیسی ہے کہ وہ اپنی ناسمجھی سے آگ کے انگارے کو گوہر آبدار سمجھ کر اس کی

طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اور اس کے حصول کی خاطر روتا دھوتا ہے۔ مگر ماں باپ چونکہ انگارہ کے ضرر وزیاں سے واقف ہیں، اس لیے وہ اسے نہیں دیتے۔ "واللہ یعلم وانتم لا تعلمون" ۔اللہ بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

لہٰذا مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ اور اطمینانِ قلب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یقین رکھے کہ دعا قبول ہو یا نہ ہو۔ یہ خود عبادت ہے، بلکہ عبادت کا مغز ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "اُدعونی" مجھ سے دعا مانگا کرو۔

حدیث میں وارد ہے کہ جو دعائیں دنیا میں قبول نہیں ہوتیں آخرت میں ان کا دُعا گو کو اس قدر اجر وثواب ملے گا کہ وہ خواہش کرے گا کہ اے کاش! میری دنیا میں کوئی بھی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی۔ اور آج مجھے وہ سب اجر وثواب دیا جاتا۔

سوال: (۱۱۴): تعویذات، اور دم درود کیا سرکار محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام مستند طریقے سے مروی ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: وہ جو رسم ہے کہ پیر فقیر اور بعض بزرگ کچھ قرآنی سورتیں اور دعائیں پڑھ کر بیمار پر دم کرتے ہیں یعنی اس پر پھونک مارتے ہیں۔ یہ بات شرعاً ممنوع ہے۔ جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ "الحدود و التعزیرات" میں لکھتے ہیں: " قرآن و دعائے کہ برائے مطلبے بخوانند خوب است مگر ندمند بدهان کہ دراں غدغۂ جادو می شود" کہ اگر قرآن ودعا کو کسی مطلب کے لیے پڑھا جائے تو بہتر ہے مگر منہ سے دم نہ کریں (پھونک نہ ماریں) کہ اس میں جادو کا شک پڑتا ہے اور جہاں تک تعویذات کا تعلق ہے تو یہ بھی بعض مطالب کے حصول یا بعض بیماریوں کے ازالہ کے لیے

مل جاتے ہیں مگر۔ معصومین علیہم السلام نے اس سلسلہ میں زیادہ تر پڑھنے کے لیے مخصوص نمازیں یا مخصوص دُعائیں تعلیم دی ہیں۔ یا پھر عام کتابوں میں بعض تعویذات کی بھرمار نظر آتی ہے۔

اگر یہ مستند طریقہ ہے ان ذواتِ مقدسہ سے مروی نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: "بعض التمائم اشراك" کہ بعض تعویذات شرکیہ ہوتے ہیں۔ (مکارم الاخلاق) ہاں البتہ جو تعویذات مستند طریقہ سے مروی ہیں ان کو عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

سوال: (۱۱۵): درشب معراج پس پردہ سے کلام کرنے کا مقصد و مطلب کیا ہے؟ خدا پردہ کے اُس طرف اور مصطفیٰؐ اس طرف۔ اس طرح تو خدا کی جسمانیت اور محدودیت لازم آئے گی۔ اصل حقیقت کی وضاحت ارشاد فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: خدا اس طرف اور مصطفیٰ اس طرف (العیاذ باللہ)

ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

یہ باتیں دراصل مقصد معراج کو نہ سمجھنے کا قدرتی نتیجہ ہیں۔ خداوند عالم نے پیغمبر خاتمؐ کو اس لیے معراج پر نہیں بلوایا تھا کہ وہ ان کو اپنا آپ دکھائے یا پس پردہ رہ کر گفتگو فرمائے۔ بلکہ اس لیے بلوایا تھا کہ انھیں ملکوت سماوی میں اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں دکھائے، جیسا کہ آیت معراج میں وارد ہے: "لنریہٗ من اٰیاتنا" (تاکہ ہم انھیں اپنی نشانیاں دکھائیں) تاکہ عالمین کا نبی صرف سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ بچشم خود اپنی مشاہدہ کردہ حقیقتیں بیان فرمائے اور شب معراج جو مکالمہ ہوا کہ پس پردہ سے آواز آئی تھی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس طرف خدا بیٹھا ہوا تھا (العیاذ باللہ)

بلکہ اس کا مطلب بالکل وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ سے کلام کرتے وقت

پہاڑ پر درخت سے آواز آئی تھی ۔ خدا کے متکلم ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ جس چیز میں چاہتا ہے کلام پیدا کر دیتا ہے ۔ ورنہ اس کی ذات جسم وجسمانیات اور مکان ومکانیات وغیرہ سے منزّہ ومبرّا ہے ۔ **کما لا یخفیٰ** ۔ ونعم ما قیل:

ے جنھیں ہم ڈھونڈتے تھے آسمانوں اور زمینوں میں
وہ نکلے آخر اپنے خانۂ دل کے مکینوں میں

سوال: (۱۱۶): کیا جادو کے اثرات رسولِ خداؐ وائمہ ہدیٰؑ پر بھی ہوتے یا ہو سکتے تھے؟ جیسا کہ بعض روایات اور تفسیروں میں ملتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: حضرتِ رسولِ خداؐ ہوں یا ائمہ ہدیٰؑ، ان کا مقام تو انتہائی بلند و بالا ہے ۔ جادو کا اثر تو ان لوگوں پر بھی نہیں ہوتا جو ان ذواتِ مقدسہ کے غلام ہیں ۔ یعنی کامل الایمان ہیں اور خدا پر توکل و اعتماد کرنے والے ہیں ۔ "**ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ**" ۔ اس سلسلہ میں وارد شدہ روایات غیر معتبر ہیں اور اخبار آحاد ہیں، جو قابلِ اعتماد نہیں ہیں ۔

سوال: (۱۱۷): نظر بد کی حقیقت کیا ہے؟ طریق تحفظ بھی بیان فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اگر قرآن وسنت میں نظر بد کو برحق نہ کہا گیا ہوتا تو ہم اپنے مضبوط عقیدۂ توحید کی بنا پر اس کا عقیدہ نہ رکھتے ۔ جناب یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں: "**لا تدخلوا من باب واحد**" (سورہ یوسف) کہ تم سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا ۔ (تا کہ تمھیں نظر بد نہ لگ جائے) اور متعدد احادیث میں وارد ہے کہ نظر بد اِک توانا آدمی کو قبر میں اور تندرست اُونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے ۔ (الوسائل، البحار) اور اس میں نظر بد لگانے والے کا کوئی قصور نہیں ہوتا ۔

بلکہ خدائے قدیر نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ سے اس کی

آنکھوں میں ایسی تاثیر ودیعت کی ہے کہ جو جس چیز پر تعجب اور پسند کی نظر ڈالے وہ اس کی بربادی کا باعث بن جاتی ہے ۔ جس سے بچنے کے لیے بعض اخبار وآثار میں ہے کہ نظر بد لگانے والے کو چاہیے کہ وہ پڑھے: "**ما شاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ**" ۔ اور جس کو نظر لگنے کا اندیشہ ہے تو وہ معوذتین پڑھے ۔ انشاء اللہ اس کا اثر بد زائل ہو جائے گا ۔

سوال: (۱۱۸): صدقہ کی اہمیت کیا ہے؟ صدقہ کتنا، اور کیسے دینا چاہیے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: احادیث اہلِ بیتؑ میں صدقہ دینے کی بڑی فضیلت اور تاکید وارد ہوئی ہے، یہاں تک وارد ہے: "**لا یرد البلاء الا الدعا و لا یرد القضاء الا الصدقۃ**" ۔ کہ بلا کو نہیں ٹالتی مگر دعاء، اور قضا کو نہیں ٹالتا مگر صدقہ ۔ یہ بھی وارد ہے کہ دن اور رات کا آغاز صدقہ دینے سے کرنا چاہیئے ۔

اس طرح آدمی دن رات بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے ۔ نیز واضح رہے کہ صدقہ ہر چیز کا دیا جا سکتا ہے ۔ پیسہ ہو یا کپڑا، روٹی ہو یا پانی یا کوئی اور چیز ۔ اس کے لیے کوئی مخصوص چیز نہیں ہے ۔ اور ہر محتاج کو دیا جا سکتا ہے اور اگر کسی غریب اہلِ ایمان کو دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جون ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۱۹): جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدا تعالیٰ کا یہ کہلوانا کہ میں تو اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں ۔ مدعا ومقصد کیا تھا؟ نیز غیب کی نفی پر بھی روشنی ڈالیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس اعلان و اظہار کا مقصد بڑا واضح ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ ہوں یا موجودہ روشنی کے دور کے لوگ ۔ بالعموم عام لوگ، دینی رہنماؤں یعنی انبیاء ومرسلینؑ کے بارے میں دو قسم کا نظریہ رکھتے ہیں ۔

① ایک یہ ہے کہ وہ مافوق الفطرت قوتوں کے حامل ہوتے ہیں اور لوگوں کی حاجت برآری کر کے ان کو سود و زیاں پہنچاتے ہیں۔

② دوسرا یہ کہ وہ کاہنوں کی طرح لوگوں کو غیبی خبریں دیتے ہیں۔ آنے والے حالات سے آگاہ کرتے ہیں اور گم شدہ چیزیں بتاتے ہیں۔

خداوندعالم عوام الناس اور ان کی اس غلط سوچ پر تنبیہ کر رہا ہے کہ ایک دینی راہبر و رہنما کا اصلی کام خدا کا بتایا ہوا دین اور اس کا پیغام ان تک پہنچانا ہے اور اس طرح ان کو جنت کا مستحق بنانا اور جہنم سے بچانا ہے۔ نہ وہ ان کے دنیوی نفع ونقصان کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی کاہن اور غیب دان۔

بلکہ وہ تو اپنے ذاتی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوتا، اس کے ساتھ جو کرتا ہے خدائے تعالیٰ کرتا ہے۔ اور نہ ہی وہ غیب دان ہوتا ہے، بلکہ وہ اتنا جانتا ہے جتنا خدا اُسے جنواتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ لوگوں کے عقیدہ و عمل کی اصلاح کی جائے اور انھیں شرک جیسے ناقابلِ معافی جرم سے بچایا جائے۔

سوال: (۱۲۰): جناب زلیخا کے جوان ہونے اور پھر جناب یوسفؑ سے شادی کرنے اور اولاد ہونے سے متعلق اصل واقعہ بیان فرمائیں۔ کیا عزیز مصر فوت ہو گیا تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس قسم کے واقعات میں نہ قرآنی آیات درکار ہوتی ہیں اور نہ روایات متواترات، نہ ہی صحیح سند اخبار آحاد، بلکہ اگر کوئی ایک آدھ قابلِ اعتبار روایت مل جائے جو نہ عقل کے خلاف ہو اور نہ ہی مذہبی مسلمات کے خلاف ہو تو اس پر اعتماد کر کے اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ جناب زلیخا کے بارے میں یہ واقعہ فریقین کی کتابوں میں مذکور ہے کہ عزیز مصر کے فوت ہو جانے اور جناب یوسفؑ کے تختِ مصر پر بیٹھنے اور جناب زلیخا کے مفلوک

الحال اور بوڑھی ہو جانے کے بعد ایک بار جبکہ جناب یوسفؑ اپنے شاہی جاہ و جلال کے ساتھ بازار سے گزر رہے تھے تو جناب زلیخا ایک کونہ پر کھڑی یہ منظر دیکھ کر بولیں:

"ہر قسم کی حمد و ثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے اپنی اطاعت کی بدولت غلاموں کو شاہ اور اپنی عصیان کاری کی وجہ سے شاہوں کو گدا بنایا ہے"۔

جناب یوسفؑ یہ سن کر ادھر متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ یہ بات کہنے والی زلیخا ہے، جو بڑی خستہ حال تھی۔ جناب یوسفؑ کو اس کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ اور اس سے پوچھا کہ تو نے وہ اقدام کیوں کیا تھا؟

زلیخا نے بتایا کہ اس کا سبب تین چیزیں تھیں:

① عزیز مصر کا نامرد ہونا۔

② تیرا حسن و جمال کا مالک ہونا۔

③ اور مجھے مال و دولت کی فراوانی حاصل تھی۔

یہ سن کر جناب یوسفؑ کو اس پر ترس آیا، اور خدائے رحمن و رحیم کو بھی اس کی حالت زار پر رحم آیا۔ چنانچہ اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اسے جوان بنایا، پھر جناب یوسفؑ سے ان کا عقد وازدواج فرمایا، اور پھر نعمت اولاد سے نوازا، تاکہ ان کی اطاعت گزاریوں کا کچھ صلہ اور آخرت سے پہلے دارِ دنیا میں بھی ان کو مل جائے۔ واللہ العالم۔ (قصص الانبیاء، حیات القلوب وغیرہ)

سوال: (۱۲۱): اللہ حق ہے اور اس سے دُعا کرنا اور اس ہی کو پکارنا حق ہے، اس کے سوا کسی کو نہ پکارنا چاہیے، بلکہ باطل ہے۔ یا اللہ کے ساتھ مصیبت کے وقت یا محمدؐ یا علیؑ یا حسنؑ یا حسینؑ یا فاطمہؑ الزہراء کا بار بار نام لینا غیر اللہ کو پکارنے

CS CamScanner

کے زمرہ میں آئے گا یا نہیں؟ جیسا کہ مسجد میں اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: قرآن مجید میں جہاں یہ وارد ہے: "لہ دعوۃ الحق" (اس اللہ کو ہی پکارنا حق ہے) اور یہ کہ: "والذین تدعون من دون اللہ" کہ (جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں وہ باطل ہے ۔ یا یہ کہ "ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا" (مساجد اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا ان میں غیر اللہ کو نہ پکارو)

ان آیات سے مراد یہ ہے کہ امور تکوینیہ (جیسے خلق ورزق، موت وحیات، شفاء، مرض وغیرہ) میں ۔ اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پکارو ۔ کیونکہ یہ امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں ۔ اس نے ان امور کی انجام دہی کسی نبی ووصی اور کسی ولی کے سپرد نہیں فرمائی ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اور کسی کا نام لے کر نہ پکارو ۔

بنابریں یا محمدؐ، یا علیؑ، تا آخر کہنے والے کا اگر یہ مقصد ہے کہ وہ ان امور میں ان ذوات مقدسہ کو پکار رہا ہے کہ وہ اسے اولاد یا جائیداد یا مقدمہ میں کامیابی یا مرض میں صحت یابی دیں تو یہ دُعا و پکار اسی باطل کے زمرہ میں آئے گی ۔ اور اگر ان ذواتِ مقدسہ کی محبت ومودت اور للہ ان سے اظہارِ عقیدت و اِرادت اور ان کے ذکر کو عبادت سمجھ کر پکار رہا ہے تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ بلکہ حق کے زمرہ میں داخل ہے ۔

سوال: (۱۲۲): جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختار کل کہنا جائز ہے، عقیدہ تفویض کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: پوری کائنات میں مختارِ کل صرف خداوندعالم کی ذاتِ عالی صفات ہے وبس ۔ اور جہاں تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ان کے اوصیاء کرام علیہم السلام کا تعلق ہے تو وہ نہ امور تکوینیہ میں مختار کل ہیں اور نہ امور دینیہ میں ۔ امور تکوینیہ از قسم خلق ورزق اور موت وحیات وغیرہ میں تو اس لیے مختارِ

کل نہیں ہیں کہ خداوندعالم نے یہ امور ان کے حوالے کیے ہی نہیں ہیں، بلکہ خود اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں ۔ "اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم" الآیۃ... (سورہ روم) اور امور دینیہ میں اس لیے کہ وہاں عام معاملات میں خداوندعالم کی مرضی ومنشاء کے تابع ہیں ۔ "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی" ۔ (سورۃ النجم)

ع یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہوگئے

عقیدہ تفویض (جو کہ باطل بھی ہے اور شرک بھی ہے) یہی ہے کہ آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ خداوندعالم نے امور تکوینیہ کی انجام دہی کسی نبی یا وصی یا ولی کے حوالے کر دی ہے ۔

سوال: (۱۲۳): ولایت کے معنی اور دائرہ کار کیا ہے؟ اور ولایت محمدؐ وآل محمدؐ سے کیا مراد ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: لفظ "ولایت" کی واؤ پر اگر زیر پڑھی جائے تو اس کے معنی محبت ومودّت کے ہیں، جو کہ آیت مودت (قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ) کا مقتضا ہے ۔ اور اگر واؤ پر زبر پڑھی جائے تو اس کے معنی حکومت یا آقائی اور سرداری کے ہوں گے ۔ (جو کہ آیت ولایت "انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین اٰمنوا الذین" ... الایۃ) کا مقتضا ہے ۔ الغرض سرکار محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کی محبت ومودت بھی واجب ہے ۔ اور ان کو اپنا آقا ومولیٰ اور واجب الاطاعت سردار ماننا بھی لازم ہے ۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: "یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" ۔ واللہ الموفق ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جولائی ۲۰۰۹ء)

CS CamScanner

سوال: (۱۲۴): کیا معجزہ کے رونما ہونے میں صاحبِ معجزہ کی شخصیت اور اس کا ارادہ بھی داخل ہوتا ہے یا فقط صاحبِ معجزہ معجزہ کی رونمائی کا پردہ ہوتا ہے۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ بات اپنے مقام پر یعنی علم کلام میں دلائل عقلیہ و شرعیہ سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل جس کی قوت قاہرہ اور قدرتِ کاملہ سے معجزہ کا ظہور ہوتا ہے وہ خداوندعالم کی ذات ہے۔ لہٰذا معجزہ کی خدا کی طرف نسبت حقیقی ہوتی ہے اور چونکہ وہ نبی و امام کی استدعا و دعا پر ظاہر ہوتا ہے لہٰذا ان کی طرف بھی اس کی نسبت ہوتی ہے۔ مگر وہ مجازی ہوتی ہے۔

جہاں تک معجزہ نما کی شخصیت کا تعلق ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ معجزہ صرف نبی و امام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور کسی کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کے ظہور میں صرف خدا کی قدرت اور اسی کا ارادہ داخل ہوتا ہے۔

سوال: (۱۲۵): معجزہ دکھاتے ہوئے صاحبِ معجزہ کائنات میں تصرف کرتا ہے یا خود ذاتِ احد مستقیماً بلا واسطہ معجزہ کو وجود میں لاتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ابھی اوپر سوال نمبر ۱۲۴ میں اس کے جواب میں واضح کیا گیا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہوتا ہے جو مستقیماً نبی یا امام کے مقدس ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔

لہٰذا اس طرح صاحبِ معجزہ کائنات میں کوئی تصرف نہیں کرتا، تصرف خدا کرتا ہے اور اس کا اظہار نبی و امام کے ہاتھ پر کرتا ہے۔ اس موضوع کے تفصیلی دلائل اور دوسری تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب "احسن الفوائد" اور "اصول الشریعۃ" کی طرف رجوع کیا جائے۔

سوال: (۱۲۶): "یا علیؑ مدد" کہنے سے کیا حضرت علیؑ ہماری ندا، التجا، دعا اور عرض سنتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اسلام و اہلِ اسلام و ایمان کی ملاقات کے وقت جو سلام و جواب مقرر کیا ہے، وہ "السلام علیکم" یا "سلامٌ علیکم" اور "علیکم السلام" یا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" ہے۔ عند الملاقات ایک کا "یا علیؑ مدد" اور دوسرے کا "پیر مولا علیؑ مدد" کہنا شش امامی فرقہ یا اسماعیلیوں کا مذہبی شعار ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ پنجاب اور سندھ کے بعض علاقوں میں مرسوم ہے۔ اور ویسے بھی اس کے ساتھ جب تک "مدد کر" یا "نہ کر" کا تتمہ نہ لگایا جائے، تب تک یہ جملہ ادھورا رہتا ہے اور ہے بھی بے محل۔

کیونکہ "یا" صرف "حرفِ ندا" ہے۔ آپ کا مخاطب اور شخص ہے اور آپ پکار مولا علیؑ کو رہے ہیں۔ اس مخاطب کا نام "علی" نہیں ہے۔ اور "مولا علیؑ" کا نام حضرت علیؑ ہے، یا علیؑ نہیں ہے۔

بہرحال اس فقرہ کی کوئی چول بھی سیدھی نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ شرعی سلام ہے۔ اور نہ ہی شرعی سلام کا قائم مقام ہے۔ اس سوال کا کوئی محل ہی باقی نہیں رہتا کہ مولا علیؑ سنتے ہیں یا نہ؟ جیسا کہ ظاہر ہے۔ لہٰذا اسلامی سلام ہی پر عمل کرنا چاہیے اور اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ واللہ الموفق۔

سوال: (۱۲۷): اگر خطاب محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام میں کسی ایک کو کیا جائے اور مرکز ذہن میں اللہ ہو تو کیا ہم ایسا بھی کہہ سکتے ہیں کہ: اے مولا علیؑ! تجھے واسطہ جناب حسنینؑ کا، یا اے جناب فاطمۃ الزہراءؑ تجھے واسطہ جناب سکینہ اور جناب علی اصغر کا، میری مدد فرمائیں۔ ان تک ہماری التجا و دعا پہنچتی ہے؟ ان کو خطاب کر کے مرکز اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوئے دعا مانگنے کا ان ہی کی تعلیمات کے حوالہ سے ارشاد فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: دعا و پکار کا مذکورہ بالا طریقہ کار نہ سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم

السلام کے قول سے ثابت ہے اور نہ عمل سے ۔یعنی نہ انھوں نے اس طرح دعا مانگی تھی اور نہ ہی کسی کو اس طرح دعا مانگنے کی تعلیم دی تھی ۔اور یہ چیزیں بفضلہٖ تعالیٰ عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے ۔

بھلا جب یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ قاضی الحاجات اللہ ہے، کائنات کا مرکز اللہ ہے، اور مجیب الدعوات ہے اور سرکار محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام اس کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں جب ہر مومن کا یہ عقیدہ ہے تو دعا بھی کیوں نہ اس طرح مانگی جائے جو عقیدہ کے مطابق ہو؟ دل میں عقیدہ اور ہو، اور منہ اور زبان پر الفاظ اور ہوں؟ یہ دوعملی مومن کی شان سے بعید ہے ۔

لہٰذا کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ زبان کو دل کے ساتھ ہونا چاہیے ۔جب خدا مرکز ہے تو دعا والتجا واستدعا میں بہرحال خطاب خدا کو کرنا چاہیے اور اس دعا میں وسیلہ اور واسطہ ان ذواتِ مقدسہ کا پیش کرنا چاہیے ۔جیسے : یا اللہ ! تجھے واسطہ حضرت نبیؐ وعلیؑ کا، مجھے جاگیر جنت عطا فرما اور جہنم سے بچا وغیرہ ۔

یہ ہے وہ طریقہ جو انبیاء ومرسلین واوصیاء اور اولیاء منتجبین اور عباد اللہ الصالحین کا معمول رہا ہے ۔اور قیامت تک رہے گا ۔اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب "اصول الشریعۃ" کی طرف رجوع کیا جائے ۔

سوال: (۱۲۸): کیا محمدؐ وآلِ محمدؑ کا واسطہ دینا، یا ان بزرگواروں کو وسیلہ قرار دینا واجب ہے؟ کیا وسیلہ کے بغیر دعا براہِ راست اللہ سے مانگنا جائز نہیں ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ان بزرگاروں کو وسیلہ قرار دینا ہرگز واجب نہیں ہے اور ان کے توسل کے بغیر بھی خدا سے دعا واستدعا کرنا یقیناً صحیح اور جائز ہے ۔ ہاں البتہ ان ذواتِ مقدسہ کا واسطہ دینا اور ان کے وسیلے سے دعا مانگنا اولیٰ و

افضل ہے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے روٹھے ہوئے خدا کو منانے اور اس سے دعا قبول کرانے کا تیر بہدف نسخہ ہے وبس ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اگست ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۲۹): پوری امت مسلمہ محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام پر درود وسلام پڑھتی ہے، کیا وہ پڑھنے والوں کا درود وسلام سماعت فرما رہے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ایک حدیث پیغمبرؐ میں مروی ہے، فرمایا: جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود وسلام بھیجتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں، اور جو دور سے بھیجتے ہیں اس کے مجھ تک پہنچنے کا خدا نے یہ انتظام فرمایا ہے: "ان للہ ملائکۃ سیاحون فی الارض یبلغونی عن امتی السلام" کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو زمین میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور میری امت کے جو لوگ مجھ پر درود وسلام بھیجتے ہیں وہ مجھ تک پہنچاتے ہیں ۔(بحار الانوار، کامل الزیارۃ)

ویسے بھی دیکھا جائے تو لوگ جو درود پڑھتے ہیں اس کا خطاب تو خدا سے ہوتا ہے کہ: "اللھم صل علی محمد و آل محمد" لہٰذا سننا تو خدا کو چاہیے، تاکہ وہ ہماری دعا واستدعا پر ان ذواتِ مقدسہ پر رحمت نازل فرمائے ۔

سوال: (۱۳۰): ہمارے اعمال صرف امام زمانہؑ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں یا چہاردہ معصومینؑ کے سامنے بھی پیش ہوتے ہیں؟ یا براہِ راست ملاحظہ فرماتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس معاملہ میں جو حقیقت سرکار محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے کراماً کاتبین ہمارا لکھا ہوا نامۂ اعمال امامِ وقت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، صبح والے شام کو اور شام والے صبح کو اور وہ اس طرح بالواسطہ ہمارے اعمال وافعال سے

CS CamScanner

آ گاہ ہوتے ہیں ۔ اور یہ احادیث قرآنی آیت: "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ و المومنون" کی تفسیر میں بھی وارد ہیں ۔ (ملاحظہ ہو تفسیر صافی، برہان، نورالثقلین وغیرہ) اور اصول کافی، اور سابع بحار الانوار میں مذکور ہیں ۔ براہِ راست دیکھنا صرف خدائے قدوس کی صفتِ خاصہ ہے جو ساری کائنات کا ناظر و نگران بھی ہے اور ہر چیز پر حاضر و ناظر بھی ہے ۔ اور "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" کا مصداق بھی ہے ۔ اور اس صفت میں کوئی بھی مخلوق اس کے ساتھ شریک نہیں ہے ۔

ہاں البتہ اگر یہ (ذواتِ مقدسہ) کسی کے کردار کو براہِ راست دیکھنے کی ضرورت وخواہش کریں تو خدا ان کو دکھا دیتا ہے ۔ تفصیل "اصول الشریعۃ" میں مذکور ہے ۔

سوال: (۱۳۱): مرجانے کے بعد مردہ کچھ سنتا ہے؟ کہتے ہیں کہ رونے چلانے والوں کی باتیں سن رہا ہوتا ہے اور جواب نہیں دے سکتا ۔ نیز تلقین کب سے شروع ہوئی؟ "افہم" کو مردہ فہم کر رہا ہوتا ہے کہ اس کے بازو ہلاتے ہیں؟ اس مکمل تلقین کا کسی امامؑ نے حکم دیا، اپنے دور میں کس امامؑ نے کس مومن پر پڑھی تھی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سلسلہ میں جو کچھ سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے ارشادات میں وارد ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ سماع کا تعلق جسم و روح کے اتصال کے ساتھ ہے ۔ تو ظاہری موت سے لے کر تلقین پڑھانے تک روح کا جسم سے اس طرح تعلق ہوتا ہے جس طرح شعاع کا سورج سے ہوتا ہے ۔ اور جب قبر میں سوال و جواب ہوتا ہے تو روح فی الجملہ بدن میں داخل کی جاتی ہے ۔ اور اس کے بعد جسم و روح کا مکمل انقطاع ہو جاتا ہے جو دوبارہ بروز قیامت اتصال ہوگا ۔ جب مردے اسی دنیاوی جسم و روح ے ساتھ محشور ہوں

گے ۔ اور حساب و کتاب کے بعد جزا یا سزا پائیں گے ۔

لہٰذا اس دوران چونکہ روح کا جسم سے فی الجملہ تعلق ہوتا ہے، وہ لوگوں کی باتیں سنتا ہے ۔ تلقین اور اس کے "افہم" کا اسے فہم بھی ہوتا ہے ۔ اگر اسے فہم و ادراک نہ ہو تو اس سے کلام کرنا ایسے ہی عبث و بے کار ہوگا جس طرح کوئی پتھر یا دیوار سے کلام کرے ۔ اور معصومین علیہم السلام کے مقام اور ان کی شان سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ کوئی عبث کام کریں یا اس کے کرنے کا حکم دیں ۔

اور جہاں تک تلقین پڑھنے پڑھانے کا تعلق ہے تو اس کی ابتداء خود سرکار ختمی مرتبتؐ نے فرمائی، اور خود جناب فاطمہ بنت اسد (حضرت امیر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ) کی تلقین پڑھائی تھی اور نکیرین کے سوال و جواب کے وقت جب امامت کے سوال پر بی بی نے اپنے بیٹے کا نام لینے پر قدرے جھجک محسوس فرمائی تو آپؐ نے لقمہ دیا تھا: چچی اماں! کہو: "ابنک ابنک" تیرا بیٹا امام ہے تیرا بیٹا امام ہے ۔ لیکن "لاجعفر و لاعقیل" جعفر و عقیل نہیں (بلکہ حضرت علی علیہ السلام) (فروع کافی) اسی طرح دوسرے طاہرینؑ بھی پڑھتے پڑھاتے تھے اور اس کے پڑھنے کا حکم بھی دیتے تھے ۔ (کتب اربعہ وغیرہ)

سوال: (۱۳۲): چہاردہ معصومینؑ یا جناب ابوالفضل العباسؑ یا جناب زینبؑ یا ام کلثومؑ و رقیہؑ اور جناب ربابؑ و دیگر افراد اہلِ بیتؑ کے نام ہدیۃً دو رکعت نماز پڑھ کر یا کچھ نوافل پڑھ کر ان سے شفاعت و سفارش کی التجا کی جا سکتی ہے؟ اور دِل میں یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اب ان سے ہمارا رابطہ ہو گیا ہے اور وہ شفاعت کریں گے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ایسے عمل اور ایسے نظریہ کے بارے میں خود اہلِ بیتؑ کے ارشادات خاموش ہیں ۔ اور ایسے مسائل و مقامات پر خاموشی ہی بہتر ہوتی

ہے ۔واللہ العالم بحقائق الامور ۔

سوال: (۱۳۳): عبادت اور مدد جب اللہ ہی سے مختص ہے تو جیسا ہم کسی بھی لحاظ سے عبادت کا اطلاق کسی غیر پر نہیں کرتے مدد طلب کرنے میں کیوں رُخ موڑتے ہیں، حقیقی مدد تو اللہ ہی کی ہے جس طرح قرآن میں بار بار آیا ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: جس طرح عبادت اللہ سے مختص ہے بالکل اسی طرح امور تکوینیہ جیسے خلق و رزق اور موت وحیات وغیرہ امور میں مدد طلب کرنا بھی خدا سے مخصوص ہے ۔ہم یہاں کوئی رُخ نہیں موڑتے ،عبادت بھی اللہ ہی کی کرتے ہیں اور ان امور میں مدد بھی اللہ ہی سے مانگتے ہیں ۔ جیسا کہ اس کا اِرشاد ہے: "ایاك نعبد و ایاك نستعین " ہاں البتہ صرف واسطہ سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا دیتے ہیں وبس ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" ستمبر ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۳۴): شام غریباں ایک گھوڑا سوار آیا بی بی نے اس کو رکنے کو کہا لیکن وہ نہ رکا ۔ وہ حضرت علیؑ تھے ۔ بی بی نے بابا سے گلے شکوے کیے اور پھر سب سے ملاقات کی ۔اس کی حقیقت بیان فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس روایت کی کوئی اساس وبنیاد نہیں ہے ۔اور محض افتراء پردازوں کی اختراع ہے ۔

سوال: (۱۳۵): حضرت امام حسین علیہ السلام کا بی بی کے لاش پر پہنچنے پر اٹھ بیٹھنا اور ہم کلام ہونا، علامہ ...... پڑھتے تھے، اور آج بھی عالم و ذاکر پڑھتے ہیں ۔وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ شہداء بھی زندہ ہوتے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام تو سید الشہداءؑ ہیں ۔مگر کلام اس

میں ہے کہ ان کی حیات کی کیفیت کیا ہے؟ بنص قرآن ہمیں اس کا شعور نہیں ہے ۔(ولکن لا تشعرون) اور اگر امام شہادت کے بعد اٹھ کر بیٹھ جائیں اور بی بی سے کلام فرمائیں تو یہ تو حیاتِ دنیوی بن جائے گی ۔اور ہماری سمجھ میں آجائے گی ۔ یہ حیات شہداء تو نہیں ہے، جو بزرگ پڑھتے ہیں ان سے رجوع کریں کہ یہ روایت کس مستند کتاب میں لکھی ہے ۔ ہماری نظر قاصر سے تو ایسی کوئی روایت نہیں گزری ۔واللہ العالم ۔

سوال: (۱۳۶): حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد و ہدف خلافت وحکومت تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: امام عالی مقامؑ کے قیام کا محرک ہدف اور مقصد وہی تھا جو آپ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام اپنی وصیت میں بیان فرمایا تھا:

ما خرجت اشرا و لا بطرا و لا مفسدا و لا ظالما بل انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی رسول اللہ و لان امر بالمعروف والنھی عن المنکر و اسیر بسیرة جدی رسول اللہ و ابی علی بن ابی طالب علیھم السلام

امام کے سامنے چار مقاصد تھے:

① امت جد کو ابدی ہلاکت وتباہی سے بچانا ۔

② امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرنا ۔

③ نہی عن المنکر کے وظیفے کی ادائیگی ۔

④ پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علی علیہ السلام کی سیرت و کردار کا احیاء ۔

بالفاظِ دیگر اسلام کی بقاء اور کفر وشرک ، الحاد کے فنا کے لیے کام کرنا، اور ہر قسم کا اقدام کرنا ۔

سوال: (۱۳۷): جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی کربلا واپسی پر اہلِ بیتؑ کے قافلہ کو روکنا اور اونٹوں سے اترنے کا حکم جناب عباس علمدار بیان کرنا اور کافی وقت تک محوِ گفتگو رہنا اور ان کا موجودہ دو دور کے اماموں کو نہ پہچاننا اور ان کا بھی اپنا تعارف نہ کرانا کہ ہم تو موجود امام ہیں ۔ یہ سب کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ سب کذب و افتراء ہے ۔ اور یہ روایت سینہ گزٹ ہے جس کی کوئی تاریخی حقیقت نہیں ہے ۔ بات صرف اس قدر ہے کہ جناب جابر بن عبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پہلے زائر ہیں اور یہ وارد کربلا ہوئے ، ادھر آلِ محمد کا لٹا ہوا قافلہ شام سے وارد کربلا ہوا ۔ اور سب نے مل کر دل کھول کر گریہ و بکا کیا اور سب سے پہلے شہداء کی عزاداری منائی ۔

سوال: (۱۳۸): کیا امام حسین علیہ السلام کا قیام و خروج سیاسی تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کے جواب کی وضاحت اوپر والے سوال نمبر ۱۳۶ کے جواب میں کر دی گئی ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔

سوال: (۱۳۹): اگر اہلِ کوفہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت نہ دیتے تو امامؑ کا طریقہ انقلاب کیا ہوتا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو امام نبی کا قائم مقام ہوتا ہے وہ حکیم الامت ہوتا ہے ۔ اگر اہلِ کوفہ دعوت نہ دیتے تو امامؑ کا طریقہ انقلاب کیا ہوتا؟ اس کا جواب تو حضرت امام عالی مقامؑ ہی دے سکتے ہیں ۔ ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ امام علیہ السلام طریقہ کار جو بھی اختیار فرماتے ، آپ کا ہدف اور مقصد صرف وہی ہوتا جو سوال نمبر ۱۳۶ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اسلام کی بقاء اور اس کی بہبود و فلاح اور انسانیت کی فوز و فلاح اور کفر و شرک اور نفاق کی فنا ۔ والحمدللہ ۔

سوال: (۱۴۰): اہلِ کوفہ نے امام حسین علیہ السلام کو کیا دعوت دی اور امام

حسینؑ ان سے کیا توقع رکھتے تھے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اہلِ کوفہ نے دعوت کیا دی؟ امامؑ نے جواب کیا دیا؟ اور امامؑ ان سے کیا توقع رکھتے تھے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کی جوابات تاریخ اسلام کے مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں ۔ اور ہم نے بھی "سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ" میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ حقائق بیان کر دیے ہیں ۔

ع اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

والباقی باقی ان شاءاللہ ۔ (ماہنامہ "دقائق اسلام" اکتوبر ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۴۱): اہلِ کوفہ اگر بے وفائی نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ قیام حسین علیہ السلام کے خدوخال اور مطلوبہ نتائج کیا ہوتے؟

جواب: باسمہ سبحانہ:: اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے کہ اگر اہلِ کوفہ اور دوسرے اہلِ اسلام حضرت امام حسین علیہ السلام سے بے وفائی نہ کرتے تو پھر وفا کرتے اور مال و جان سے آپ کی مدد کرتے اور پھر نتیجہ یہ نکلتا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم فرماتے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کرتے اور اس طرح اسلام ہر قسم کی کجی سے اور مسلمان کج روی سے بچ جاتے اور دنیا آفتابِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بن جاتی اور یزید اپنے مقصد میں ناکام و نامراد ہو جاتا ۔

آہ! اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

سوال: (۱۴۲): کیا امام حسینؑ عراق کی طرف اہلِ کوفہ کی مدد سے حکومت یزید کا تختہ الٹنا چاہتے تھے؟ اہلِ کوفہ کی بے وفائی کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے ۔ ہر دو صورتوں میں دلائل؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ظاہر ہے کہ اگر اہلِ کوفہ وغیرہ امام کو نصرت و امداد کا یقین نہ دلاتے اور یزید پلید بیعت کا مطالبہ بھی نہ کرتا تو امام علیہ السلام پر قیام واجب نہ ہوتا۔ بلکہ اپنے والد ماجد اور اپنے ابناء طاہرین کی طرح خانہ نشینی اختیار کرتے، ورنہ واضح ہے کہ اگر ظاہری اسباب مہیا ہوں تو باطل کا قلع قمع کر کے حق و حقیقت کا علم گاڑنا اور حکومتِ الٰہی کے قیام کی کوشش کرنا واجب ہو جاتی ہے اور امامؑ سے بہتر کون اپنی شرعی ذمہ داری کو سمجھ سکتا ہے؟

سوال: (۱۴۳): حضرت امام حسین علیہ السلام کو اہلِ حل وعقد مدینہ ومکہ کا روکنا، بھائی اور والد سے عراقیوں کی بے وفائی کی یاد دہانی کرانا، تدبّر کے لحاظ سے اقدام کا نامناسب قرار دینا، حصول خلافت وحکومت، زعامت کا ناممکن نظر آنا اور پھر بھی امام حسینؑ کا نہ رُکنا، کس ہدف یا اہداف کا مرہونِ منت ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ:

ع "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"

یہ ٹھیک ہے کہ نظر بظاہر حالات ان لوگوں نے جن کا سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے امام کو ان کے اقدام سے روکا تھا۔ مگر امام عالیٰ مقام قطع نظر اپنی عصمت وطہارت کے ویسے بھی معاملہ فہمی اور دور بینی میں ان لوگوں سے زیادہ ہوشیار وسمجھ دار تھے۔ لہٰذا ان پر اس معاملہ میں ان کی رائے کا ماننا لازم نہ تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام علیہ السلام جانتے تھے کہ اگر وہ بظاہر کامیاب نہ بھی ہوئے تو ان کی مظلومانہ شہادت حکومت یزید کو بیخ و بن سے اکھیڑ دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ اقدام کریں اور کربلا تشریف لے

جائیں کہ اسلام کی بقا ان کی شہادت میں مضمر ہے۔ (جس کی تفصیل سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ میں درج ہے) اور آپ نے اپنے جد نامدار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا، اور اسلام کو ابدی ہلاکت سے بچایا۔

ع حقا کہ بنائے لا اِلٰہ است حسینؑ

سوال: (۱۴۴): اگر یزیدؓ امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب نہ کرتا، اہلِ کوفہ دعوت بھی نہ دیتے تو امام حسین علیہ السلام قیام فرماتے؟ جب کہ بعد والے ائمہؑ نے یزیدؓ جیسے حکمرانوں کے ادوار میں قیام نہیں فرمایا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب ابھی اوپر سوال نمبر ۱۴۳ کے جواب میں واضح کیا گیا ہے۔ اعادہ وتکرار کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: (۱۴۵): قیامِ حسین علیہ السلام کا محرک یا ہدف کیا شہادت عظمیٰ کا حصول تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سوال نمبر ۱۴۲ کے جواب میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

سوال: (۱۴۶): کیا امام نے بھی سوچا تھا کہ وہ یزید کا تختہ الٹ کر اسلامی حکومت وخلافت کا قیام عمل میں لا سکیں گے۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ تو آپ سمجھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے تاریخ انسانیت کا اتنا بڑا عدیم المثال اقدام سوچے سمجھے بغیر کیا تھا؟ معاذ اللہ! ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔ امام علیہ السلام نے تمام عواقب ونتائج پر نظر رکھ کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آخر تک امام علیہ السلام کے پائے ثبات میں لغزش واقع نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی نتائج کو دیکھ کر کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار کیا گیا۔

کیونکہ آپ نے پہلے ہی تمام حالات وکوائف کا مکمل جائزہ اپنے اور

عواقب ونتائج کا نہ صرف تصور کرنے بلکہ ان کی تصدیق کرنے کے بعد یہ قدم اٹھایا تھا۔ ابھی اوپر سوال نمبر ۱۴۳ کے جواب میں ان کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ فراجع۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" نومبر ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۴۷): قبل از اسلام بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان کسی دیرینہ جنگ وجدل یا رقابت کا کوئی قابلِ ذکر واقعہ تاریخ میں ملتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جناب ہاشم (خاندانِ رسالت کے جد اعلیٰ) اور عبدالشمس (خاندانِ بنی امیہ کا جد اعلیٰ) سگے اور جڑواں بھائی تھے۔ وہ اس طرح جڑواں پیدا ہوئے تھے کہ ان کے پاؤں کا پنجہ پیشانی سے چپکا ہوا تھا جسے تلوار کے ذریعہ علیحدہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے بہت سا خون بہا تھا۔ جس کی وجہ سے نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان کے درمیان خونریز جنگ ہوگی۔

چنانچہ حالات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ جناب ہاشم ہوں یا ان کی اولاد، وہ ہمیشہ سیادت وقیادت کی مسند پر فائز رہے، اور عبدالشمس ہو یا اس کی اولاد، وہ اس اعزاز سے محروم رہے۔ جس کی وجہ سے وہ بنی ہاشم سے حسد کرتے رہے اور بغض وکینہ رکھتے رہے۔

اگرچہ قبل از اسلام بھی ان کے درمیان کشمکش تو رہتی تھی۔ مگر کسی باقاعدہ جنگ کا واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ البتہ حضرت رسولِ خداؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد پہلے مکہ اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ میں پہلے ابوسفیان نے آپ کی کھل کر مخالفت کی اور مکمل کئی جنگیں لڑیں۔ اگرچہ فتح مکہ کے بعد اس نے حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر بظاہر اسلام کا لبادہ تو اوڑھ لیا تھا۔ مگر دل نفاق وشقاق سے پاک وصاف نہ ہوسکا۔

چنانچہ اس کے بیٹے نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے ظاہری دورِ

خلافت میں بھی وہ کچھ کیا جو اس کا باپ بھی نہ کرسکا تھا، اور اس کے بعد اس کے بیٹے (یزید) نے آلِ رسولؐ کے ساتھ وہ کچھ کیا جو اس کا باپ اور دادا بھی نہ کرسکے تھے۔ "وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون"۔

سوال: (۱۴۸): شہادت جناب امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ نے معاویہ کے خلاف قیام نہ فرمایا۔ جب کہ وہ معاہدۂ صلح تو پہلے ہی پامال کر چکا تھا، اور شہادت امام حسنؑ کے بعد تو ویسے بھی ختم ہوگیا تھا۔ اور امیر شام کے جرائم یزید سے کچھ کم نہ تھے بلکہ وہ بیٹے سے بھی زیادہ کرتا تھا۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب تاریخ اسلام کے طالب علموں پر بالکل واضح ہے۔ کیونکہ جب حالات وکوائف سے مجبور ہوکر حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے ساتھ صلح کی تھی اور خانہ نشینی اختیار کی تھی، وہ حالات امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ بدستور موجود تھے بلکہ اس سے بھی بدتر تھے، تو جن حالات کی وجہ سے امام حسنؑ قیام نہ کرسکے انہی حالات کی بنا پر امام حسین علیہ السلام بھی قیام نہ کرسکے۔

مولانا وحیدالزمان لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ اس بات کا گواہ ہے کہ ہمارے امام اور شہزادے نے اپنی خوشی کے ساتھ خلافت معاویہ کو نہیں دی۔ بلکہ مجبوری سے آپ نے دیکھا کہ میرے ساتھی لوگ در پردہ معاویہ سے سازش رکھتے ہیں اور معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ آپ معاویہ کو ظالم وغاصب جانتے تھے اور ہرگز خلافت کا مستحق نہیں جانتے تھے"۔ (انوار اللغۃ جلد ۱۵ صفحہ ۲۷ طبع بنگلور)

یہ بات بھی واضح ہے کہ جانی قربانی پیش کرنا اصلاح احوال کا بالکل آخری حربہ ہوتا ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے مصالحت کا حربہ استعمال کیا، اور جب اس سے اصلاح احوال نہ ہوئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری حربہ استعمال فرمایا۔

CS CamScanner

علاوہ بریں معاویہ کے دور میں جس قدر بھی جرائم کا ارتکاب کیا گیا مگر ظواہر شریعت کی کسی حد تک پابندی کی جاتی تھی ۔ جب کہ یزید نے شریعت محمدی کا قلادہ بالکل اپنی گردن سے اتار دیا تھا، اور وہ کھلم کھلا احکام شریعت کی نہ صرف یہ کہ مخالفت کرتا تھا، بلکہ ان کا مذاق بھی اڑاتا تھا ۔

علاوہ بریں معاویہ نے امام حسن علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا، جب کہ یزید پلید بیعت پر اصرار کر رہا تھا ۔

ولنعم ما قیل:

ے چاہا جب خدا نے یہ بتائے دنیا والوں کو
کہاں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے
تو بھیجے اپنی رحمت سے علیؑ کے لاڈلے دونوں
یہ سمجھا جائیں جس پر آج دنیا دنگ ہوتی ہے
وہ آئے اور مسلم کو عمل کر کے یہ بتلایا
یہاں پر صلح ہوتی ہے یہاں پر جنگ ہوتی ہے

سوال: (۱۴۹): اگر یزیدؒ بیعت طلبی کے مطالبہ سے پیچھے ہٹ جاتا تو کیا امامؑ واپس وطن جا کر یا کسی اور جگہ تشریف لے جا کر آرام سے زندگی بسر فرماتے ۔ کربلا میں امامؑ کی اس قسم کی گفتگو فرمانے کا مقصد کیا تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یزید عنید بیعت طلبی پر اصرار کر رہا تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر امام علیہ السلام اس کے اس مطالبہ کو مان لیتے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو اس طرح خدا کا بنایا ہوا اور امامؑ کے جد نامدار کا لایا ہوا دین اسلام ختم ہو جاتا ۔ اور اگر بالفرض اسلام کا نام باقی بھی رہتا تو یزیدیت کا نام اسلام ہوتا، اور امام حسین علیہ السلام جیتے جی یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے ۔ لہٰذا انھوں نے وہ

کچھ کیا جو ان کے منصب و مقام کا تقاضا تھا اور نتیجہ دنیا نے دیکھ لیا کہ:

ے سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا اِلٰہ است حسینؑ

اب رہی یہ بات کہ اگر یزید مطالبہ بیعت سے دستبردار ہو جاتا تو پھر امامؑ کیا اقدام کرتے؟ اسے دخل در معقولات کہتے ہیں ۔ نبی ہوں یا امام، وہ اپنی شرعی ذمہ داریوں کو ما وشما سے بہتر جانتے ہیں ۔ ہم اس مقام پر صرف یہ کہنا چاہیں گے کہ اگر ایسا ہوتا تو امامؑ وہ کام و اقدام کرتے جو ان کے مقام و منصب کا تقاضا ہوتا ۔ "**فھوالبصر بتکلیفه الشرعی**" ۔ اور امامؑ نے کربلا میں جو مصالحانہ گفتگو فرمائی تھی، وہ اس لیے تھی تا کہ یزیدی ٹولا یہ نہ کہہ سکے کہ امامؑ نے ان پر جنگ مسلط کی تھی ۔ ورنہ وہ تو امامؑ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے ۔

الغرض اس طرح امامؑ نے اپنی حکمت عملی سے جارح اور مجروح اور ظالم و مظلوم کا باہمی فرق واضح کر دیا ۔ والحمدللہ ۔

سوال: (۱۵۰): مکہ یا مدینہ سے روانگی کے وقت کیا امامؑ نے امت مسلمہ کو اجتماعی یا انفرادی طور پر موجود یا غیر موجود افراد کو دعوتِ قیام دی تھی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: بظاہر حالات امام حسین علیہ السلام مدینہ سے یا مکہ سے نکلتے وقت یزیدی حکومت کے خلاف کوئی طبل جنگ بجانے نہیں جا رہے تھے، کہ امت مسلمہ کو اجتماعی یا انفرادی طور پر دعوتِ جنگ و جہاد دیتے، بلکہ وہ اہل کوفہ جو کہ صوبہ عراق کا مرکزی مقام تھا، کی مخلصانہ دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے کہ حالات کا نقشہ بدل گیا ۔ اور ان بدلے ہوئے حالات میں امامؑ نے وہ کام کیا جو ان کے منصب و مقام کا شرعی تقاضا تھا ۔

الغرض اگر اس وقت امام حسنؑ زندہ ہوتے تو وہ بھی وہی کام کرتے جو امام

CamScanner

حسینؑ نے کیا تھا۔ اور اگر امام حسنؑ کے صلح کے وقت زمامِ کارواں امام حسینؑ کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ بھی یقیناً اسی طرح صلح کرتے، جس طرح امام حسنؑ نے کی تھی۔ بھلا شہزادے ایسا کیوں نہ کرتے؟ جب کہ ان کے جدِ بزرگوار نے اپنے اپنے موقع ومحل پر صلح بھی کی تھی، اور جنگ بھی لڑی تھی۔ مقصد سب کا ایک تھا کہ اسلام کو بچایا، اور پھیلایا جائے، اور کفر وشرک کو مٹایا جائے۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" دسمبر ۲۰۰۹ء)

سوال: (۱۵۱): حکومتوں کے خلاف جب بھی اور جو بھی مزاحمت اٹھتی ہے تو ان چار قسم کی مزاحمتوں سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ اور مزاحمت کی چاروں قسمیں سیاسی ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان چار شقوں سے کس شق میں شمار کیا جائے؟ بہرحال سیاسی عمل کہلائے گا۔

① حصولِ اقتدار کے لیے سرگرمی۔
② کسی حکومت کے خلاف یا اس کی کسی پالیسی کے خلاف مزاحمت۔
③ ملک کے نظام قانون کے خلاف یا پورے نظام کی تبدیلی اور حکومت کا ڈھانچا بدلنے کے لیے سرگرمی۔
④ بیرونی ممالک کی مداخلت اور ان کی پالیسی اور سرگرمیوں کے خلاف مزاحمت۔

قیامِ حسینی کو سیاسی قیام قرار دینے پر آپ کیا فرمائیں گے۔ اپنی تحقیق وفکر سے روشناس کرائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: سیاست کا لفظ جو بدنام ہوا ہے تو وہ مکیالوی یا معاویہ کی سیاست کی وجہ سے، ورنہ فی حد ذاتہ اس لفظ میں نہ کوئی خوبی ہے اور نہ خرابی۔ سیاست سے اچھائی کا حاصل کرنا یا برائی سے دور رہنا مراد لی جائے تو

پھر کہنا پڑتا ہے کہ دین عین سیاست ہے اور سیاست عین دین ہے۔ ان کی باہمی جدائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بقول اقبال:

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

آپ چاہیں تو اسے دینی انقلاب کا نام دیں، یا کفر واسلام، ایمان، بے ایمانی یا حق وباطل کی جنگ تھی اور چاہیں تو اسے سیاسی جنگ کی تیسری قسم قرار دیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے پورے نظام یزیدیت کی تبدیلی اور حقیقی نظام اسلام کے نفاذ کی خاطر یہ جنگ لڑی تھی۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

؎ الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو موتی کی طلب ہے نہ صدف کی

اور یہی غرض وغایت ہماری عزاداری منانے کی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ:

؎ افعالِ یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے الفت پیدا ہو
اس واسطے ان کے درد بھرے احوال سنائے جاتے ہیں

سوال: (۱۵۲): بدعت وہ کام ہے جو مذہب کے نام پر کیا جائے، لوگ اسے دین کا جزو سمجھیں۔ حالانکہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ حوالہ کتاب "سخن" از شہید مطہری صفحہ ۱۵۴ ہمارے ہاں عزاداری جو پاک وہند میں ہوتی ہے اس کی تمام رسوم کو دین سمجھا جاتا ہے۔ اس عنوان سے پاکستان میں ایک عالم کافی واضح وعیاں تحریر کررہے ہیں۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "اصلاح الرسوم" میں بہت وضاحت وصراحت سے حقائق بیان کردیے ہیں۔ بدعت کی تعریف اور اس سے متعلقہ مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ جہاں تک عزاداری منانے کا تعلق ہے تو یہ ایک فطری تقاضا ہے کہ ہر محب صادق اپنے محبوب کی

CamScanner

خوشی اور غم میں اس کا شریک ہوتا ہے ۔ کیونکہ جہاں آگ جلتی ہے وہی جگہ گرم ہوتی ہے ۔ اور جہاں تک اس کے رسوم کا تعلق ہے تو وہاں ان کے جواز اور عدم جواز کا میزان اللہ تعالیٰ کا قرآن اور چودہ معصومین کا فرمان ہے ۔

لہٰذا جو رسم اس کے مطابق ہے وہ جائز ہوگی اور جو ان سے متصادم ہوگی وہ ناجائز ہوگی ۔ اس کی تفصیل "اصلاح الرسوم" میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ جس عالم کی تحریر کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، اگر اس میں افراط نہ ہوتا تو اچھی تھی مگر افراط ہو یا تفریط، دونوں مذموم ہیں ۔

سوال: (۱۵۳): کتاب مذکور یعنی "سخن" از شہید مطہری کے صفحہ ۲۰۰ پر لکھا ہے: بشرطیکہ یہ مان لیا جائے کہ آدمؑ بھی پیغمبر تھے اور ان کا بھی کوئی معجزہ تھا ۔ کیونکہ بعض کا خیال ہے کہ آدمؑ پیغمبر نہ تھے، آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ جناب آدم علیہ السلام پیغمبر تھے ۔ اور بنص قرآن "انی جاعل فی الارض خلیفۃً" "خلیفۃ اللہ" تھے ۔ اور اس پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے ۔

سوال: (۱۵۴): اے محمدؐ! تجھے پیدا نہ کرتا یا اے محمدؐ و آلِ محمدؐ! تمھیں پیدا نہ کرتا تو زمین و افلاک یعنی کائنات کچھ بھی نہ بناتا ۔ یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ باعثِ تخلیق کائنات ہیں ۔ ہماری یا اہلِ سنت کی کس کتاب میں کن الفاظ پر مشتمل حدیث ہے، مستند یا غیر مستند؟

جواب: باسمہ سبحانہ: کسی بھی چیز کے وجود میں آنے کی چار علتیں ہوتی ہیں، جن کو علل اربعہ کہا جاتا ہے:

① علت مادی ② علت صوری

③ علت فاعلی ④ اور علت غائی

ہمارا عقیدہ ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام علت غائی کائنات ہیں ۔ یعنی خداوند علیم و حکیم نے ان کی خاطر اور ان کی وجہ سے کائنات ارضی و سماوی کو پیدا کیا ہے، جیسا کہ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں صراحت فرمائی ہے: "ان اللہ خلق الخلق لہ و لاھل بیتہ" کہ خدا نے تمام مخلوق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اہلِ بیتؑ کی خاطر پیدا فرمائی ہے ۔

اور اس موضوع کی صحت پر بہت سے عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں، جن کا ایک شمہ ہم نے "احسن الفوائد" میں بیان کیا ہے ۔ یہ حدیث جس کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے، یعنی "لولاك لما خلقت الافلاك" اگرچہ مشہور بہت ہے مگر آج تک کسی شیعی یا سنی کتاب میں سند کے ساتھ نظر قاصر سے نہیں گزری ۔ اور شیخی فرقہ تو ان ذواتِ مقدسہ کو کائنات کی علل اربعہ جانتا ہے ۔ جیسا کہ احسائی نے "شرح الزیارۃ" میں صراحت کی ہے ۔ جو کہ سراسر کفر ہے ۔ اسکی تفصیل "اصول الشریعۃ" میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

سوال: (۱۵۵): حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا، اور باطل سے اجتناب نہیں کیا جاتا ۔ ان حالات میں ہر مومن کا فرض ہے کہ شہادت کے لیے تیار ہو جائے ۔ کیا امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد مقصد حسینؑ پورا ہوا؟ کیا حق پر عمل اور باطل سے اجتناب ہونے لگا؟ نیز امام حسین علیہ السلام کے علاوہ دیگر ائمہ کا قیام نہ فرمانا اس وقت حق پر عمل ہونے اور باطل سے اجتناب کا مرہون منت تھا؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اگر بنظر تحقیق اس وقت کے حالات و کوائف کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ بالا کلمات ارشاد فرمائے اس وقت حق کو حق اور باطل کو

باطل سمجھا ہی نہیں جا رہا تھا، بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھا جا رہا تھا۔ یعنی حق و باطل کے پیمانے ہی بدل گئے تھے۔

لہٰذا امام عالی مقام علیہ السلام نے جام شہادت نوش کر کے قیامت تک حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دیا۔ لہٰذا اگر شہادت کے بعد اور دوسرے ائمہ اہل بیتؑ کے ادوار میں اگر حق پر پوری طرح عمل نہیں ہوا اور باطل سے مکمل طور پر اجتناب نہیں ہوا تو کم از کم حق و باطل کے پیمانے تو بحال ہو گئے۔ اور عامۃ الناس حق کو حق اور باطل کو باطل تو سمجھنے لگے۔ کائنات پر واضح و آشکار ہو گیا کہ حسینیت کیا ہے؟ اور یزیدیت کیا ہے؟ اور حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟۔ اور یہی بات کسی بھی ہادی اور رہنما کی اپنے مقصد میں کامیابی کی بڑی دلیل ہے اور وجوب قیام کے ساقط ہونے کے لیے کافی ووافی ہے۔

سوال: (۱۵۶): عزاداری سیّد الشہداءؑ نے ہی اسلام اور مذہب تشیع کا آج تک تحفظ کیا ہے، آپ کیا تبصرہ فرمائیں گے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ کہنا تو مبالغہ پر مبنی ہے کہ عزاداری سیّد الشہداءؑ نے ہی اسلام اور مذہب شیعہ کا تحفظ کیا ہے۔ ہاں البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ مقصد شہادت حسینؑ یعنی دین اسلام، مذہب تشیع اور انسانیت کی بقا میں دوسرے عوامل کے علاوہ عزاداری سیّد الشہداءؑ کا بڑا حصہ ہے۔ تاریخ اسلام کے تاریک ترین ادوار میں بھی اہل ایمان کا مجالس عزا کے نام پر جمع ہونا اور حقائق اسلام اور دقائق مذہب کا بیان کرنا اور مقصد شہادت حسینؑ کا تذکرہ کرنا اور اس مقصد پر عمل کرنے کا جذبہ اس بات نے احیاء اسلام و مذہب میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ دین اور اس کے قیام میں علماء اعلام کے حکم و بیان اور ان کی تصانیف و تالیفات اور اہل علم و ایمان کے امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر کے اس سلسلہ میں مثبت کردار ادا کرنے کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس طرح ان شہیدانِ راہِ حق کی شہادتوں کے آثارِ خالدہ کا بھی انکار ممکن نہیں ہے جنھوں نے اپنی زندگیوں کے چراغ گل کرا کر بھی اسلام و ایمان کی شمع کو ہر حال میں روشن رکھا۔ جزاھم اللہ عن الحق و اھلہ خیر الجزاء۔

ے چه خوش رسمے بنا کردند بخاك و خون غلطیدن

خدا رحمت کند آں عاشقانِ پاك طینت را

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جنوری، فروری ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۵۷): عزاداری کی مثالی شکل اور خد و خال کیا ہیں۔ اگر مروجہ رسومات جو علاقاتی روایات کی مرہون منت ہیں، یکسر عزاداری سے باہر نکال دی جائیں تو عزاداری کی کیا شکل وصورت رہ جائے گی؟ جو رسومات و روایات سے پاک ہو، اور خالصۃً عزاداری کہلا سکے؟ کیا ان رسومات سے اجتناب کر کے کوئی مومن عزادار کہلا سکتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: عزاداری کی مثالی شکل وصورت اور اس کے خد و خال وہی ہیں جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ اہل بیتؑ کے ادوار میں تھے۔ مثلاً مظلوم کربلا کی صف ماتم بچھائی جائے اور علاقہ کے اہل ایمان کو اطلاع دی جائے اور مقررہ وقت پر کوئی خطیب ان مظالم پر جو مظلوم کربلا پر حق کی خاطر ڈھائے گئے اور ظالموں کے ظلم کو بے نقاب کرے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام عالی مقام علیہ السلام کی شہادت کا مقصد بیان کرے اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے یہ سب کچھ دین اسلام کی بقاء اور امت محمدیہؐ کی فوز وفلاح کے لیے کیا ہے تو پھر دین اسلام کے اصول وفروع اور اس کی تعلیمات مقدسہ کا تذکرہ کیا

جائے ۔جس میں بقدر ضرورت اہلِ بیتؑ کے فضائل اور ان کے دشمنان کے رذائل کا بھی تذکرہ کیا جائے اور سب سے بڑھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جائے ۔

سیّد الشہدؑاء علیہ السلام کی عزاداری غلط رسوم و قیود اور جاہلی ادوار کی روایات کی محتاج نہیں ہے ۔

اور اگر بعد والے ائمہ اور اہلِ ایمان عزادار حسینؑ کہلا سکتے تھے تو ہم کیوں نہیں کہلا سکتے؟

؏ حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

ہاں البتہ اگر عزادارانِ حسینؑ اگر جلوس نکالیں جس میں عزاداروں کا سادہ طرز میں مظلوم کربلا کے مصائب اور ظالموں کے ظلم کا تذکرہ کیا جائے ، عامۃ الناس اور جلوس کو دیکھنے والے لوگ ظالم سے نفرت کریں اور مظلوم سے الفت تو یہ بات مقصد عزاداری کے لیے سونے پر سہاگے کا کام دے سکتی ہے ۔ بشرطیکہ اس جلوس میں کسی منکر اور خلافِ شرع کام کا ارتکاب نہ کیا جائے ۔مثلاً خواتین شامل نہ ہوں ، اور اگر ہوں تو باپردہ ہوں ، نماز یا کسی دوسرے رکن دین کو ضائع نہ کیا جائے ۔

بلکہ جب اور جہاں نماز کا وقت فضیلت داخل ہوجائے تو وہیں جلوس روک کر کربلا والوں کی تقلید و تاسّی میں نماز ادا کی جائے ۔تاکہ عزاداری کی تاثیر دوبالا ہوجائے ۔ اور حق کا بول بالا اور باطل کا منہ ہمیشہ کے لیے کالا ہوجائے ۔

نوٹ: اور اگر بعد مکانی و زمانی کی وجہ سے عزادار کوئی شبیہ بنانا چاہیں جیسے روضہ سیّد الشہدؑاء کی شبیہ اور سرکار وفا کے علم کی شبیہ جو بے جان کی بے جان تصویر ہونے

یا سرکار امام عالی مقامؑ کے گھوڑے کی شبیہ ذوالجناح جو جاندار کی جاندار شبیہ ہونے کی بنا پر بنانا جائز ہے تو بنا سکتے ہیں، تاکہ واقعہ کربلا کو تمثیلی شکل میں پیش کیا جاسکے، بشرطیکہ ان پر کوئی حرام کام نہ کیا جائے ، جیسے سجدہ یا چڑھاوے اور منت وغیرہ وغیرہ اور اگر سادہ ماتم کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

سوال: (۱۵۸): توکل کا صحیح مقام اور تعریف کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں اکثر لوگوں نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے ۔اکثر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ کہ آدمی کسی مقصد کے حصول کے لیے کوئی عملی جد و جہد نہ کرے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور خدا پر بھروسا کرے ۔ جب کہ یہ بات غلط ہے ۔ یہ عالم اسباب ہے ۔ہر چیز سبب و مسبّب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے ۔

لٰہذا جب آدمی کوئی مقصد حاصل کرنا چاہے تو اس کے حصول کے جو اسباب ہیں ان کو فراہم کرے ۔مگر ان کو کامیابی کی کلید نہ سمجھے، بلکہ اپنے خالق و مالک پر بھروسا کرے کہ اگر اس کو منظور ہوا تو اسباب اپنا اثر دکھائیں گے ۔ ورنہ سب کچھ دھرا کا دھرا رہ جائے گا ۔پس جد و جہد کرنے اور نتیجہ خدا کے حوالے کرنے کا نام توکل ہے ۔"فعلی اللہ فلیتوکل المومنون" مومنوں کو اپنے اللہ پر توکل وانحصار کرنا چاہیے ۔ونعم ما قیل:

؎ گفت پیغمبر بآوازِ بلند بر توکّل زانوئے اشتر ببند

سوال: (۱۵۹): اور اے فضیل! کیا تم لوگ ہمارے جد بزرگوار امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر مجالس برپا کرتے ہو؟ ہاں مولا! ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں ۔ہم ایسی مجالس برپا کرتے ہیں ۔امامؑ نے فرمایا: ہم ایسی مجالس سے محبت کرتے ہیں ۔ ہمارے امر کو زندہ کرو ۔خدا اس پر رحم فرمائے جو ہمارے امر کو

زندہ کرے ۔ جو شخص ایسی مجالس میں بیٹھے گا کہ جہاں اس امر کا احیاء ہوتا ہو تو اس کا دل قیامت کے دن زندہ ہوگا، جب کہ ہر دل اس روز مردہ ہوگا ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس امر ائمہ سے کیا مراد ہے" جو کہ محتاجِ احیاء ہے؟ عرب کے لوگ دور جاہلیت میں بھی امر سے مراد حکومت اور سیادت لیتے تھے اور خود پیغمبرؐ بھی امر سے مراد حکومت اور سیادت لیتے تھے ۔عرف عام میں بھی مسلمانوں کے یہاں امر سے مراد حکومت کے ہی معنی لیے جاتے رہے ہیں ۔حضورؐ نے دعوتِ ذوالعشیر ہ میں بھی امر سے مراد حکومت اور حضرت علیؑ کو اپنے بعد وصی و خلیفہ قرار دیا ہے ۔جس سے مراد حکومت ہی تھا ۔حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳ میں فرمایا: امر (خلافت) کے لیے جب میں نے قیام کیا تو ایک گروہ نے بیعت کو توڑ ڈالا اور دوسرے منحرف ہو گئے ۔خطبہ نمبر ۳ میں خطبہ دیا کہ ایک شخص نے کہا کہ تم امر حکومت (خلافت) پر بہت حریص ہو ۔میں تمہارے مقابلے میں کہیں زیادہ حق دار ہوں ۔

مشرکین، مسلمین، مومنین، اور حضورؐ، امیر المومنینؑ سب کے سب امر سے مراد سیادت و خلافت اور حکومت لیتے تھے ۔خود قرآن میں امر سے مراد حکومت لیا ہے ۔سورۃ نساء آیت ۵۹: اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبانِ امر (حکومت) ہوں، ان کی اطاعت کرو ۔

حضرت امام حسینؑ کے خطبات اور ارشادات سے اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور یزید کے خلاف امام کے قیام کے مقصد و ہدف پر گہری نظر ڈالی جائے تو بھی یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپ کے قیام کا بھی مقصد اس امر خلافت سے تعلق رکھتا تھا ۔تا کہ حکومت الٰہیہ کہ جس کی بنیاد پیغمبر اسلامؐ ڈال کر گئے تھے وہ غاصب اور نا اہل لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر اپنے صحیح اور

اہل مرکز کی طرف پلٹ آئے ۔(حوالہ عزاداری کیوں؟) آپ ہر پہلو پر جامع تبصرہ اور جواب سے نوازیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ سارا مضمون غلط ہے ۔کیونکہ اس پورے مضمون کی عمارت کا سنگ بنیاد ہی غلط ہے ۔لہٰذا بموجب:

؎ خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

جاہلیت کے دور میں امر سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ اس پر تو کوئی جاہلی دور کا آدمی ہی روشنی ڈال سکتا ہے ۔مگر جہاں تک قرآن اور سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام کے فرمان کا تعلق ہے، تو بلا اشکال اس سے مراد دین اسلام، مذہب حق ہی مراد ہے ۔مثلاً پہلی حدیث جس میں امام ثامن ضامن کا فضیل سے یہ فرمانا مذکور ہے کہ اے فضیل! کیا تم آپس میں مل بیٹھ کر ہماری احادیث کا تذکرہ کرتے ہو؟ راوی نے عرض کیا: ہاں مولا! فرمایا: میں ایسی مجالس کو پسند کرتا ہوں ۔پھر فرمایا: خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمارے امر یعنی ہمارے دین و مذہب کو زندہ کرے ۔ (بحار الانوار وغیرہ)

ظاہر ہے کہ ان مجالس اور اس میں تذکرۂ احادیث کا حکومت اور سیادت سے کیا تعلق ہے؟ اس طرح دعوت ذوالعشیر ہ کے موقع پر حضرت رسولِ خداؐ نے جو یہ فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس امر یعنی اس دین کی نشر و اشاعت میں میرا ہاتھ بٹائے؟ جو دین میں لایا ہوں (جس کا تذکرہ ابھی ابھی فرما چکے تھے) اس طرح حضرت امیر علیہ السلام کے خطبوں میں بھی اس امر سے مراد خلافت ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ خلافت سے مراد پیغمبر اسلامؐ کی نیابت ہے اور کسی نبی کے لیے حکومت کا ہونا شرط نہیں ہے، ورنہ اکثر انبیاء کی نبوت کا بھی انکار کرنا پڑے گا ۔

CamScanner

اور ظاہر ہے کہ کسی بھی نبی ورسول کا حقیقی کام دین کا ابلاغ ہی ہوتا ہے ۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (سورۃ النساء:۱۶۵)

اور جہاں تک آیت اولی الامر کا تعلق ہے اس میں امر سے مراد حکومت لے کر تو مذہب حق کا جنازہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ یہی بات تو مخالفین کہتے ہیں کہ چونکہ اولی الامر سے مراد حکام وقت ہیں ۔ اور چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقت میں اقتدار اور تمام زمام حکومت یزید کے پاس تھی ۔

لہٰذا امام حسین علیہ السلام پر یزید کی اطاعت لازم تھی (العیاذ باللہ) اور ظاہر ہے کہ یہ حکومت صرف پونے پانچ سال حضرت امیر علیہ السلام کو ملی یا پھر چھ ماہ تک حضرت امام حسن علیہ السلام کو حاصل ہوئی اور باقی دس امام اس سے محروم رہے ۔ تو کیا وہ اولی الامر کے مصداق نہ تھے؟ (العیاذ باللہ)

ہاں البتہ ظاہری حکومت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ دین و مذہب کو قائم کرنے اور احکام شریعت نافذ کرنے کا ایک ذریعہ ضرور ہے ۔ مگر اصل ہدف اور مقصد نہیں ہے ۔

جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: اگر اس حکومت سے میرا مقصد حق کا قائم کرنا اور باطل کا مٹانا نہ ہوتا تو میں ناقۂ خلافت کی مہار اس کی کوہان پر ڈال دیتا کہ جہاں اس کا جی چاہے چلی جائے ۔ (نہج البلاغہ)

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مارچ ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۶۰): حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقصد شہادت کیا تھا؟ کیا ان کا مقصد حکومت پر قبضہ کرنا تھا؟ کیا امام حسین علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ بلادِ

اسلامی خصوصاً عراق اور کوفہ پر حکومت کریں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: "بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم" کہ کچھ عرصہ سے خلافت نبویہ کو جس نہج پر چلایا جا رہا تھا اس نے بتدریج قیصر و کسریٰ کی ملوکیت کی شکل وصورت اختیار کر لی تھی ۔ اب کھلے بندوں حکام اسلام احکام اسلام کی مخالفت کرتے تھے اور ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا ۔ عبادت و اطاعت میں شب زندہ داری کی جگہ راتیں داد عیش وعشرت دینے میں گزاری جاتی تھیں ۔ پانی کی بجائے اب دور جام وسبو چلتا تھا ۔ محرمات ابدیہ سے اب جنسی خواہش کی تسکین جائز سمجھی جاتی تھی اور نام نہاد حکام اسلام کے ان کافرانہ افعال کو عین اسلام قرار دیا جاتا تھا ۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں اگر نواسۂ رسولؐ اور جگر گوشۂ بتولؑ حسینؑ بن علیؑ خاموش تماشائی بن کر ان حالات کو دیکھتے رہتے ، یا یزید عنید کی بیعت کر لیتے تو پھر اس کے کافرانہ وملحدانہ خیالات و حالات پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ۔ ایسے حالات میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے بیعت یزید کا انکار کر کے اور شہادت کا راستہ اختیار کر کے تمام عالم پر اس حقیقت کو آشکار کر دیا کہ اسلام اور ہے اور موجودہ مسلمانوں کا بالخصوص ان کے حکمرانوں اور بالاخص یزید پلید کا کردار اور ہے ۔

اس طرح امام عالی مقام علیہ السلام نے جام شہادت پی کر قیامت تک اسلام کو ایک زندۂ جاوید حقیقت بنا دیا اور یزید کے کافرانہ افعال واعمال کو بے نقاب کر دیا ۔ اس موضوع کی باقی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب "سعادت الدارین" کے بارھویں باب کا مطالعہ کریں ۔

سوال: (۱۶۱): جہاں سے آیا ہوں مجھے واپس جانے دو اور اگر یہ منظور نہیں

CS CamScanner

ہے تو مجھے کسی اور سرحد میں جانے دو ۔(امام حسینؑ)

جب قیام کا مقصد تحفظ اسلام تھا تو اپنے قیام کے مقصد سے دست بردار کیوں ہوئے؟ جب مدبرین آپ کو حالات سے آگاہ کرتے تو آپ خاموش رہتے یا شہادت کی خبر دیتے ۔اب واپسی کا مطالبہ کیوں؟ آپ کو جناب مسلم اور ہانی کی شہادت کی خبر مل چکی تھی ۔آپ اپنی شہادت اور خواتین کی اسیری کی خبریں دیتے رہے ۔پھر اب یہاں پہنچ کر کسی سرحد پر جانے کا مطالبہ کیوں؟ اور ابن سعد سے جنگ کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کرنے کے لیے مذاکرات کیوں؟ اگر مقصد قیام حکومت الٰہیہ کا قیام تھا، نہ یزید تخت سے اترا، نہ امام تخت نشین ہوئے ...... ظاہری اسباب عنقا ہیں ۔بچے اور عورتیں ہمراہ ہیں ۔پھر یہ منصوبہ بندی کن محرکات کی مرہون منت ہے؟

ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائیں، تاکہ پورے پاکستان میں "دقائق اسلام" کے ذریعے سے وضاحت اور اصلی شکل سامنے آجائے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: مقصد شہادت کی اوپر سوال نمبر ۱۶۰ کے جواب میں کما حقہٗ وضاحت کر دی گئی ہے، اور جہاں تک امام حسین علیہ السلام کے کسی سرحد کی طرف جانے کی خواہش کا تعلق ہے تو میں نے "سعادۃ الدارین" کے بیسویں باب میں اس کا بے بنیاد ہونا اور اس کا خلافِ درایت و روایت ہونا ثابت کیا ہے ۔یہی وہ امام حسینؑ ہیں جنھوں نے روزِ عاشوراء فرمایا تھا کہ: "الا ان الدعی بن الدعی قد رکزبین اثنتین بین السلة و الذلة" ...... کہ حرام زادہ بن حرام زادہ نے مجھے دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے ۔موت یا ذلت ...... تو ہم شریفانہ موت کو کمینوں کی اطاعت پر ترجیح دیں گے ۔(تاریخ طبری و کامل)

عقبہ بن سمعان واقعہ نویس کربلا کا بیان ہے کہ میں حضرت امامؑ کے مدینہ چھوڑنے کے وقت سے لے کر ان کی شہادت کے وقت تک آپ کے ہمراہ رہا ۔اس پورے سفر وحضر میں امامؑ کی زبان حق ترجمان سے کبھی وہ جملہ نہیں سنا جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ امامؑ نے واپسی کا مطالبہ کیا تھا، یا کسی سرحد کی طرف جانے کا تقاضا کیا تھا یا بیعت یزید کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا ۔

(تاریخ طبری)

یہ ابن سعد ملعون کی تہمت تراشی ہے یا اس کے ہمنواؤں کی الزام سازی ہے، ورنہ امام علیہ السلام اوّل سے آخر تک اپنے مقصد قیام اور اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹے رہے ۔یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا ۔

بقول مولانا ظفر علی خان حضرت امام عالی مقامؑ نے گردن کٹوا کر اور نوکِ نیزہ پر بلند کروا کر اہل عالم کو یہ غیورانہ پیغام دیا کہ:

؎ چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نوکِ سنان پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

سوال: (۱۶۲): علماء اصول دین اور اعتقادی مسائل میں یہ کہتے ہیں کہ اصولِ دین وعقائد میں تقلید صحیح نہیں ہے، بلکہ تحقیق ہونا چاہیے اور فروعِ دین میں تقلید ہوسکتی ہے ۔جب کہ قرآن، احادیث اور عقل تقلید کو چاہے وہ اصول میں ہو یا فروع میں مذموم قرار دیتے ہیں اور تحقیق کو ضروری قرار دیتے ہیں ۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ علماء اصولِ دین میں تقلید ناجائز اور فروعِ دین میں ضروری قرار دیتے ہیں، اس کی کیا توجیہ ہے، یا دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اصول کے اعتقاد رکھنے اور فروع پر عمل کرنے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اصول میں عقیدہ رکھا جاتا ہے اور عقیدہ میں یقین لازم ہوتا

CamScanner

ہے اور یقین دلیل و برہان سے حاصل ہوتا ہے ۔اور فروع دین میں چونکہ یقین کی بجائے وہ ظن کافی ہے جو شرعاً معتبر ہے ۔لہٰذا وہاں دلیل کو لازم قرار نہیں دیا گیا ۔

علاوہ بریں یہ کہنا کہ قرآن وسنت اور عقل میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے، یہ بات علیٰ الاطلاق درست نہیں ہے، بلکہ جس تقلید کی مذمت کی گئی ہے وہ کورکورانہ تقلید ہے ۔جس طرح کفار ومشرکین حق وحقیقت کے بالمقابل اپنے آباء واجداد کی کورکورانہ تقلید کا سہارا لیتے تھے ۔ورنہ پورے عالم انسانیت کا نظام آسیائے تقلید کی کِلّی کے اِردگرد گھوم رہا ہے ۔علاج کرانا ہو تو اچھے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پھر اس کی تشخیص وتجویز پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہیں ۔مقدمہ لڑنا ہو تو اچھے وکیل کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور پھر اس کی ہدایات کے مطابق بلاچوں و چراں عمل کرتے ہیں ۔اور اگر مکان بنوانا ہو تو اچھے کاریگر کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور اس کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق عمارت کھڑی کرتے ہیں ۔

اسی طرح بلا تشبیہ دینی مسائل معلوم کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے پہلے ایک جامع الشرائط مجتہد کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ عالم اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومینؑ کے فرمان کے سوا اور کوئی فتویٰ نہیں دیتے ۔لہٰذا ہر مسئلہ پر اس سے دلیل کا مطالبہ کیے بغیر اس کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں ۔یہ وہ عقلائی طریقہ کار ہے جس کے انکار کرنے کی کوئی سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان جرأت نہیں کرسکتا ۔

ارشادِ قدرت ہے: "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون" جس چیز کا تمھیں علم نہیں ہے اس کے بارے میں اہلِ ذکر سے سوال کرو ۔ "فطرة الله التی فطر الناس علیها" یہ دین فطرت ہے اور یہ ہے فطرت کا تقاضا ۔

ع اس کے سوا جو کچھ بھی ہے مایۂ وہم و خیال ہے

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اپریل ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۶۳): دنیا اکثر و بیشتر اپنے اصول دین اور اعتقادات میں تقلید پر ہی اکتفا کرتے ہیں، جو اعتقادات کے بارے میں دلیل و برہان پیش کرنے سے قاصر ہیں ۔اور علماء فرماتے ہیں کہ اصولِ دین میں تقلید جائز نہیں ہے، تو کیا ان سب کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا، یا تقلید سے حاصل کیا ہوا اعتقاد ان کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: چونکہ بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ دلیل و برہان سے علم و یقین حاصل ہوتا ہے (جو کہ اصولِ دین میں درکار ہے) اور تقلید سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے (جو کہ اصولِ عقائد میں کافی نہیں ہے) مگر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شکی مزاج شخص کو دلیل و برہان سے بھی یقین حاصل نہیں ہوتا ۔ جب کہ ایک سادہ لوح شخص کو صرف تقلید سے ایسا علم ویقین حاصل ہو جاتا ہے جو کسی مشکک کی تشکیک سے بھی زائل نہیں ہوتا ہے ۔

جیسا کہ اہلِ علم میں مشہور ہے کہ ایک بار محقق طوسی سفر کرتے ہوئے ایک دہقان کے پاس سے گزرے جو بیلچہ لے کر کام کر رہا تھا ۔آپ نے اس دیہاتی سے پوچھا کہ آیا خدا موجود ہے؟ اس نے بڑے جوش و جذبہ سے جواب دیا: بے شک (موجود ہے) محقق طوسی نے فرمایا: اور اگر کوئی یہ کہے کہ خدا موجود نہیں ہے تو تُو کیا کرے گا؟ اس نے کہا کہ پھر میں یہ بیلچہ اس کے سر پر مار کر اس کا کام تمام کر دوں گا ۔

یہ سن کر محقق طوسی نے فرمایا: یقین کی جس منزل پر یہ دہقان فائز ہے وہ تو ہمیں بھی حاصل نہیں ہے ۔بنابریں ایسے لوگوں کے اسلام وایمان میں کیا کلام

ہوسکتا ہے۔ اور اگر علمی اِصطلاح میں گفتگو کی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ دلائل
و براہین کو طریقی حیثیت حاصل ہے، ان کو موضوعی حیثیت حاصل نہیں ہے۔
یعنی اصل مقصد علم ویقین کا حاصل کرنا ہے۔ وہ جہاں سے اور جس طرح بھی
حاصل ہوجائے۔ واللہ الموفق۔

سوال: (۱۶۴): کیا اسلام و مسلمین کے موجودہ فرقوں کے پاس موجودہ عقائد
من وعن اول اسلام سے تھے یا حوادث وواقعات اور وقت گزرنے کے ساتھ
بعض عقائد ختم اور بعض عقائد کا اضافہ ہوا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اوائل اسلام میں جب اسلام ایک تھا، اس کا بنانے
والا (خدا) ایک، لانے والا (مصطفیٰؐ) ایک، اور اس کے پھیلانے اور بچانے
والے گو تعداد میں بارہ تھے مگر ان کا قول بھی ایک اور عمل بھی ایک۔ لہٰذا اس
کے اصول وفروع اور قواعد وضوابط بھی ایک تھے۔

ہاں پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد جب اہلِ اسلام
نے وہ دروازہ بھلا دیا جو آپ اپنے حین حیات میں ان کو دکھا کے گئے تھے،
اور ان کا دامن چھوڑ دیا جن کا دامن آپ اپنی امت کے ہاتھوں میں تھما کے
گئے تھے، تب وہ مختلف فرق ومسالک میں تقسیم ہوگئے۔ بقول شاعر:

؎ و تشعبت شعبا فکل جزیرۃ
فیھا امیر المومنین و منبر

اس وقت سے بعض اصلی عقائد ومسائل متروک ہوگئے اور مرورِ زمانہ کے
ساتھ ساتھ نئے نئے فرقے بھی وجود میں آگئے اور نئے نئے عقائد ومسائل
نے بھی جنم لیا۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ جناب مولانا شبلی
نعمانی نے اپنی کتاب "علم الکلام" میں اس کی وضاحت کی ہے۔

اور اب رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اسلام ایک تھا مگر تعبیریں
تہتر (۷۳) ہیں۔ قرآن ایک تھا مگر تفسیر میں (۷۳) تہتر ہیں۔ لہٰذا اصلی اور نقلی
اور رسمی اسلام میں امتیاز کرنا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہوگیا ہے۔

سوال: (۱۶۵): ہمارے ہاں لوگ کہتے تو یہ ہیں کہ عقائد میں تحقیق وجستجو اور
اجتہاد ناگزیر ہے مگر جن لوگوں نے عقائد پر کتابیں لکھی ہیں انھیں بے چون و
چرا مِن وعن قبول کرتے ہیں۔ کبھی اثناء بحث میں شیخ مفید کا حوالہ دیتے ہیں
اور کبھی شیخ صدوق کا اور کبھی علامہ حلی کا۔ جب کہ یہ مجتہدین خود عقائد میں تقلید کو
حرام قرار دیتے ہیں۔ مقصد بحث یہ ہے کہ جیسا کہ زاویۂ ارشادی میں بیان ہوا
، علماء سے ہدایت وراہنمائی لینی چاہیے۔ اس کے بعد اپنی عقل استعمال کرتے
ہوئے کوئی عقیدہ اور نظریہ قائم کرنا چاہیے۔

جواب: باسمہ سبحانہ: علماء اعلام اپنی (علم الکلام پر لکھی جانے والی)
کتابوں میں جب عقائد اسلامیہ اور نظریات ایمانیہ پر بحث کرتے ہیں تو وہ
سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن) سے استدلال کرتے ہیں تفسیر اہلِ
بیتؑ کی روشنی میں۔ بعد ازاں سرکار محمدؐ وآل محمدؐ کے فرامین سے استدلال کرتے
ہیں۔ پھر علماء اعلام کے فرمان سے استدلال کرتے ہیں اور سب کے آخر میں
قرآن، چودہ معصومینؑ کے فرمان اور علماء اعلام کے کلام سے جو کچھ حاصل کیا
ہے اس کی صحت وصداقت پر عقلی برہان قائم کرتے ہیں۔

ہاں اس دوران وہ کبھی کبھار کسی بزرگ عالم دین جیسے حضرت شیخ صدوق
یا حضرت شیخ مفید یا حضرت علامہ حلی وامثالہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کلام
حق ترجمان کا حوالہ بھی دیتے ہیں، تو اسے تائید کہتے ہیں، نہ کہ تقلید۔ تاکہ کوئی
کوتاہ اندیش ان پر یہ الزام عائد نہ کرے کہ وہ اس نظریہ میں منفرد ہیں۔ تو وہ

CS CamScanner

اس تو ہم کے ازالہ کے لیے کسی بزرگ عالم کے کلام کا حوالہ دے دیتے ہیں، تا کہ ان پر انفرادیت کا الزام عائد نہ ہو، بلکہ ثابت ہوجائے کہ:

ع متفق گردید رائے بو علی با رائے من

☆

ع اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

سوال: (۱۶۶): کچھ لوگ اپنے اور بڑے کاموں کی انجام دہی کے لیے یہاں تک کہ سفر کرنے کے لیے بھی اچھے اور بُرے وقت نیک و بد دن کی تلاش میں رہتے ہیں اور قمر در عقرب کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اصل حقیقت قرآن وحدیث سے بیان فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: سعد ونحس ایام اور نیک و بد ساعات کی بحث قدیم الایام سے جاری وساری ہے، اور قرآن وسنت سے بھی ایام کے سعد ونحس ہونے کا تصور اجاگر ہوتا ہے۔ اسی طرح قمر در عقرب میں عقد وازدواج کی مذمت میں بعض اخبار وآثار ملتے ہیں۔ اور بعض آیات واحادیث سے اور حالات وواقعات سے اس بات کی مذمت واضح ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کبار کے انظار میں بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض علماء کرام ان چیزوں کو قدرے اہمیت دیتے ہیں اور بعض بالکل اہمیت نہیں دیتے۔ میں نے بھی اس موضوع پر "اِصلاح الرسوم" میں اور اپنے بعض مضامین میں تبصرہ کیا ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ اگر آدمی فارغ ہو اور کسی قسم کی کوئی جلدی نہ ہو تو اگر وہ ان چیزوں کا لحاظ رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مگر ان چیزوں کو اس قدر اہمیت بھی نہیں دینی چاہیے کہ ان کی وجہ سے

اہم اور ضروری کاموں کو ملتوی کر دیا جائے یا مقررہ وقت سے مؤخر کر دیا جائے۔ دن سعد ہو یا نحس اور ساعت نیک ہو یا بد اور کوئی ضروری کام کرنا ہو تو ضرور کرے اور مزعومہ نحوست کے آثارِ بد سے بچنے کے لیے دو چیزیں موجود ہیں۔ ایک دعا اور دوسرا صدقہ۔

خلاصہ یہ کہ دن سعد ہو یا نحس اور ساعت نیک ہو یا بد، جب کوئی ضروری کام انجام دینا ہو تو بس دعا کر لی جائے اور صدقہ دے دیا جائے۔ اور بعد ازاں خدا پر توکل و بھروسا کر کے بصد شوق وہ کام انجام دیا جائے۔

اور بعض خشک تقدس مآبوں کی طرح نہ کیا جائے کہ عام لوگ چاند پر جا کر واپس بھی آ جائیں اور یہ جنتری کھول کر گھر میں بیٹھا رہے کہ آج دن سعد نہیں ہے اور آج ساعت نیک نہیں ہے۔ البتہ جب قمر در عقرب ہو تو عقدِ نکاح کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سوال: (۱۶۷): حضرت عیسیٰؑ فلسطین میں پیدا ہوئے، پھر ان کی والدہ کا جناب عیسیٰؑ کی پیدائش کے لیے کعبہ سے ہٹائے جانے اور حضرت علیؑ کی والدہ کے لیے دیوارِ کعبہ کے شق ہونے کا اصل واقعہ کیا ہے۔ ہر دو پر روشنی ڈالیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ان واقعات کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ جب جناب عیسیٰؑ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو ان کی والدہ ماجدہ خانہ خدا (بیت المقدس) کا طواف کر رہی تھیں، چاہا کہ وہیں جناب عیسیٰؑ کو جنم دیں۔ مگر ہاتف غیبی کی آواز آئی: "یا مریم اخرجی ھذا محل العبادۃ لا مقام الولادۃ" اے مریم! یہاں سے نکل جائیں۔ یہ جگہ عبادت کے لیے ہے ولادت کے لیے نہیں ہے۔ اور جب جناب علیؑ کی ولادت قریب ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ خانۂ خدا (کعبہ) کا طواف کر رہی تھیں۔ لہٰذا پریشان ہوئیں کہ بچہ کو کہاں جنم دیں۔

اس وقت خدائے قدیر نے دیوارِ کعبہ شق کر کے ہاتفِ غیبی کے ذریعہ سے آواز دی: "یا فاطمۃ ادخلی" کہ اے فاطمہ اندر داخل ہو جائیں۔

(انوارِ نعمانیہ از علامہ محدث جزائری)

چنانچہ آپ اندر تشریف لے گئیں اور اپنے فرزند گرامی حضرت امیرؑ کو جنم دیا۔ و لنعم ما قیل:

؎ کسے را میسر نہ شد ایں سعادت بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مئی ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۶۸): قرآن کریم کی سورہ مبارکہ مائدہ آیت نمبر ۵۱ میں ارشادِ قدرت ہے: "اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس میں رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انھیں میں ہوگا"۔ اور سورۂ مائدہ آیت نمبر ۸۲ میں ارشادِ قدرت ہے کہ "تم اہلِ ایمان کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں"۔ ان دونوں آیات ۵۱ اور ۸۲ میں تضاد نظر آتا ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: قرآن مجید کی یہ صفت ہے کہ اس میں اختلاف اور تضاد کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور اس کے کلام اللہ ہونے کی یہ ہی ایک دلیل ہے، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" (القرآن) اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں لوگ بہت اختلاف پاتے۔

لہٰذا نہ قرآن میں کوئی اختلاف ہے اور نہ سورۂ مائدہ کی ان دونوں

آیتوں میں کوئی تضاد ہے۔ بلکہ اس کا مورد و محل الگ الگ ہے۔ یعنی آیت ۵۱ میں یہ شرعی حکم بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور دوستی کریں جس طرح یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

لہٰذا ایک اہلِ ایمان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کو جگری دوست بنائے۔ اور اپنے خصوصی راز و نیاز ان کو بتائے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اور آیت نمبر ۸۲ میں صرف ایک زمینی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ گو یہود و نصاریٰ ہیں تو دونوں مسلمانوں کے دشمن مگر یہود کی نسبت نصاریٰ قدرے مسلمانوں کے قریب ہیں۔ اور چودہ سَو سال کی اِسلامی تاریخ بھی اس بات کی گواہی دے رہی ہے۔ "کما لا یخفی علیٰ من جال خلال تلک الدیار"۔ لہٰذا وہ شرعی حکم اپنی جگہ اور یہ زمینی حقیقت اپنی جگہ۔ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

سوال: (۱۶۹): دین پر عمل کرنے کے لیے جزم و یقین شرط ہے۔ لیکن مجتہدین کے علمیہ رسالوں میں بہت سے مسائل میں احتیاط پر عمل کرنے کا حکم ملتا ہے۔ پس جب خود مجتہد جزم و یقین کی منزل پر فائز نہیں ہے تو ہم کس طرح جزم پیدا کر سکتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: دو چیزوں میں جزم و یقین شرط ہے۔ ایک دین کے برحق ہونے میں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ دوسرے اس کے اصول و عقائد میں (جیسا کہ قبل ازیں اس بات کی کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے) اور جہاں تک فروعِ دین کا تعلق ہے ان میں جزم و یقین کی قطعاً کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق یہاں ظن بھی کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر فروعی احکام ظنی

CS CamScanner

ہیں ۔ اور احتیاط طریق نجات ہے ۔ اس پر عمل کرنے سے آدمی کو اپنی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا یقین حاصل ہوجاتا ہے ۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے: "اخوك دينك فاحتط لدينك" کہ دین تمہارا بھائی ہے ۔ لہٰذا اس میں احتیاط پر عمل کرو ۔

سوال: (۱۷۰): تفسیر بالرائے کی تعریف کیا ہوگی؟ کیا محمدؐ و آلِ محمدؐ کی احادیث کے علاوہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح تفسیر بالرائے میں شمار ہوگی؟ اس طرح تو جمود ہوگا، اور قرآن نت نئے تقاضوں اور وضاحتوں سے قاصر رہے گا ۔

جواب: باسمه سبحانه: قرآن مجید نہ اس قدر آسان ہے کہ جس کے سمجھنے سمجھانے کے لیے ہمیں کسی معلم ربانی کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو عربی زبان کی کچھ شد بد رکھتا ہو وہ قرآن کے تمام مطالب و معانی کو سمجھ سکتا ہے ۔ اور نہ اس قدر مشکل اور معمہ ہے کہ عوام کے لیے بالکل نا قابلِ فہم کتاب ہے ۔

اسلام چونکہ ہر بات میں اعتدال کا قائل ہے، لہٰذا وہ یہاں بھی اعتدال کا قائل ہے ۔ اس لیے وہ پڑھے لکھے لوگوں کو تامل و تفکر اور تدبر فی القرآن کی دعوت دیتا ہے کہ قرآن مجید میں تدبر کریں ۔ سیاق و سباق پر نظر کریں، اس کے معانی و مفاہیم اور ظواہر الفاظ میں تفکر کریں اور استنباطِ احکام میں تامل کریں ۔

ہاں البتہ یہ بات الگ ہے کہ تدبر فی القرآن کرتے وقت سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے ارشادات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے ۔ کیونکہ قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوا ہے ۔ اور وہی اس کے حقیقی مخاطب ہیں ۔ "و اهل البيت ادرىٰ بما في البيت" یہی وہ ذواتِ قادسہ ہیں جو قرآن کے ظاہر و باطن اور اس کے حقیقی اسرار و رموز سے آگاہ ہیں ۔

بہرحال تفسیر بالرائے جو شرعاً ممنوع ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن و سنت کے خلاف کوئی نظریہ قائم کرے اور پھر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے قرآن و سنت کو توڑ مروڑ کر اس سے اپنے فاسد نظریہ کی تائید کرے ۔ یعنی بقولِ اقبال:

؎ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

ورنہ جدید مسائل پر جدید علوم کی روشنی میں قرآن میں تدبر کرنا اور اس سے ان مسائل کا صحیح عقلی و شرعی حل نکالنا ممنوع نہیں ہے، بلکہ مرغوب امر ہے ۔

سوال: (۱۷۱): تہتر فرقوں والی حدیث کا ایک فرقہ کا ناجی ہونا اور باقی کا باوجود اللہ، انبیاء، و رسل، قرآن، سابقہ کتب، فرشتوں، برزخ اور جنت و دوزخ پر ایمان لانے کے جہنم میں جلنا اور اسلام کا ان کو فائدہ نہ پہنچانا، اس کی وضاحت کیا ہے؟ کیا یہ حدیث مستند ہے؟

جواب: باسمه سبحانه: اس حدیث کی صحت اور سند کے مستند ہونے کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اسلام کے تہتر فرقے باوجود اپنے اِختلافات کے اس کی صحت پر متفق نظر آتے ہیں اور مختلف فرق و مسالک کی کتابوں میں موجود ہے ۔

اور ایک کے سوا باقی کے جہنمی ہونے کی وجہ بڑی واضح ہے کہ وہ دین اسلام جو خالق کائنات نے بنایا، اور جسے پیغمبر اسلامؐ نے تئیس سال کی طویل و عریض مدت میں ہزاروں رنج و محن برداشت کر کے من و عن لوگوں تک پہنچایا، وہ اسلام ایک تھا ۔ مگر لوگوں کی بدبختی سے ایک اسلام کے تہتر اسلام، اور ایک قرآن کی تہتر تفسیریں لکھی جاچکی ہیں ۔ تو ظاہر ہے کہ اسی اصلی اسلام کو

CS CamScanner

ماننے والے اور اس کی تعلیماتِ عالیہ پر عمل کرنے والے ہی جنت میں جائیں گے ۔ اور خود ساختہ اسلام کے ماننے والے اور من پسند بدعات پر عمل کرنے والے جہنم میں جائیں گے ۔

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ وہ دین اسلام جو خدا نے بنایا، اور پیغمبر اسلامؐ نے بے کم و کاست اس کے بندوں تک پہنچایا، اس کی صحیح شکل و صورت، اور اس کی حقیقی تفسیر و تعبیر کیا ہے؟ تو بے شک یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصلی اور حقیقی اسلام وہی ہے جو سرکار آلِ محمدؐ نے پھیلایا اور بچایا ہے ۔ اور وہ مذہب شیعہ خیر البریہ ہے ۔ جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: "یا علیؑ ! انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامة" ۔

(صواعق محرقہ، تذکرۃ الخواص، تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ)

سوال: (۱۷۲): کتاب اللہ سمجھ سے بالا تر ہے ۔ احادیث میں ہے کہ اس کے بطون میں بطن در بطن میں اس کی تفسیر اپنی طرف سے کرنے کے بارے میں جہنم کی وعید ہے ۔ کیا مدون طور پر بزرگواروں یعنی معصومینؑ نے مکمل قرآن کی جامع تفسیر عطا فرمائی ہے، تا کہ امت مذکورہ حقیقت سے فائدہ اٹھائے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ابھی اوپر سوال نمبر ۱۷۰ کے جواب میں واضح کیا جاچکا ہے کہ قرآن نہ اس قدر آسان اور عام فہم ہے کہ کسی معلم ربّانی کی تعلیم کا محتاج نہ ہو، (ورنہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو پیغمبرؐ اسلام کو معلم بنا کر اس کے ہمراہ بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟) اور نہ ہی اس قدر مشکل اور معمہ ہے کہ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آسکے ۔ (ورنہ اس کے اتارنے کا فائدہ کیا تھا؟) "الحق بین الامرین" قرآن کے اندر کے بطون کا ہونا اس کی عظمت و جلالت کی دلیل ہے ۔

ارباب علم و عقل جانتے ہیں کہ اگر الفاظ مختصر ہوں اور مطالب و معانی زیادہ،

تو یہ بات اس کلام کی جزالت اور متکلم کی فصاحت و جلالت کی دلیل ہوتی ہے ۔ جیسے پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: "اعطیت جوامع الکلم" کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں کہ الفاظ مختصر ہوتے ہیں اور مطالب زیادہ ۔

(نہج الفصاحت)

اسی بنا پر مرزا غالب نے کہا تھا:

؎ گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ تیرے اشعار میں آئے

اور......

؏ اینہا همه راز است که معلوم عوام است

والحمدللہ علیٰ وضوح الحق و الحقیقة

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جون ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۷۳): سورتوں، آیات کا اور ان کی خاصیتیں، تعویذ لکھنے، گھول کر پینے، بازو بند بنانے کی حقیقت احادیث اور قرآن کی روشنی میں واضح فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند و بالا ہے کہ قرآن مجید کوئی تعویذات کی کتاب نہیں ہے (بلکہ وہ کتابِ ہدایت ہے) مگر خود غرض لوگوں نے اپنے باطل اغراض و مقاصد حاصل کرنے کا اسے ذریعہ بنا رکھا ہے ۔ کوئی اس سے تعویذات لکھ کر روٹی کما رہا ہے، کوئی قرآن کا واسطہ دے کر ووٹ مانگ رہا ہے، اور کوئی روٹھے ہوئے دوستوں کو اس کے وسیلہ سے منا رہا ہے ۔ جو بالکل غلط ہے اور نزولِ قرآن کی اصلی غرض و غایت کے منافی ہے ۔ ہاں البتہ ارشادِ قدرت ہے:

CS CamScanner

ونُنزل من القراٰن ما ھو شفاء و رحمة للمؤمنین

یعنی قرآن کی جس سورۃ یا آیت کو چاہو لے لو، اور جس جائز مقصد کے لیے چاہو لے لو (قرآن مجید مترجم سید زیرک حسین مرحوم) بنا بریں جسمانی بیماریوں سے شفا یابی کے لیے اگر بعض قرآنی آیات کا سہارا لے لیا جائے تو اس کا جواز بھی محل کلام نہیں ہے۔ ہاں البتہ اس کے لیے سرکار معصومین علیہم السلام سے منقول ہونا شرط اولین ہے کہ قابلِ اعتماد کتاب میں مذکور ہے کہ فلاں آیت کو اس طرح پڑھو، یا لکھ کر باندھو، اور ہمراہ رکھو۔

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: "بعض التمائم اشراك" کہ بعض تعویذات شرک ہوتے ہیں۔ (اصلاح الرسوم) جیسا کہ عام پیشہ ور کاروباری لوگ کیا کرتے ہیں۔

سوال: (۱۷۴): اپنے ملک میں اپنے فرقہ میں موجود خرافات و بدعات، رسومات اور رواجات کا دفاع کرنا جب کہ دوسرے ممالک میں مختلف رسومات کا رائج ہونا اور ان کا بھی علماء کا دفاع کرنا، دین میں اضافہ جات کی بہتات کا سبب ہے۔ ذمہ دار کون ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ سوال قدرے مجمل ہے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ ان رسومات و بدعات کے پھیلانے کا ذمہ دار کون ہے؟ یا ان کے دفاع و تردید کا ذمہ دار کون ہے؟ بہر حال دونوں شقوں کا جواب عرض کیے دیتے ہیں۔ اگر پہلی شق مراد لی جائے تو اس کے کئی ذمہ دار ہیں:

① عوام کی جہالت ② خواص کی ضلالت ③ پیروں فقیروں کی کثرت ④ اہلِ علم حضرات کی غفلت، ⑤ اور سب سے بڑھ کر منبر و محراب پر نااہل لوگوں کا تسلط۔

اور جہاں تک دوسری شق کا تعلق ہے تو اس کی ذمہ داری سب لوگوں سے زیادہ علماء کرام کے کاندھوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ جو وارثِ انبیاء ہونے کے دعوے دار ہیں، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض و وظائف کو ادا بھی کریں۔ ویسے ہر شخص اپنی اپنی استطاعت و بساط کے مطابق اس کا مسئول ہے۔ جیسا کہ ارشادِ رسولؐ ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته

کہ تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

سوال: (۱۷۵): ہر نماز کو علیحدہ اپنے وقت پر پڑھنا سرکار محمد و ائمہ علیہم السلام کا کثرت سے عمل ہے، جب کہ ہم پوری ملت تشیع علماء و مجتہدین بھی تفضیلی عمل کو چھوڑ کر جائز عمل پر اس طرح اصرار کرتے ہیں کہ جس طرح یہ تفضیلی عمل و حکم ہو۔ معصومینؑ کے عمل کی روشنی میں ہونا چاہیئے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس موضوع پر میں نے "تجلیاتِ صداقت" اور "قوانین الشریعہ" ہر دو میں قلم اٹھایا ہے اور واضح کیا ہے کہ شیعہ ہوں یا سنی، ہر دو فریق اعتدال کا دامن چھوڑ کر افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ اصل موضوع جمع بین الصلوٰتین کا جواز تھا کہ آیا بلا عذر ایسا کرنا جائز ہے یا نہ؟

ہمارا موقف یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ جب کہ برادرانِ اسلامی اسے جائز نہیں سمجھتے۔ تو ہم نے اس جائز عمل کو اس طرح واجب و لازم سمجھ لیا ہے کہ گویا اگر دو نمازوں کو اوقات فضیلت پر علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے تو ہم سنی بن جائیں گے اور برادرانِ اسلامی نے اپنے اس جائز عمل کو جو سیرتِ رسولؐ کی روشنی میں صحاح ستہ کی روایات کی روشنی میں جائز ہے، اس طرح ناجائز اور

CS CamScanner

حرام سمجھ لیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کبھی بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کریں گے تو شیعہ بن جائیں گے۔ حالانکہ اِسلام اعتدال پسندی کا دوسرا نام ہے۔

لہٰذا اس کے نقطہ نگاہ سے جمع بین الصلوٰتین یقیناً جائز ہے لیکن ہر نماز کو اس کے وقت فضیلت پر اذان واقامت کہہ کر علیحدہ علیحدہ پڑھنا یقیناً افضل و اعلیٰ ہے۔ اور معصومین علیہم السلام کی عمومی سیرت اور ان کی روش و رفتار سے یہی ثابت ہے۔

دُعا ہے کہ خداوند عالم ہماری قوم کے عوام وخواص کو اپنے پیشواؤں کی سیرت وکردار اور ان کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال: (۱۷۶): نوروز جس کی کوئی سند نہیں ہے، کیا وہ ان رسومات کی مانند ہے جن کو ہم مذہب کے نام پر ادا کر کے مذہبی اہم فریضہ کی ادائیگی سمجھتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: نو روز کی روایت تو ہے، جو بروایت معلیٰ بن خنیس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ مگر وہ بدو وجہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

① ایک اس لیے کہ وہ اسلام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ وہ شمسی سن وسال پر مبنی ہے۔ جب کہ اسلام کا نظام قمری سن وسال پر مبنی ہے۔

② دوسرا اس لیے کہ اس کے خلاف مستند ومعتبر روایات پائی جاتی ہیں، جو اس کی نفی پر دلالت کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ یہ قبل از اسلام سے ایرانی قوم کا قومی تہوار ہے۔ کوئی اسلامی عید نہیں ہے۔ لہٰذا اسے مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس موضوع کی مزید تفصیلات ہماری کتاب "اصلاح الرسوم" میں دیکھی جائیں۔

سوال: (۱۷۷): میلاد نبیؐ، بعثت پیغمبر اکرمؐ، ہجرت پیغمبرؐ، ولادت ائمہ اطہارؑ، ایام شہادت، نوروز، عید مباہلہ، عید شجاع، عید غدیر، چہلم وغیرہ جو ہم مناتے ہیں، کیا وہ خود بھی باقاعدگی سے اس کا اہتمام کرتے تھے؟ دعاء ترحیم، فاتحہ خوانی، قل، چہلم، خیرات، سالانہ برسی وغیرہ پر بھی روشنی ڈالیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ بات متعدد روایات سے بھی ثابت ہے اور قانونِ قدرت اور آئین فطرت سے بھی ثابت ہے کہ ہر محب صادق اپنے محبوب کی خوشی میں خوش ہوتا ہے اور اس کے غم میں غم ناک۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔

لہٰذا حضرت پیغمبر اسلامؐ ہوں یا ان کی عترت اہلِ بیتؑ، ان کی خوشی میں خوش ہونا اور جشن منانا، اور ان کی خوشی میں شامل ہونا، اور ایام غم میں سوگوار ہونا، جو ایسا قانونِ قدرت اور آئین فطرت ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور سلیم الفطرت اس چیز کا انکار نہیں کرسکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ خوشی ومسرت ہو یا غم واندوہ، اس کے طور طریقے اور انداز ملک وملت اور سن وسال کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ شرط صرف ایک ہے کہ جشن یا سوگ ان میں خلافِ شرع کسی بات کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

باقی رہی نوروز تو اس پر سابقہ سوال کے جواب میں تبصرہ کیا جاچکا ہے۔

اور جہاں تک عید شجاع کا تعلق ہے تو اس نام کی کسی شرعی عید کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اور جہاں تک عید غدیر اور عید مباہلہ کا تعلق ہے، ان کا عید سعید ہونا اور مسرت وشادمانی کا باعث ہونا ہمارے ہاں مسلّم ہے۔

باقی رہی قل خوانی، چہلم اور برسی وغیرہ، یہ صرف رسمیں ہیں، شرعاً ان کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اور جب میت کی روح کو ایصالِ ثواب کی خاطر کوئی صدقہ

CamScanner

دیا جائے، کوئی خیرات کی جائے یا کوئی عمل خیر انجام دیا جائے تو خداوند عالم اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کا اجر وثواب مرنے والے کی روح کو پہنچا دیتا ہے ۔ ان امور کی جملہ تفصیلات ہماری کتاب "اصلاح الرسوم" میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔ واللہ العالم ۔ (ماہنامہ "دقائق اسلام" جولائی ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۷۸): خلافت حضرت عمر میں امیرالمومنین علیؑ نے ہجرتِ رسولؐ سے آغازِ تقویم کا مشورہ دیا، جب کہ ہجرت یکم محرم کو تو نہ ہوئی تھی ۔ کیا اسلام نے باقاعدہ کوئی تقویم نہیں دی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ اہم امور پر توجہ مبذول کرتا ہے اور غیر اہم معاملات کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بناتا ۔ ارشادِ قدرت ہے: "و القمر قدرناہ منازل لتعلموا عدد السنین" ...... الآیۃ ہم نے چاند کے لیے کچھ منازل مقرر کیے ہیں تاکہ تم سالوں کی تعداد معلوم کرسکو...... اور کسی عہد و پیمان کی پابندی کرنی ہے تو جان سکو...... اور حج و ماہِ رمضان کے مہینوں کی پہچان کرسکو، اور حج ادا کرسکو، اور روزے رکھ سکو وغیرہ وغیرہ ۔ اس کے علاوہ اسلام میں تقویم کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے ۔

سوال: (۱۷۹): کیا عیدالاضحیٰ کے موقع پر اہلِ بیتؑ اور صحابہ اپنے گھروں میں موجود رہتے ہوئے جانور ذبح کرکے مناتے تھے؟ حوالہ جات سے جواب مزین فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اگرچہ قربانی گھر کے اندر بھی کی جاسکتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ نمازِ عید بھی شہر سے باہر کسی کھلی اور پُرفضا جگہ پر ادا کی جائے اور قربانی کا جانور بھی وہیں ذبح کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ائمہ اطہارؑ ہوں یا صحابہ اخیارؓ وہ کوشش کرتے تھے کہ افضل الاعمال بجالائیں ۔

واضح رہے کہ حجاج کرام کا معاملہ اس سے علیحدہ ہے جو نماز عید بھی بمقام منیٰ ادا کرتے ہیں اور قربانی بھی وہیں کرتے ہیں ۔

سوال: (۱۸۰): امت اسلامی کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کو پیغمبر اسلامؐ کی سیرت قولی اور فعلی کے مطابق استوار کرے اور اس کے حدود میں رکھے، اگر پیغمبر اکرمؐ سے تقدم و تاخر کیا تو دونوں میں ضلالت ہے، ہماری علاقائی رسومات جو کہ اصل مذہب کی شکل اختیار کرچکی ہیں، ان کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس مقام پر میں یہی کہوں گا کہ:

ے ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزاء ایماں بن گئیں

بحیثیت مسلمان ہم صرف اللہ تعالیٰ کے قرآن اور سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان کی تعمیل کرنے کے پابند ہیں ۔ اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ اگر اللہ کا محب صادق بننا ہے تو اتباع رسولؐ کرنا پڑے گی ۔ اور اگر محب رسولؐ بننا ہے تو اطاعت اہلِ بیتؑ کرنا پڑے گی اور اگر مومن بن کر جینا و مرنا ہے تو خدا و مصطفیٰؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی اطاعت کرنا پڑے گی ۔ کما قال عز شانہ: یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (القرآن)

اور جہاں تک رسموں اور رواجوں کا تعلق ہے تو ان کو مٹانا اور ان سے اجتناب کرنا شرط ایمان ہے، نہ کہ ان کو گلے لگانا اور ان پر عمل درآمد کرنا ۔ ارشادِ قدرت ہے: "ھم عن اللغو معرضون" جو مومن ہوتے ہیں وہ لغویات سے منہ موڑتے ہیں اور حق سے رشتہ جوڑتے ہیں ۔

ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ جاہلی رسوم و قیود اور اسلام کے حقیقی حدود پر ایک

مفصل اور مدلل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: "اِصلاح الرسوم" اور یہ کتاب لکھ کر ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے ۔ والحمدللہ ۔

سوال: (۱۸۱): کیا قیامت کے دن کچھ لوگوں کے گروہ کو حیوانوں کی شکل میں اٹھایا جائے گا؟ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اگرچہ جامع الاخبار اور بحار الانوار کے بعض اخبار وآثار سے یہی واضح وآشکار ہوتا ہے کہ بروزِ قیامت تمام لوگ اپنے اپنے عقیدہ وعمل اور اپنے اخلاق واطوار کے مطابق مختلف جانوروں کی شکل میں محشور ہوں گے ۔ مثلاً:

① "مردم آزار" کتے اور بھیڑیے کی شکل میں ۔

② "دلیر" شیر کی صورت میں،

③ اور "بزدل" لومڑی کی ہیئت میں ۔ وغیرہ وغیرہ

مگر مقام اعتقاد میں ان اخبار آحاد پر عقیدہ کی دیوار کو استوار نہیں کیا جاسکتا ۔ یہاں تو آیاتِ محکمات یا روایاتِ متواترات درکار ہوتی ہیں، وبس ۔ لہٰذا ان اخبار وآثار کے مطابق عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے ۔ واللہ العالم

سوال: (۱۸۲): شعارِ اسلامی اور شعارِ شیعہ میں خط امتیاز کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: کل دو فرق ہیں ۔ ایک کا تعلق عقیدہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق عمل سے ہے...... جس شعار کا عقیدہ سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ شعار اسلامی عقیدہ توحید و رسالت اور قیامت ہے ۔ اور شعارِ شیعہ بالفاظ دیگر شعار ایمانی اس کے ساتھ عقیدۂ عدل الٰہی اور عقیدۂ امامت وولایت علیؑ واولادِ علیؑ ہے ۔

اور جس شعار کا تعلق عمل سے ہے تو وہ یہ ہے کہ شعار اسلام ائمہ اربعہ کے نقش قدم پر چلنا ہے اور ان کے تعلیمات کے مطابق عمل کرنا ہے ۔ اور شعار

شیعہ شعارِ ایمانی دروازۂ ائمہ اہل بیتؑ کے نقوشِ عصمت کی پیروی کرنا اور ان کے مقدس تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا ہے ۔

سوال: (۱۸۳): سورۂ انبیاء آیت نمبر ۱۰۷ میں آنحضرت ﷺ کو رحمۃ للعالمین بتایا گیا ہے ۔ اس رحمت میں تمام عالمین شامل ہیں ۔ اس کا مفہوم یا وضاحت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: رحمت کی دو قسمیں ہیں:

① رحمتِ عامہ، جس کا تعلق عالمین سے ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ باوجود گناہ وعصیان کے ایسا عمومی عذاب وعقاب نازل نہیں ہوتا، جو سب کو تہس نہس کر کے رکھ دے ۔

② رحمتِ خاصہ جس کا تعلق صرف مسلمین ومومنین سے ہے کہ آپ گنہگارانِ اُمت کی شفاعت کر کے ان کی بخشش کا انتظام فرمائیں گے ۔ آپ مقبول الشفاعۃ ہیں کہ جب مقام محمود پر بیٹھ کر جس جس کی شفاعت فرماتے جائیں گے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتا جائے گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

رزقنا اللہ شفاعتہ فی الدنیا و الأخرۃ بحق النبی و عترتہ الطاھرۃ

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اگست ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۸۴): حضرت ابوطالبؑ کا نام عبدمناف اور کنیت ابوطالب ہے ۔ شجرہ نسب میں آپ کا نام عمران ملتا ہے ۔ حوالہ ارشاد فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اگرچہ عوام میں یہی مشہور ہے کہ آپ کا اسم گرامی عمران تھا، مگر نظر قاصر سے ایسا کوئی مستند حوالہ نہیں گزرا ۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا نام عبدمناف اور کنیت ابوطالب ہے یا آپ کا نام

CS CamScanner

نامی و اسم گرامی ہی ابوطالب ہے ۔ جیسا کہ آپ کے حالات میں لکھی گئی بعض کتب میں یہ بحث نظر سے گزری ہے ۔ واللہ العالم ۔

سوال: (۱۸۵): سورۃ آلِ عمران میں عمران اور آل عمران سے کون مراد ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سلسلہ میں مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ عمران سے مراد کون عمران ہیں؟ کیونکہ تاریخ میں عمران نام کے دو بزرگ گزرے ہیں ۔ ایک وہ جو جناب موسیٰؑ و ہارونؑ کے والد ماجد تھے اور دوسرے وہ جو جناب مریمؑ کے والد ماجد تھے ۔ جن کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے ۔ یعنی جناب موسیٰؑ و ہارونؑ علیہم السلام کے والد جناب مریمؑ کے والد عمران سے ایک ہزار سال پہلے گزرے ہیں ۔ اور اسی اختلاف کی وجہ سے آلِ عمران میں اختلاف پیدا ہوگیا ۔ اور اگر بقول علامہ علی نقی علیہ الرحمہ جب لفظ عمران بطور علم استعمال نہ ہوا اور اس کا مدلول جزئی حقیقی نہ ہو، بلکہ اس سے مجازاً مسمّٰی بہ عمران مراد لیا جائے تو پھر یہ دونوں بزرگوار مراد لیے جاسکتے ہیں ۔ (فصل الخطاب)

بہر حال سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کا مقدس خاندان آلِ ابراہیمؑ میں نہ صرف داخل ہے بلکہ اس اِصطفاءِ اِلٰہی کا مرکز یہی ہے ۔

سوال: (۱۸۶): تفسیر مجمع البیان میں جناب عائشہ اور جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ عبید بن عاصم یہودی نے رسول اللہؐ پر سحر کیا ۔ جس کی وجہ سے آپؐ مریض ہوگئے ۔ خداوند عالم نے جبرئیل کے ذریعہ دو سورتیں معوذتین نازل فرمائیں، جن کے بعد آپؐ کو شفا ملی ۔ آپ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ عامی روایت ہے اور شان و مقام نبوت و رسالت کے منافی ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار و اعتماد ہے...... مجمع البیان بڑی عظیم

الشان علمی تفسیر ہے ۔ مگر اس میں یہی نقص ہے کہ اس میں آلِ محمد علیہم السلام کی روایات سے کم استفادہ کیا گیا ہے اور زیادہ تر عامہ کی روایات کی بھر مار ہے ۔

سحر یعنی جادو کا اثر زیادہ تر ضعیف الاعتقاد و العمل لوگوں پر ہوتا ہے اور جن کا ایمان و ایقان پختہ ہوتا ہے اور ذاتِ خداوندی پر اعتماد محکم ہوتا ہے ان پر جادو وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ ملک مصر کے تمام جادوگر ایک طرف ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نبی موسیٰؑ دوسری طرف ہے ۔ قرآن گواہ ہے کہ تمام جادوگرانِ فرعون ہار جاتے ہیں اور موسیٰؑ بن عمران کامیاب و کامران ہوجاتے ہیں ۔ جب ایک ملک کے پورے جادوگر ایک نبی کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے تو کوئی عاصم نامی ایک یہودی سید الانبیاء والمرسلینؐ کے مقابلہ میں کامیاب ہوسکتا ہے؟ حاشا کہ رسم وراہِ نبوت چنیں بود...... بہر حال:

ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

ارشادِ قدرت ہے: "ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ" (القرآن) جادوگر جہاں سے اور جس طرح آئے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ۔

سچ پوچھو تو بات یہ ہے کہ اگر نبی و امام پر بھی جادو کا اثر ہوجائے جب کہ ان کے سچے غلاموں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو پھر "انا للہ و انا الیہ راجعون" ہی پڑھنا پڑے گا ۔ "وعلی الاسلام السلام" ہی کہنا پڑے گا ۔ العیاذ باللہ ۔

سوال: (۱۸۷): وہ ذوات جو اہلِ شریعت وتقویٰ ہیں، اس کائنات میں ایک امتیازی صورت میں تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں؟ حوالہ از رسالہ اعتقاد شمارہ چہارم صفحہ ۱۳۵ ۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ کے قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم

CS CamScanner

السلام کے فرمان سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اس کائنات اور عالم ممکنات میں ہر قسم کے تصرف وتدبیر کا حق صرف اور صرف ذاتِ خداوندی کو حاصل ہے ۔ "لا مدبر الا هو ولا متصرف الا هو ولا خالق الا هو......" اس کے سوا کسی کو بھی یہ اقتدار اور تصرف کا حق حاصل نہیں ہے ۔ اور نہ ہی ان کا یہ شعبہ ہے ۔ بنص قرآن انبیاء و مرسلینؑ کا کام خالق کائنات کا دین اور اس کا پیغام اس کے بندوں کے نام پہنچانا اور بشارت و نذارت کا فریضہ انجام دینا ہے وبس ۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (سورۃ النساء:۱۶۵)

اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کو مبشر و منذر بنا کر بھیجا، تاکہ ان کے آجانے کے بعد لوگوں پر حجت تمام ہوجائے اور خالق کائنات کی نافرمانی کرنے کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے ۔

اور جہاں تک ان کے اوصیاء وائمہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ ان کا کام بھی انبیاء و مرسلین کے مشن کی تکمیل ہوتا ہے یعنی دین کی نشر و اشاعت کرنا ۔ اور اگر کبھی دین پر کوئی مشکل وقت آجائے تو تن من دھن قربان کرکے دین کی بقا کا انتظام کرنا ۔

ہاں البتہ وہ ذواتِ مقدسہ انبیاء ہوں یا ان کے اوصیاء، دعا و استدعا کرکے خالق کائنات اور مالک موجودات کی بارگاہ سے ہر قسم کا کام کرا سکتے ہیں ۔ کیونکہ خداوند عالم ان کی دعا و استدعا کو کبھی رد نہیں کرتا ۔

ولکن ما یشاؤن الا ان یشاء اللہ

سوال: (۱۸۸): بعض علماء، عرفاء اور اہل ریاضت کا کہنا ہے کہ بندہ عبادت ریاضت اور ترکِ لذاتِ دنیا کے ذریعے سے ایسے مقام پر فائز ہوجاتا ہے

جہاں پہنچنے کے بعد وہ کائنات میں جو چاہے وہی ہوتا ہے ۔ پھر وہ کائنات تسخیر کر سکتا ہے ۔ پھر وہ معمول کے طریقہ کے علاوہ کائنات میں تصرف کرنے کے ایک ممتاز اور جداگانہ قدرت کا مالک بن جاتا ہے ۔ حوالہ مذکورہ ۔ قرآن و حدیث سے کیا ثابت ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ بات جو سوال میں بیان کی گئی ہے یہ صوفیوں کے شطحیات اور خرافات میں سے ہے، جو یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ عبادت و ریاضت کرتے کرتے اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر عابد و معبود اور خالق و مخلوق کا فرق ختم ہوجاتا ہے ۔ اور وہ یہ راگ الاپتا ہے:

ے من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اور ان لوگوں کے نزدیک یہی وہ مقام ہے کہ جب کوئی بندہ اس پر فائز ہوجائے تو یہ بھی کہتا ہے کہ: "انا الحق" ۔

بدقسمتی سے کچھ عرصہ سے موسمی وبا کی طرح "عرفان" کے نام سے وبا ہمارے مذہب میں بھی گھس آئی ہے جو کہ صریح اور جلی شرک ہے ۔ جس کے خلاف ہمارے ائمہ اہل بیتؑ اور راہنمایانِ اسلام نے ہمیشہ جہاد کیا ہے ۔ آپ نے دریافت کیا ہے کہ قرآن و حدیث سے کیا ثابت ہے؟

تو جواباً عرض ہے کہ اس سوال سے پہلے سوال نمبر ۱۸۷ کے جواب میں قرآن و حدیث سے جو کچھ ثابت ہے اس کی کما حقہ وضاحت کر دی گئی ہے ۔ ان خرافات کا دین اسلام اور مذہب اہل بیتؑ سے اتنا بھی تعلق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکے سے ہوتا ہے ۔ والحمدللہ ۔

سوال: (۱۸۹): لوگ اور بھی بے تحاشا کرامتیں اہل عرفان و ریاضت کے

CS CamScanner

لیے نقل کرتے ہیں۔ ہمیں باب اعتقاد میں نہ انہیں رد کرنے کی کوئی عقلی دلیل ملتی ہے اور نہ اپنی جزء اعتقاد گردانتے کی کوئی ضرورت ہے۔ ممکن ہے ہو اور ممکن ہے نہ ہو۔ حوالہ مذکور۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ایسے لوگوں کے لیے حسنِ ظن کا یہ نرم گوشہ رکھنا خود ایسے آدمی کے ڈھل ملیقین ہونے کی علامت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ:

ع پیراں نمی پرند مریداں می پرانند

یعنی پیر نہیں اڑتے انھی مرید اڑاتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کی بیان کردہ کرامتیں سب جھوٹ کا پلندہ ہیں اور سب فراڈ ہیں۔

سوال: (۱۹۰): کرامت اور معجزہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: کرامت ہو یا معجزہ، دونوں کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہوتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہ خارق عادت (نیچر کے خلاف) فعل اگر کسی نبی و امام کی دعا کے نتیجہ میں ان کے ہاتھ پر خدا ظاہر کرے تو اسے معجزہ کہا جاتا ہے اور اگر کسی پابند شرع متقی و پرہیزگار آدمی کی دعا و استدعا پر یہ فعل اس کے ہاتھ پر ظاہر کرے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔

یہ درست ہے کہ دونوں باتوں کی حقیقت ایک جیسی ہوتی ہے۔ الغرض اس فعل کی نسبت خدا کی طرف حقیقی اور نبی و امام یا متقی و پرہیزگار آدمی کی طرف مجازی ہوتی ہے۔

بہرحال یہ دونوں دعا و پکار کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتے ہیں، اور دراصل قدرتِ خدا کارفرما ہوتی ہے۔ (ماہنامہ "دقائق اسلام" ستمبر ۲۰۱۰ء)

سوال: (۱۹۱): ضرورتِ نبوت اور عمل نبی دونوں قانوں پر مشتمل ہیں تو پھر نبی کی نبوت کا دارومدار کسی غیر قانونی عمل (معجزہ) پر کیسے موقوف ہو سکتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ضرورتِ نبوت عقلی ہے، عمل و کردار نبی کے صحیح و درست ہونے کا لزوم بھی عقلی ہے تو کسی مدعی نبوت کے دعویٰ کی صحت کے معلوم کرنے کا معیار و میزان بھی عقلی ہونا چاہیے۔ یعنی عقل کا فیصلہ ہے کہ ہدایت خلق کے لیے نبی کا وجود لازم ہے اور ہادی کے کردار کا بلند اور پاکیزہ ہونا بھی ضروری ہے لیکن ہر بلند کردار اور صحیح العمل شخص نبی تو نہیں ہوتا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے دعویٰ کی جانچ پڑتال کرنا ضروری ہوگی اور جانچ کا معیار و میزان معجزہ سے بہتر کوئی اور نہیں ہے کہ وہ دعوے دار نبوت کوئی ایسا خارق عادت مگر عقل کے مطابق کارنامہ انجام دے جس کو پیش کرنے سے تمام مخلوقِ خدا عاجز نظر آئے۔ اور اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر دکھائی دے۔ بنابریں معجزہ کی ضرورت ناقابلِ انکار ہے۔

سوال: (۱۹۲): خرقِ عادت یا خلافِ طبیعت انجام پانے والا عمل معجزہ ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: معجزہ ہو یا کوئی اور خارق عادت کام اور نیچر کے خلاف کوئی فعل۔ چونکہ مدعی نبوت و امامت یا کسی نیکوکار آدمی کی دعا و استدعا کا نتیجہ ہوتا ہے اور ظاہر خدا کرتا ہے۔ بنابریں شریعت کی اصطلاح یوں قائم ہوئی ہے کہ اگر وہ دعا و استدعا کرنے والا نبی یا اس کا وصی ہو اور خدائے قدیر وہ خارق عادت کام اس کے ہاتھوں پر ظاہر کرے تو اسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ اور اگر کسی خدارسیدہ نیکوکار اور پرہیزگار کی دعا و پکار پر اس کے ہاتھوں پر ظاہر کرے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہوں کتب علم کلام، بالخصوص "احسن الفوائد")

سوال: (۱۹۳): خرقِ عادت یا خلافِ طبیعت فعل کیوں عمل میں آتا ہے؟ جب کہ عقلاً محال ہے اور قانونِ فطرت کے خلاف ہوتا ہے۔ اللہ کے قانون

CS CamScanner

کے علاوہ کیوں ممکن ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ سوال معجزہ کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی پیداوار ہے ۔ یہ درست ہے کہ معجزہ طبیعت یعنی نیچر کے خلاف ہوتا ہے، مگر خلافِ عقل نہیں ہوتا ہے ۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے ۔ لیکن جب حضرت خلیلؑ کو اس میں جھونکا جاتا ہے اور آگ انھیں نہیں جلاتی تو یہ بات آگ کی طبیعت کے تو خلاف ہے مگر عقل کے خلاف نہیں ہے ۔ کیونکہ اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا ۔ یا پانی کی فطرت ہے کہ وہ نشیبی جگہ کی طرف جاری ہوتا ہے ۔ لیکن اگر حضرت موسیٰؑ اس پر عصا مارتے ہیں اور وہ رک جاتا ہے تو یہ خلافِ نیچر تو ہے مگر خلافِ عقل نہیں ہے ۔ کیونکہ اس سے کوئی اِستحالہ عقلیہ لازم نہیں آتا ۔

یہ سب کچھ ممکن ہے، کیونکہ خدا مسبب الاسباب ہے، جو آگ میں گرمی کی تاثیر رکھتا ہے، وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے سلب بھی کر سکتا ہے اور جو خدائے حکیم پانی میں نشیب کی طرف بہنے کا اثر رکھتا ہے وہ اسے سلب بھی کر سکتا ہے ۔ مگر جو بات خلافِ عقل اور ناممکن ہے اسے معجزہ بھی ممکن نہیں بنا سکتا ۔ جیسے خدا کا اپنی طرح خدا بنانا، یا دو اور دو کا مِل کر تین ہونا ۔ یا ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ دن اور رات کا ہونا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

سوال: (۱۹۴): اہلِ ریاضت وعرفان خرقِ عادت یا خلافِ طبیعیات اعمال انجام دیتے ہیں، جو حقیقت پر مشتمل ہوتے ہیں ۔ جب کہ ان کا مقصد کسی عہدہ کا ثابت کرنا نہیں ہوتا ۔ ان کو یہ رسائی کیسے، کب اور کیوں ملتی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ کہنا خلافِ حقیقت ہے کہ ایسے لوگوں کا مقصد کسی عہدہ کا ثابت کرنا نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا بھی کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے ۔ مگر وہ مختلف ہوتا ہے ۔ چنانچہ ایک پابند شرع پرہیزگار آدمی خدا سے کسی

خارق طبیعت فعل کے اظہار کی دعا کرتا ہے تو اس کا مقصد اپنی بزرگی اور خدا رسیدگی کا ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے ۔ اور جب کوئی خلافِ شرع ریاضت کرنے والا اور عرفانِ حقیقت کا غلط دعوے دار ایسے کسی خارقِ عادت کام کا اظہار کرتا ہے تو اس کا مقصد اپنے مافوق الفطرت انسان کامل ہونے کا اثبات ہوتا ہے ۔

بہرحال اگر کسی متقی و پرہیزگار آدمی کے ہاتھ پر اس قسم کا کوئی فعل صادر ہو تو وہ اس کی خدا رسیدگی کی علامت ہوتا ہے ۔ اور اگر کسی غلط ریاضت کار کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو وہ اس کی ریاضت کا اثر وضعی ہوتا ہے ۔ کیونکہ خدائے کریم کا وعدہ ہے: "انی لا اضیع عمل عامل منکم" کہ میں کسی کے عمل کو ضائع و اکارت نہیں کرتا ۔ لہٰذا بمطابق "منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاٰخرۃ" کہ کچھ لوگ دنیا کے طلب گار ہوتے ہیں، خدا ان کی دنیا کو سنوار دیتا ہے اور کچھ لوگ آخرت کے طلب گار ہوتے ہیں، تو خدا ان کی عاقبت کو سدھار دیتا ہے ۔ سچ ہے: "انما الاعمال بالنیات" ۔

بہرحال غلط کار لوگوں سے جو خرق عادت فعل صادر ہوتے ہیں ان کی غلط ریاضت و سفلی عملیات کا نتیجہ ہوتے ہیں ۔

سوال: (۱۹۵): اہلِ تشیع کا اعتقاد ہے کہ ائمہ اطہارؑ کائنات میں تصرف کی طاقت وقدرت رکھتے ہیں اور اسے ولایت تکوینی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ ہم ائمہ اطہارؑ کی اس طاقت وقوت کے حاصل ہونے کے نہ صرف یہ کہ موافق ہیں بلکہ اس کے ثابت ہونے کے بھی مدعی ہیں ۔ مگر اس فکر و نقطہ نظر سے بھی اِختلاف رکھتے ہیں کہ ائمہ معصومینؑ کی غرض خلقت صرف ولایت تکوینی کے لیے تھی ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ کہنا بالکل خلافِ حقیقت ہے کہ اہلِ تشیع کا یہ اعتقاد

CS CamScanner

ہے کہ ائمہ اطہارؑ ولایت تکوینی رکھتے ہیں، بلکہ شیعیانِ علیؑ کا اِعتقاد یہ ہے کہ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام ولایت تشریعی رکھتے ہیں ۔یعنی وہ ہمارے حاکم شرع،اور واجب الاتباع والاطاعت راہنما و پیشوا ہیں ۔

اور جہاں تک کائنات ارضی و سماوی میں اپنی مرضی و منشا کے مطابق تصرف کرنے کے حق کا تعلق ہے جسے ولایت تکوینی کہا جاتا ہے تو یہ حق صرف اورصرف خالق کائنات کو حاصل ہے وبس ۔کیونکہ جہاں تک امور تکوینیہ از قسم خلق و رزق،موت وحیات اور شفاء امراض وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ امور صرف خالق کائنات کے قبضۂ قدرت میں ہیں ۔

آلِ محمدؑ کی ولایت تکوینی کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ خدا اور مدبر کائنات پندرہ ہیں، چودہ یہ اور پندرھواں خدا ۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ: "لاالٰہ الا اللّٰہ" خدا صرف ایک ہے ۔مدبر کائنات ایک ہے اور متصرف فی الکائنات ایک ہے ۔"وحدہ لا شریک لہ"...... یہ اصطلاح عرفان بافی کے دعوے داروں کی ہے ۔جس شرکیہ عقیدہ کا نام پہلے زمانہ میں تفویض تھا، اور بعد ازاں شیخیت رکھا گیا ۔آج اسی بدعقیدہ کو خوشنما غلاف میں لپیٹ کر ولایت تکوینی کا نام دیا جارہا ہے ۔وبس ۔

ہم نے اپنی تفسیر "فیضان الرحمٰن" میں اور کتاب "احسن الفوائد" اور "اصول الشریعہ" وغیرہ میں اس کی کماحقہٗ وضاحت کر کے اس کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر دی ہیں ۔یہ شرک جلی ہے جس سے اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو محفوظ رکھے ۔

سوال: (۱۹۶):اگر اللہ اس قدرت تصرف کا حق کسی کو دے دے تو اسے بھی کائنات میں تصرف کا حق حاصل ہوجاتا ہے ۔اسی کو دوسرے لفظوں میں ولایت کہتے ہیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہم بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا ہوتا ہی وہ ہے کہ جو اپنی مرضی و منشا کے مطابق کائنات میں تصرف کرے ۔ لہٰذا خدا اپنا یہ اختیار اور خصوصی اِمتیاز کسی اور کو دے دیتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ خدا اپنے جیسا خدا بنا سکتا ہے ۔جب کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ: "لا الٰہ الا ھو" ولایت تکوینی ایک سراب ہے، آب نہیں ہے ۔اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ہے ۔"والحمدللہ علیٰ وضوح الحق والحقیقۃ" ۔

سوال: (۱۹۷): کیا محمد و آل محمد علیہم السلام نے اپنے حین حیات میں کسی مردہ انسان یا حیوان کو معجزہ کے طور پر زندہ کیا ہے ۔حوالہ ارشاد فرمائیں ۔

سوال: (۱۹۸): کیا محمد و آل محمد علیہم السلام نے کسی انسان یا حیوان کی معجزہ کے طور پر جنس تبدیل کی ہے؟ جیسا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ مرد کو عورت بنا دیا ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس قسم کے معجزات سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے حالات میں ملتے ہیں ۔مگر ان باتوں کا ولایت تکوینی سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ مقام اعجاز نمائی میں ہوا ہے ۔اور جب معجزہ کی حقیقت سمجھ میں آجائے تو سارا اشکال دور ہوجاتا ہے ۔معجزہ مقام اعجاز نمائی میں بارگاہِ رب العزت میں کسی خارقِ عادت کام کے اظہار کی دعا واستدعا کرنا ہے ۔اور خدا اپنی قدرت کاملہ سے اس کی نبوت و امامت کو ثابت کرنے کے لیے اس کام کا اظہار کر دیتا ہے ۔

بنا بریں معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے ۔نبی و امام کا نہیں ہوتا ۔ان کی طرف اس کی نسبت مجازی ہوتی ہے، اور خدا کی طرف حقیقی ۔مزید تسلی خاطر کی خاطر

CamScanner

"اصول الشریعہ" کے پانچویں باب کا مطالعہ فرمائیں ۔

سوال: (۱۹۹): حضرت علی علیہ السلام نے زندہ آدمی کا جنازہ پڑھایا، اور فرمایا کہ یہ قیامت کے دن بھی نہیں اٹھے گا ۔ یہ شخص کون تھا ۔ اصل واقعہ کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ صرف ایک سینہ گزٹ ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اور نہ ہی ایسا کوئی واقعہ کتب تاریخ میں ملتا ہے ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اکتوبر ۲۰۱۰ء)

سوال: (۲۰۰): معجزہ شق القمر کے متعلق مولانا سید علی شرف الدین موسوی صاحب نے رسالہ اعتقاد جلد اول شمارہ چہارم صفحہ ۱۵ پر نتیجہ لکھا ہے کہ:

"جہاں تک خود ہمارے سمجھنے کا تعلق ہے تو ہم اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ ابھی تک ہم ان حقائق تک نہیں پہنچ سکے ہیں، جب کہ مبالغہ آرائی کے ہم قائل نہیں" ۔

آپ معجزہ شق القمر میں قرآن وحدیث سے کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میں اس معجزہ شق القمر کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو تمام مکاتب فکر اسلامی سے تعلق رکھنے والے علماء اعلام کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کا معجزہ شق القمر قرآن وسنت کے نصوص صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے ۔ جس کا کوئی مسلمان انکار کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا ۔ اگر کسی کوتاہ اندیش کی ناقص عقل وخرد کی اس کی اصل حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی تو اس سے اس معجزہ ثابتہ کی حقانیت پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا ۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ "وفوق کل ذی علم علیم" ہزاروں ایسے حقائق دنیا میں موجود ہیں جن تک ہنوز علماء وفضلاء کی عقلوں کی رسائی نہیں ہوسکی ۔ مگر وہ حقائق اپنی جگہ حقائق ہیں ۔ کوئی صاحبِ عقل وفکر ان کا انکار نہیں کرسکتا ۔ جوں جوں علوم ترقی کریں گے

اور عقل انسانی ارتقائی منازل طے کرے گی تو وہ حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے ۔ انشاءاللہ ۔

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
سوچتا ہوں میں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

نوٹ: اس موضوع کی دوسری تفصیلات ہماری تفسیر "فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن میں دیکھی جائیں ۔

سوال: (۲۰۱): سدرۃ المنتہی سے کیا مراد ہے؟ اس کا اصل مفہوم کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: عربی زبان میں "سدرہ" کے معنی "بیری کے درخت" کے ہیں ۔ چنانچہ فریقین کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے قدیر نے ساتویں آسمان پر بیری کا ایک "درخت" خلق فرمایا ہے، جس کا نام ہے "سدرۃ المنتہی" ۔ جہاں ہر عالم کا علم تمام ہوتا ہے، اور اس سے آگے جو کچھ ہے اسے صرف خدا جانتا ہے ۔ یعنی کسی بھی مخلوق کی رسائی کی آخری حد ۔

چنانچہ مخلوقِ خدا وہ ملک مقرب ہو یا مومنِ ممتحن یا نبیِ مرسل، اس سے آگے نہیں جاسکتا ہے ۔ اگر خدائے قدیر اس سے آگے لے گیا ہے تو صرف اپنے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج ۔

ع یہ رُتبہٗ بلند ملا جس کو مل گیا

سوال: (۲۰۲): جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے اور جبرئیل سدرۃ المنتہی پر ٹھہر گیا، پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی ۔ (القرآن) یہاں جبرئیل تو نہ ہے، ذریعۂ وحی وطریقۂ وحی کیا تھا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جب جناب جبرئیل امینؑ مقام سدرۃ المنتہی پر رُک

گئے اور "لو دنوت انملة لاحر ترقت" گر میں انگلی کے پور کے برابر بھی آگے بڑھوں تو سوزِ تجلی میرے پروں کو جلا کر رکھ دے گا۔

لہٰذا مقام "قاب قوسین" خداوند عالم نے براہِ راست بلا توسط جبرئیل آپؐ کو وحی فرمائی۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ خدا نے اپنے بندۂ خاص کو وحی فرمائی جو فرمائی کہ یا وحی کرنے والا جانتا ہے یا وہ ہستی جانتی ہے جس کو وحی فرمائی۔

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خداوند عالم تین طریقہ سے کسی بندۂ خاص (نبی و رسول) سے ہم کلام ہوتا ہے:

① جبرئیل وغیرہ ملائکہ کے ذریعہ

② پس پردہ سے

③ براہِ راست۔

چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

(سورۃ الشوریٰ: ۵۱)

سوال: (۲۰۳): رسالہ مذکورہ بالا صفحہ ۱۵ پر مولانا موصوف رقم فرماتے ہیں: سورۂ نجم کی آیت (۸ و ۹) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى سے مراد پیغمبر اکرمؐ کا جبرئیل امین سے قریب ہونے کو قرار دیا ہے۔ یعنی جبرئیل کے قریب، خدا کے نہیں۔ درجِ ذیل وجوہ سے درست نہیں۔ تیسرے نمبر پر لکھتے ہیں: آیت مندرجہ بالا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں جو گفتگو ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ اکرم کسی ہستی سے قریب ہوتے ہوئے خود کو جس مقام پر پہنچائے گئے ہیں، وہاں بحالت فنا میں پہنچے ہیں، یعنی خود اپنے

استقلال کو کھو کر، اپنے وجود کو دوسرے کے ساتھ معلق کرنے کے مرحلے میں ہیں۔ کیونکہ "قاب قوسین" سے زیادہ قرب کا تصور فنا ہے۔ دو قوس سے بھی زیادہ قریب ہونے کا مطلب دو نہیں رہتا بلکہ ایک ہو جاتا ہے۔ قرب سے زیادہ ادنیٰ ہوتا تو ایک ہونا ہی ہوا۔

لہٰذا پیغمبرؐ کے جبرئیل میں فنا ہونے کی کوئی فضیلت و افتخار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قبلہ اس کی وضاحت فرمائیں۔ پھر ہم وحدت الوجود والوں پر کیوں معترض ہوتے ہیں؟ فنا فی اللہ کیا تصوف کا بنیادی فلسفہ نہیں ہے؟ بندہ میں حلول، یا اللہ میں فنا۔ اگر ہمارے جید علماء اس نظریہ کو اپنے اعتقاد کے رسالہ میں درج فرمائیں تو قوم کدھر جائے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس ہذیانی کلام پر یہ شعر صادق آتا ہے:

ع بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اس کلام مختل النظام کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی فریب خوردہ صوفی کی شطحیات ہیں۔ جس کا اہل بیتؑ کی تعلیمات سے اتنا بھی تعلق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکے سے ہوتا ہے۔ اگر آپ ایسے لوگوں کو اپنا جید عالم سمجھتے ہیں تو پھر آپ کی سمجھ کا قصور ہے۔ یہ حلول اور فنا فی اللہ کی بے معنی اِصطلاحات صوفیوں کی ہیں۔ ہمارے ہاں ان کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

بہر کیف یہاں دو کمان یا اس سے بھی کم تر جس فاصلہ کا تذکرہ ہے اس سے جناب پیغمبر اسلامؐ اور جبرئیل امینؑ کے درمیان کا فاصلہ مراد ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اس مقام سے زمین کی طرف دیکھا تھا تو دو کمان کا فاصلہ محسوس ہوا۔ بہر حال اس سے آنحضرتؐ اور خدا کے درمیان فاصلہ مراد

نہیں ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لامکان ہے ۔ فتدبر وتشکر ۔ دیگر تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری تفسیر "فیضان الرحمن" کا مطالعہ کیا جائے ۔

سوال: (۲۰۴): اسی ضمن میں علماء اہلِ تشیع کا نظریہ یہ ہے کہ وہاں ایک پردہ تھا ، پس پردہ سے جو آواز آ رہی تھی وہ حضرت علیؑ کی آواز تھی اور اسی پردہ سے نکلنے والے ہاتھ حضرت علیؑ کے ہاتھ کے مانند تھے ۔ الا ماشاء اللہ ۔ اور بھی داستانیں اس سلسلہ میں نقل ہوتی ہیں، جن کا ذکر ہم یہاں نہیں کرتے ۔ قبلہ کیا آواز یعنی لہجہ حضرت علیؑ کا تھا؟ جس کو موسوی صاحب یہاں ٹھکرا رہے ہیں یا نہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: داستانیں داستانیں ہی ہوتی ہیں اور عام لوگ : ۔

ع بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کے لیے

چنانچہ ایک داستان میں ہے کہ پردہ سے ہاتھ نکلا، جو حضرت علیؑ کے ہاتھ کی مانند تھا، راستہ میں ایک شیر سدِّ راہ ہوا جو انگوٹھی لے کر ہٹا وغیرہ وغیرہ ۔ حضرت علامہ سید علی حائری لاہوری نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ اس قسم کی داستانیں بیان کرنا اور ان کے مطابق عقیدہ رکھنا کفر ہے ۔

مگر یہ بات روایات اہلِ بیتؑ سے ثابت ہے کہ شب معراج خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ سے جو کلام کیا تھا، اس کا لب ولہجہ حضرت علیؑ کے لہجہ سے ملتا تھا ۔ اور اس کی وجہ خدا نے یہ بیان فرمائی تھی کہ میں نے آپؐ سے اس لیے جناب علیؑ کے لہجہ میں بات کی ہے تاکہ آپؐ اس عالم تنہائی میں مانوس رہیں ۔ (اور یوں سمجھیں کہ گویا اپنے بھائی علیؑ سے بات کر رہے ہیں)

خداوند قدیر نے جس طرح ہر آدمی کی شکل وعقل الگ الگ بنائی ہے اسی طرح ہر آدمی کی آواز بھی الگ الگ بنائی ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے کہ کسی

کی آواز کو دوسرے کی آواز کے مشابہ بنا دے ۔ جس طرح جناب سیدہ زینبؑ جب خطبہ دیتی تھیں تو سننے والے سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ خطبہ دے رہے ہیں ۔ ملاحظہ ہو تفسیر صافی ، برہان اور نور الثقلین وغیرہ)

(ماہنامہ "دقائق اسلام" نومبر ۲۰۱۰ء)

سوال: (۲۰۵): قرآن مجید میں تمام خشک وتر کا ذکر موجود ہے ۔ اس کی صحیح ادراکی تفہیم کیا ہے؟ اس کا واضح اور آسان فہم کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سلسلہ میں پہلی گزارش یہ ہے کہ مفسرین میں اِختلاف ہے کہ یہاں کتاب مبین سے مراد کیا ہے (جس میں ہر خشک وتر کا ذکر ہے) بعض نے اس سے لوح محفوظ مراد لی ہے ۔ لہٰذا اس تفسیر کی بنا پر اس آیت کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ۔ ہاں البتہ بعض نے اس سے مراد قرآن مجید مراد لیا ہے ۔ تو بنابریں اس کا واضح مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا ذکر اشارہ وکنایہ کی زبان میں مذکور ہے جس کے سمجھنے کے لیے سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام کی عقل وخرد درکار ہے ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ (الدخان: ۵۸) اے میرے حبیبؐ! ہم نے قرآن کو آسان بنا دیا ہے بشرطیکہ بیان کرنے والی زبان تیری ہو ۔

سوال: (۲۰۶): خوارج کے متعلق حضرت علیؑ کی وصیت کہ میرے بعد اس گروہ کو نہ مارنا ، کیونکہ یہ حق کی تلاش میں نکلے ہیں، لیکن باطل میں ڈوب گئے ہیں ۔ لہٰذا یہ ان کے برابر نہیں جو باطل کی حکمرانی کے لیے نکلے ہیں، اس کی اصل وضاحت کیا ہے ۔ ارشاد فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس کا جواب واضح ہے کہ کائنات ارضی وسماوی میں خدائے علیم وحکیم نے کوئی بھی دو چیزیں برابر پیدا نہیں کیں، نہ دو نیکوکار برابر

ہیں اور نہ دو بدکار برابر، لہٰذا بدکار اور اشرار تو خوارج بھی ہیں مگر نواصب ان سے بھی بڑے بدکار اور اشرار ہیں ۔ "وانما الاعمال بالنیات" اگر خوارج خود جنگ نہروان میں حضرت امیرالمومنینؑ کے خلاف جنگ مسلط نہ کرتے تو حضرت ان کو قتل نہ کرتے، اسی لیے وصیت فرما رہے ہیں کہ بلاوجہ میرے بعد ان کو قتل نہ کرنا ۔

سوال: (۲۰۷): حقیقت عصمت کیا ہے؟ ترکِ اطاعت، فعل معصیت، سہو ونسیان، قرآنی آیات میں انبیاء کے متعلق ترکِ اولیٰ و معصیت جیسی گفتگو کا اصل مطلب کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: عصمت ایک لطف خداوندی ہے کہ خدا اپنے جس خاص بندہ (نبی یا امام) پر وہ لطف فرماتا ہے تو باوجود قدرت رکھنے کے وہ نہ کسی واجب کو ترک کرتا ہے اور نہ ہی کسی فعل حرام کا ارتکاب کرتا ہے ۔ یعنی قدرتِ گناہ رکھنے کے باوجود وہ اپنے اختیار سے گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اور وہ شیطانی سہو ونسیان سے بھی محفوظ ہوتا ہے ۔ کیونکہ شیطان اس پر مسلط نہیں ہوسکتا ۔

الغرض وہ شیطان کے قابو سے باہر ہوتا ہے ۔ اور جہاں تک ترکِ اولیٰ کا تعلق ہے اسے گناہ نہیں کہا جاسکتا ۔ کیونکہ گناہ کسی واجب کو ترک کرنے یا کسی فعل حرام کا ارتکاب کرنے کا نام ہے ۔ اور معصوم یہ دونوں کام نہیں کرتا ۔ ترکِ اولیٰ کو ایسا سمجھیں جیسے کوئی فعل مستحب کو ترک کرے کہ وہ اس کے بجالانے کے ثواب سے تو محروم ہوتا ہے مگر گنہگار نہیں ہوتا اور سزا کا مستوجب نہیں ہوتا ۔

سوال: (۲۰۸): بہت سے انبیاء شیطان کے بہکاوے میں آئے، جب کہ شیطان کہتا ہے کہ میں تیرے تمام بندوں کو گمراہ کروں گا سوائے بندگانِ صالح سے، جب کہ انبیاءؑ کے صالح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ۔ پر نہ بہکنے والے

صالح بندے کون ہیں؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: بے شک خدائے تعالیٰ کے صالح بندوں کے حقیقی مصداق انبیاء کرام اور ائمہ علیہم السلام ہی ہیں اور جب شیطان خود اقرار کر رہا ہے کہ وہ ان بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا تو پھر جو شخص کہتا ہے کہ شیطان ان کو گمراہ کر سکتا ہے وہ شیطان سے بھی بڑا گمراہ ہے ۔ نہ معلوم ان بہکاوے سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد گمراہی اور بدراہی ہے تو شیطان کبھی ایسا نہیں کر سکتا، اور اگر اس سے مراد ترکِ اولیٰ ہے تو وہ بہکاوا نہیں ہے بلکہ ترکِ اولیٰ ہے، جیسا کہ سوال نمبر ۲۰۷ کے جواب میں ابھی اس کی وضاحت کی جاچکی ہے ۔

والحمدللہ ۔

سوال: (۲۰۹): سورۂ نجم میں ہے وہ ہرگز ہوائے نفس سے بات نہیں کرتا جو کچھ وہ کہتا ہے وحی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ۔ اس کا اصل مفہوم کیا ہے؟ قرآن کے علاوہ حضورؐ کی بات چیت، گفتگو، معاملات، کاروباری گفتگو، علیک سلیک، گھریلو معاملات کیا سب کچھ اس مذکورہ مفہوم کے تحت آتا ہے یا نہیں؟ صحیح تفسیر کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: کلام کا اصل مفہوم یہ ہے کہ چونکہ کفار ومشرکین یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نہیں، بلکہ خود پیغمبر اسلامؐ کا کلام ہے، اور اسلام کے احکام خود آنحضرتؐ نے اپنی خواہش نفس کے تحت وضع کیے ہیں ۔ اپنی من پسند چیزوں کو حلال اور اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ۔ لہٰذا خدائے علیم وحکیم ان لوگوں کے جواب میں اپنے رسول مکرمؐ کی پوزیشن واضح فرما رہا ہے کہ حضورؐ نبی مکرم عصمت کبریٰ کے اس بلند درجہ پر فائز ہیں کہ وہ اپنی خواہش نفس کے تحت نہ کسی چیز کو حلال اور نہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ

CS CamScanner

وہ یہ سب کچھ وحی الٰہی کے تحت کرتے ہیں ۔یعنی:

ے گفتۂ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لہٰذا عام معاملات میں آپؐ کا بول چال یا گھریلو معاملات میں گفتگو اس میں شامل نہیں ہے ۔اگرچہ ان معاملات میں بھی وہ شریعت کے حدود میں رہ کر بات چیت اور کام وکلام کرتے ہیں ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" دسمبر ۲۰۱۰ء)

سوال: (۲۱۰): روحانیت کیا ہے؟ اس کا پیمانہ یا حصول یا اس کا عمل دخل کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے: ①جسم، اور ②روح ۔ان دونوں کا مزاج الگ الگ ہے، تقاضے الگ الگ ہیں، غذا الگ الگ ہے، بیماری الگ الگ ہے، اور علاج بھی الگ الگ ہے ۔

لہٰذا جو انسان بدن کے تمام تقاضے پورے کرے اور اس کی تکمیل کرے، اسے مادی انسان کہا جاتا ہے ۔اور جو روح کے تمام تقاضے پورے کرے، اور اس کی غذا اور دوا کا مکمل انتظام کرے، اسے روحانی انسان کہا جاتا ہے ۔

الغرض روح کی غذا عبادات شرعیہ کی بجا آوری ہے ۔اور اس کی بیماری محرماتِ الٰہیہ کا ارتکاب کرنا ہے اور اس کی صحت ان سے اجتناب کرنا ہے، بالخصوص روحانیت واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کرنے کے علاوہ شرعی مستحبات وآداب کے بجالانے اور اخلاق عالیہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے سے روحانیت حاصل ہوتی ہے ۔اور اسی سے آدمی روحانی کہلاتا ہے ۔

رزقنا اللہ ھذہ المرتبۃ۔

سوال: (۲۱۱): ایک فاضل مصنف مولانا سیّد علی شرف الدین موسوی نے

اپنی تصنیف "انتخاب مصائب" ترجیحات میں طفلانِ مسلم کی شہادت کو ایک افسانہ اور جعلی قرار دیا ہے جو کہ رونے رلانے کے سوا کچھ نہیں ہے ۔اس کی وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس تلخ نوائی کی معذرت کے ساتھ اگر قوم میں دو چار اور ایسے فاضل مصنف پیدا ہو جائیں تو دین و دیانت اور تاریخ وثقافت کا جنازہ نکل جائے گا ۔بھلا وہ واقعہ جسے حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے لے کر (در امالی شیخ صدوقؒ) حضرت علامہ مجلسیؒ تک (بحار الانوار) اور حضرت شیخ عباس قمی (در نفس المہموم) سے لے کر علامہ سید علی نقی تک (در شہید انسانیت) اور اس احقر تک (در سعادۃ الدارین) اپنی کتابوں میں پوری تفصیل جمیل کے ساتھ درج کریں ۔اگر وہ افسانہ ہے تو پھر حقیقت کسے کہتے ہیں؟ کیا جناب موسوی پر جبرئیل وحی لائے ہیں کہ ان علماء اعلام کے بیانات افسانہ ہیں اور:

"مستند ہے موسوی صاحب کا فرمایا ہوا؟"

ع تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

سوال: (۲۱۲): جناب فاطمہ زہراءؑ کے بعد حضرت علیؑ کے عقد میں آنے والی دوسری زوجہ جناب امامہ بنت ابی العاص ہیں یا فاطمہ بنت حزام یا کوئی اور؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: جو کچھ تاریخ اسلام کے اوراق سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت رسولِ خدا ﷺ نے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؑ کے حین حیات میں دوسری کوئی شادی نہیں کی تھی اور ان کی وفات کے بعد متعدد شادیاں کی تھیں

اسی طرح حضرت امیر علی علیہ السلام نے بھی حضرت زہراءؑ کے حین

CS CamScanner

حیات میں کسی خاتون سے عقد ثانی نہیں کیا تھا، اور ان کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے کئی شادیاں فرمائیں اور سب سے پہلے جناب امامہ بنت ابوالعاص سے شادی کی تھی اور بعد ازاں جناب فاطمہ بنت حزام سے عقد ازدواج فرمایا۔

سوال: (٢١٣): انسان کے کردار میں نام کے اثرات کے بارے میں قرآن وحدیث سے تحقیق کیا ہے؟ نام بدلنے سے اثرات وکردار، تکلیف ومصیبت کا بدلنا کیسا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: بے شک اسلام میں اچھا نام رکھنے کا حکم ضرور ہے مگر اس بات کا قرآن وسنت میں کوئی نام ونشان بھی نہیں ملتا کہ نام سے انسان کے کردار یا اس کی روش ورفتار پر کوئی اثر پڑتا ہے، یا نام کے بدلنے سے مقدر بدل جاتا ہے، اور بلا ومصیبت ٹل جاتی ہے۔ یہ صرف ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے وبس۔

سوال: (٢١٤): کیا جناب لیلیٰ بنت ابی مرہ بن مسعود ثقفی والدہ جناب شاہزادہ علی اکبرؑ کربلا میں موجود تھیں، یا صرف قصہ کہانی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: علماء محققین کے نزدیک جناب لیلیٰ کا واقعہ کربلا سے بہت عرصہ پہلے مدینہ میں انتقال پُر ملال ہوگیا تھا۔ اس لیے وہ واقعہ کربلا میں موجود نہیں تھیں۔ اس بات کی پوری تحقیق وتفصیل معلوم کرنی ہو تو ہماری کتاب "سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ" کا مطالعہ فرمائیں۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جنوری ٢٠١١ء)

سوال: (٢١٥): زوجہ امام حسینؑ محترمہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبداللہ جو کہ جناب فاطمہؑ بنت الحسینؑ کی والدہ مکرمہ ہیں، ان کے والد طلحہ وہی بزرگ ہیں جو

برادرانِ اسلامی کے نزدیک عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور جن کا نام طلحہ وزبیر کے کردار میں آتا ہے؟ جناب امام حسن علیہ السلام کی شہادت ٥٠ھ میں ہوئی، تو اس طرح کربلا میں جناب فاطمہ صغریٰ کی ٨ یا ٩ سال بنتی ہے، پھر ان کا حامل امانت ہونا، اور خطبات دینا نظر انداز کرنا پڑے گا۔ جناب سکینہ بنت الحسینؑ ان سے بھی کم عمر تھیں، ان کا سن کتنا بنے گا؟ جناب فاطمہ بنت الحسینؑ جناب حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام کے عقد میں تھیں۔ اور دونوں کربلا میں موجود تھے۔ انہی سے حسنی سادات کا سلسلہ چلا۔ پھر جناب امیر قاسم کے عقد کا قصہ کیا ہے؟ وہ جناب امام حسینؑ کی کس بیٹی سے ہوا؟ جناب شہزادہ علی اکبرؑ کی شادی کس سے ہوئی تھی؟ جس کے نہ ہونے کا افسوس کیا جاتا ہے۔ جناب فاطمہ صغریٰ بیمار مدینہ ہیں۔ پھر وہ کونسی سیّد الشہداءؑ کی بیٹی ہے۔ کربلا میں موجود جناب فاطمہ بنت الحسینؑ اور جناب سکینہ بنت الحسینؑ کی عمر کتنی تھی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: بظاہر تو یہ ایک سوال ہے مگر درحقیقت یہ کئی سوالات کا مجموعہ ہے اور ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ سب کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں:

① ہاں، یہ محترمہ اسی طلحہ کی صلب سے متولد ہوئیں جو برادرانِ اسلامی کے نزدیک عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں، اور جنگ جمل میں جن کا کردار بڑا نمایاں نظر آتا ہے۔ سچ ہے: "یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی"۔

② امام حسن علیہ السلام کی شہادت ٥٠ھ میں ہوئی، اور عدت گزار کر جناب ام اسحاق نے حضرت امام حسینؑ سے عقد وازدواج کیا تو ٦١ھ تک کھینچ تان کر ان کی عمر دس سال بنتی ہے اور عربستان میں دس سال کی

لڑکی عقد و ازدواج کے قابل ہوتی ہے اور خاندانِ رسالت کی دس سالہ بچی خطبے بھی دے سکتی ہے۔

③ جناب سکینہ بنت الحسینؑ کی ولادت کی تاریخ کتابوں میں نظر نہیں آتی ۔ لہٰذا یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعہ کربلا میں ان کی عمر کتنی تھی ۔ بہر حال یہ بھی یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ واقعہ کربلا میں ان کی کل عمر تین چار سال تھی بالکل غلط ہے ۔

④ جناب شاہزادہ علی اکبرؑ کی کسی ایسی شادی کرنے کا تذکرہ کتب تاریخ میں مذکور نہیں ہے ۔

⑤ جناب شاہزادہ قاسم کے عقد و ازدواج کا قصہ داستانِ امیر حمزہ کی قسم سے ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ یہ بالکل بے بنیاد ہے ۔

⑥ جناب فاطمہ صغریٰؑ کے وچھوڑے والی روایت نا قابلِ اعتبار ہے وہ واقعہ کربلا میں موجود تھیں ۔ ان باتوں کی تفصیل ہماری کتاب "سعادۃ الدارین" میں دیکھی جاسکتی ہے ۔

سوال: (۲۱۶): شام میں جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ کی ضریح مبارکہ کا وجود کیا معنی رکھتا ہے؟ جب کہ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ۔ وضاحت فرمائیں کہ پھر یہ کس کا مزار ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہم نے اپنی کتاب "سعادۃ الدارین" میں دلائل قاطعہ کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ کا زندانِ شام میں وفات پانا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور متعدد تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں بمقام مدینۃ النبیؐ واقع ہوئی اور ان کی نماز جنازہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں ۔ اللہ

تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ شام والا مزار کس کا ہے ؟

سوال: (۲۱۷): حضرت سکینہؑ اور جناب فاطمہ صغریٰؑ کے بارے میں داستانیں گھڑی گئیں، جب کہ تواریخ اور مقاتل کی تحقیق کے مطابق کربلا ۶۱ھ میں دونوں شادی شدہ تھیں ۔ حوالہ انتخاب مصائب از سید شرف الدین موسوی آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جناب فاطمہؑ بنت الحسینؑ ایک ہی ہیں، جن کو مختلف اعتبارات سے کبریٰ و صغریٰ کہا جاتا ہے ۔ ابھی اوپر ان کا تذکرہ کیا جاچکا ہے ۔ اور جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ حضرت امام حسینؑ کی منجھلی بیٹی کا نام ہے ۔ ہماری تحقیق کے مطابق واقعہ کربلا میں وہ غیر شادی شدہ تھیں ۔ ہاں البتہ ان کی نسبت جناب عبداللہ بن امام حسنؑ سے ہوچکی تھی، جو کہ کربلا کے واقعہ میں شہید ہوگئے ۔ تفصیل "سعادۃ الدارین" میں دیکھی جائے ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" فروری مارچ ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۱۸): ام حبیبہ کون تھیں، بازار شام میں اس کا جناب بی بی زینبؑ سے مکالمہ اور مکمل روئیداد مستند ہے یا قصہ کہانی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے ظاہری دورِ خلافت میں کوفہ میں تشریف فرما تھے تو ام حبیبہ نے جناب زینب عالیہ سلام اللہ علیہا سے قرآن پڑھا تھا ۔ مقاتل کی کتب معتبرہ میں بازار کوفہ میں موصوفہ کے جناب زینب عالیہؑ سے اس قسم کے کسی مکالمہ کا تذکرہ نہیں ملتا ۔ ہاں البتہ غیر مستند کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور روضہ خوان بڑے طمطراق سے بیان کرتے ہیں ۔ واللہ العالم ۔

سوال: (۲۱۹): تقدیر، دعا، صدقہ، لوح محفوظ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے سب کچھ

CS CamScanner

جانتا ہے، پھر یہ سب کچھ کیوں؟ نتیجہ سے واقف کو امتحان لینے کی ضرورت کیوں؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: آیاتِ قرآنیہ اور احادیث معصومہ سے واضح ہوتا ہے کہ خداوند عالم کے پاس دو لوحیں ہیں:

① ایک کا نام لوح محفوظ ہے، کائنات میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے وہ سب تفصیل سے اس میں لکھا ہوا ہے، اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوتا ۔

② دوسری کا نام لوح محو واثبات ہے کہ اس نوشتہ جات میں دعا وصدقہ وغیرہ علل واسباب کے تحت تغیر وتبدل کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، تاکہ پتا چلے کہ خداوند عالم محو واثبات پر قدرت کاملہ رکھتا ہے، اور دعا و پکار اور صدقہ وخیرات کا بھی اثر ہوتا ہے ۔ یہ سب کچھ بے کار نہیں ہے ۔

نیز واضح رہے کہ ہمیشہ امتحان اس لیے نہیں لیا جاتا کہ ممتحن کو پتا چلے کہ امتحان دینے والا اہل ہے یا نااہل، بلکہ دوسروں پر کسی شخص کی اہلیت یا نااہلی ظاہر کرنے کے لیے بھی لیا جاتا ہے ۔ کما لا یخفیٰ۔

سوال: (۲۲۰): علم کسے کہتے ہیں ۔علم حاصل کرو، اگرچہ تمھیں چین جانا پڑے ۔کیا یہ حدیث مستند ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: علم کے معنی کسی چیز کے جاننے کے ہیں ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "علم الشئ افضل من جھل الشئ" کہ کسی چیز کا جاننا اس کے نہ جاننے سے بہتر ہے ۔اب علم کی دو قسمیں ہیں:

①دینی علم ②دنیوی علم

جناب شہید مطہری نے اپنے بعض مقالات میں بالکل بجا لکھا ہے کہ ہر وہ علم جس کی ملک وملت کو ضرورت ہے اس علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ

ملک وملت ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکے ۔ یہ حدیث مستند ہے یا نہ لیکن مشہور ضرور ہے ۔اور اُصول درایت کے مطابق ہے اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ جس قدر علم پر دین اِسلام نے زور دیا ہے اس کی ادیانِ عالم میں نظیر نظر نہیں آتی ۔ظاہر ہے کہ قومیں علم سے ترقی کرتی ہیں جہالت سے کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی ۔

سوال: (۲۲۱): وسوسہ اور اِلہام میں فرق کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: وسوسہ دل و دماغ میں برے خیالات پیدا ہونے کا نام ہے ۔ جب کہ الہام اچھے خیالات کے دل و دماغ میں پیدا ہونے کا نام ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے ۔ (یوسوس فی صدور الناس) اور الہام والقا رحمن کی جانب سے ہوتا ہے ۔(و نفس و ما سواھا فالھمھا فجورھا و تقواھا)

(ماہنامہ "دقائق اِسلام" اپریل ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۲۲): کیا تہتر فرقوں والی حدیث مستند ہے؟ اسلام کو فرقے فرقے کرنا شرک قرار دیا گیا ہے ۔ پھر کوئی فرقہ کیوں جنت میں جائے گا؟ جب ایک فرقہ ناجی ہے تو کیا سارا فرقہ جنت میں چلا جائے گا؟ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں، یہ حدیث نہایت ہی مستند ومعتبر ہے اور اس کے مستند ومعتبر ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ اسلام کا ہر فرقہ اسے صحیح تسلیم کرتے ہوئے اپنے جنتی ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے ۔تفریق کے جرم کا مُرتکب وہ شخص ہے جس نے فرقہ آرائی کا بیج بویا، اور اس کی آبیاری کی، دوسروں کا کیا قصور ہے؟ ناجی فرقہ بس وہی ہوگا جو اصلی اسلام کا علم بردار ہوگا ۔

CS CamScanner

جو اسلام خدا نے بنایا، اور جو رسولِ خداؐ نے بے کم و کاست امت تک پہنچایا۔ اور ہاں وہ سارا فرقہ جنت میں جائے گا، جو ناجی ہوگا، بشرطیکہ وہ اس نام کے معیار پر پورا اترے گا۔ نہ وہ جو صرف زبانی دعویٰ تو کرے گا، مگر اس کے معیار پر پورا نہیں اترے گا۔ مثلاً:

ناجی فرقہ شیعہ خیر البریہ ہے، جیسا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا علیؑ ! انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامة

اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ بروزِ قیامت کامیاب و کامران ہوں گے۔

تو ہر وہ شخص جنت میں جائے گا جو درحقیقت علیؑ کا شیعہ ہوگا۔ یعنی اس کا ہر عقیدہ و عمل حضرت علی علیہ السلام کے عقیدہ و عمل کے مطابق ہوگا، نہ کہ وہ جو صرف نام کا شیعہ ہوگا، اور عقیدہ و عمل میں دشمنانِ علی کا تابع ہوگا۔ ع

اینہا همه راز است که معلوم عوام است

سوال: (۲۲۳): علماء سے سنا ہے کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میری اولاد کا احترام کرو، اگر اچھے ہیں تو خدا کی خاطر اور اگر برے ہیں تو میری خاطر“۔ ادھر حدیث میں وارد ہے کہ ”میری بیٹی فاطمہؑ بھی چوری کرتی ہے تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ پہلی امتیں اسی وجہ سے تباہ ہوئیں“۔ کیا یہ تضاد نہیں ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ ایسا سمجھنے والے کی سمجھ کا قصور ہے۔ پہلی حدیث کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر میری اولاد سے تمہارے حق میں کوئی غلطی ہوجائے تو اگر وہ نیکوکار ہوں تو خدا کی خاطر اور اگر خطاکار ہوں تو میری خاطر ان کی غلطی سے درگزر کردو۔ ان کی

اہانت نہ کرو۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ اگر وہ کسی قابلِ حد یا تعزیر جرم کا ارتکاب کریں تو ان پر حد یا تعزیر جاری نہ کرو۔ وہ تو بہرحال جاری ہوگی۔

مگر یاد رہے کہ شرعی حد یا تعزیر کا جاری کرنا اور ہے اور کسی کی توہین کرنا اور، بلکہ ہماری روایات میں تو یہاں تک وارد ہے کہ اگر سادات کرام نیکی کریں تو ان کو عام لوگوں سے دوگنا ثواب ملتا ہے اور اگر برائی کریں تو ان کو عام لوگوں سے دوگنا عذاب ہوتا ہے۔ پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوئی تھیں کہ وہ حدود خداوندی جاری کرنے میں امیر و فقیر میں تفریق کرتی تھیں۔

یعنی اگر کوئی غریب و نادار کسی جرم کا ارتکاب کرتا تھا تو اسے وہ لوگ سزا دیتے تھے اور اگر وہی جرم کوئی امیر کبیر کرتا تو اس سے درگزر کرتے تھے، جب کہ اسلام اس تفریق کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں مساوات کا قائل و عامل ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

سوال: (۲۲۴): کیا موت کا ایک دن معین ہے یا موت آگے پیچھے ہوسکتی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: عام طور پر مشہور یہی ہے کہ:

ع موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

مگر قرآن و حدیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر گھٹتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے:

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ

(سورۃ الفاطر: ۱۱)

نہ کسی کی عمر بڑھتی ہے اور نہ گھٹتی ہے مگر یہ کہ وہ پہلے سے کتابِ مبین (لوحِ محفوظ) میں ثبت ہوتی ہے ۔

ظاہر ہے کہ اگر عمر مقررہ وقت سے نہ بڑھ سکتی، اور نہ گھٹ سکتی تو دُعا بھی بیکار ہوتی اور صدقہ وخیرات بھی، اور علاج معالجہ بھی بے فائدہ ہوتا ۔ اور دوسری سب تدبیریں بھی ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ خداوند عالم کے پاس دو لوحیں ہیں ۔

① ایک کا نام "لوح محو واثبات" ہے جس کے مندرجات کبھی مٹائے جاتے ہیں اور کبھی لکھے جاتے ہیں ۔ ارشادِ قدرت ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (سورۃ الرعد:۳۹) یعنی خدا جو چاہتا ہے وہ لکھ دیتا ہے اور جس لکھے ہوئے کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے ۔ اور یہ بات خداوند عالم کے قادر مطلق اور فاعل مختار ہونے کی ناقابلِ انکار دلیل ہے ۔

② دوسری "لوحِ محفوظ" ہے ۔ جس میں پہلی لوح کے محو واثبات کا آخری نتیجہ درج ہوتا ہے ۔

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ کن باتوں سے عمر بڑھتی ہے اور کن امور سے گھٹتی ہے ۔ یہ ایک طویل الذیل بیان ہے ۔ تفصیل میری کتاب "احسن الفوائد" میں دیکھی جاسکتی ہے ۔ ہاں اس بڑھنے اور گھٹنے کا ایک سبب صلہ رحمی اور قطع رحمی بھی ہے ۔ واللہ العالم ۔

سوال: (۲۲۵): کیا مرجانے کے بعد کسی انسان نے زندہ ہوکر دوبارہ انسانی معاشرہ میں زندگی گزاری ہے؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں، قرآن وحدیث اور سیر وتواریخ کے مطالعہ سے

ایسے کئی اشخاص وافراد کے نام نظر آتے ہیں جو ایک بار موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے اور انسانی معاشرہ میں دوبارہ زندگی گزارنے کے بعد اپنی طبعی موت مرے ۔

جیسے وہ لوگ جو کوہِ طور پر تجلی پروردگار کی وجہ سے ہلاک ہوگئے تھے، اور جناب موسیٰؑ کی دعا واستدعا پر دوبارہ زندہ ہوئے ۔ یا جیسے عزیرؑ نے طاعون کی وجہ سے مردہ قوم کو دیکھ کر ازراہِ تعجب کہا تھا کہ خدا ان کو کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اس پر خدا نے ان کو ایک سو سال تک موت دے دی اور دوبارہ زندگی عطا فرمائی ۔ یا جن لوگوں کو جناب عیسیٰؑ نے بارگاہِ رب العزت میں دعا واستدعا کرکے دوبارہ زندگی دلوائی تھی ۔ الیٰ غیر ذالک من الواقعات ۔

سوال: (۲۲۶): کیا رسول کریمؐ یا ائمہ طاہرینؑ سے ایسی مستند ادعیہ و روایات مروی ہیں جن سے عذابِ قبر، فشارِ قبر، سوال وجوابِ قبر، یا عالم برزخ کے دوسرے حالات سے آگاہی ہوتی ہو جن کا آج کل انکار کیا جارہا ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ایسے ادعیہ جات بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اور روایات متواترہ بھی اور یہ امور مذہب شیعہ خیرالبریہ کے ان مسلمہ عقائد و نظریات کا حصہ ہیں جن کا منکر کم از کم مذہب شیعہ سے خارج ہے ۔ اور اس سلسلہ میں ہماری کتاب "احسن الفوائد" کے علاوہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی بحار الانوار کی (سابقہ تقطیع کے مطابق) تیسری جلد کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے ۔ و اللہ الموفق والمؤید والمعین وھو خیر الناصرین ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مئی ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۲۷): بکر کی بیوی سے ناچاقی ہوئی، اس نے ایک مولوی صاحب کو بلوایا اور گواہوں کے سامنے عربی زبان میں طلاق کے صیغے ایک ساتھ پڑھ

کر طلاق دے دی ۔اب کافی مدت ہو چکی ،یعنی ایک سال ہو چکا ہے،اب ان بیک وقت صیغوں کے پڑھے جانے اور طلاق دیے جانے کے بعد بکر بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، یا حلالہ نکالنا پڑے گا ۔وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: چونکہ یہ طلاق رجعی ہے، ایک نشست میں جس قدر بھی صیغے پڑھے جائیں ،طلاق ایک ہی سمجھی جاتی ہے اور شوہر رجوع کر سکتا ہے ۔مگر عدت کے اندر اندر ۔مگر اب تو چونکہ سال گزر چکا ہے، لہٰذا اب رجوع تو نہیں ہوسکتا، البتہ عقد جدید پڑھ کر رشتہ عقد وازدواج کی تجدید کی جاسکتی ہے ۔حلالہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔

سوال: (۲۲۸): زید نے بیک وقت بیوی کو صیغے پڑھ کر گواہوں کے سامنے طلاق دے دی، اب وہ کسی اور سے عقد نکاح کر سکتی ہے، عدت کتنی ہوگی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: طلاق تو صحیح ہے اور جہاں تک عدت کا تعلق ہے وہ تحقیقی قول کے مطابق تین طہر ہے ۔ایک طہر وہ جس میں طلاق دی گئی، دوسرا طہر وہ ہوگا جب عورت ایام مخصوصہ کے بعد غسل کرے گی، اور جب دوسری بار ایام سے پاک ہوگی تو یہ تیسرا طہر متصور ہوگا ۔اس اثنا میں شوہر رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے ۔

سوال: (۲۲۹): اگر مسنونہ خطبات وکلمات نکاح نہ پڑھے جائیں اور صرف ایجاب وقبول ہوتو کیا عقد منعقد ہوجائے گا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: عقد نکاح کے ارکان تین ہیں:

① ایجاب عورت کی طرف سے ② قبول مرد کی طرف سے ③ اور حق مہر ۔

ان امور ثلاثہ کی انجام دہی سے عقد نکاح واقع ہوجاتا ہے ۔خطبہ وغیرہ پڑھنا بہرحال مستحب ہے، وہ صحت نکاح کی شرط نہیں ہے، اور نہ ہی واجب

ہے ۔کما لا یخفیٰ ۔

سوال: (۲۳۰): جو بھی رؤیت کا دعویٰ کرے اس کو جھوٹا سمجھو ۔ (انوار النجف جلد ۲ صفحہ ۲۱۳) کیا امام زمانہؑ بالمشافہ ملاقات فرماتے ہیں، یا خواب میں زیارت کراتے ہیں ۔کسی بزرگ یا جید عالم ومجتہد کو بلا واسطہ خواب یا کسی اور طریقہ سے رہنمائی فرماتے ہیں ۔روایات کیا ہیں؟ فقہی مسائل میں وہ مسائل کہاں کہاں درج ہیں، جن میں غیبت کبریٰ میں امام زمانہؑ نے کسی مجتہد کی راہنمائی فرمائی ہو اور اس مجتہد نے فتویٰ تبدیل کیا ہو؟ آئے دن لوگوں کو راستہ دکھانے اور خصوصاً خواب میں امام زمانہؑ اور دوسرے معصومینؑ کی زیارت وملاقات کے قصے بیان ہوتے ہیں ۔مگر ایران وعراق یا آج کل نجف اشرف اور کوفہ وکربلا کے حالات، اور آیات اللہ آج خود جس مخمصہ میں پھنسے ہوئے ہیں، ان کی راہنمائی کیوں نہیں ہوتی؟

جواب: باسمہ سبحانہ: محقق طوسی علیہ الرحمہ نے تجرید الاعتقاد میں بڑے پتے کی بات کہی ہے: ”وجود الامام لطف و تصرفه لطف اُخر وعدمه منا“ کہ امام کا وجود ایک لطف الٰہی ہے اور ان کا تصرف کرنا اور اپنے وظائف انجام دینا دوسرا لطف ہے ۔اور اگر ہم اب اس دوسرے لطف سے محروم ہیں کہ امام اپنے مقررہ وظائف کو انجام نہیں دے رہے تو اس کا باعث ہم خود ہیں کہ ہماری ہی کج رفتاری وناہنجاری کی وجہ سے وہ پردۂ غیبت میں روپوش ہوئے ہیں ۔بنا بریں پردۂ غیبت سے نکل کر اور منصۂ شہود پر آکر ہماری راہنمائی کرنا ان کے فرائض میں شامل نہیں ہے ۔سچ ہے کہ ”خود کردہ را علاجے نیست“ ۔

اسی لیے امام کے ناحیۂ مقدسہ سے یہ توقیع صادر ہوئی کہ جو شخص یہ بڑ ہانکے کہ اس کی امام زمانہؑ سے ملاقات ہوتی ہے، یعنی وہ امامؑ کی خدمت میں

CS CamScanner

حاضر ہوتا ہے، یا امامؑ اس کے ہاں تشریف لاتے ہیں، امامؑ نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چلو دعوائے ملاقات کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن فی الحقیقت ملاقات ہوسکتی ہے یا نہ؟ تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس بات کے امکان عقلی میں تو کوئی کلام نہیں ہے۔ مگر ساری بحث کا محور تو یہ ہے کہ آیا یہ امکان کبھی وقوع پذیر بھی ہوا ہے یا نہ؟

اگرچہ واقعات و روایات سے تو کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر یقین و اذعان اور اطمینان جنان کے ساتھ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے تو اس کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر امام زمانہؑ رہنمائی کریں تو یہ ان کا لطف و کرم ہے۔ ورنہ یہ بات ان کے فرائض و وظائف میں داخل نہیں ہے۔ واللہ العالم بحقائق الامور۔

سوال: (۲۳۱): غیبت کبریٰ میں امام زمانہؑ کا کردار اور ذمہ داری کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو امر مختلف اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ امام زمانہؑ اس وقت چند امور کو انجام دیتے ہیں:

① سب سے پہلے عبادت پروردگار کرتے ہیں۔

② اپنے شیعوں اور موالیوں کے لیے دعائے خیر، اور دشمنان سے حفاظت کی دعاء و پکار کرتے ہیں۔

③ سیّد الشہداءؑ کے مصائب و آلام پر گریہ و بکا کرتے ہیں۔

④ انتظار ظہور و امید کشائش کار وغیرہ وغیرہ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جون ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۳۲): امام زمانہ کا فرمان کہ میں علماء پر حجت ہوں اور وہ یعنی علماء

عوام پر حجت ہیں، اس حجت کے کیا معنی اور کیا دائرہ ہے؟۔

جواب: باسمہ سبحانہ: قرآن وسنت کے نقطۂ نگاہ سے بندوں پر خدا کی طرف سے حجت نبی و امام ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (سورۃ النساء:۱۶۵)

میں نے رسولوں کو مبشر و منذر بنا کر بھیجا، تا کہ بندوں پر حجت تمام ہوجائے اور وہ کوئی عذر پیش نہ کرسکیں۔

مگر عارضی طور پر علماء کرام بھی عوام پر حجت ہیں۔ کیونکہ وہ امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ میں دینی حقائق بیان کر کے لوگوں پر حجت تمام کرتے ہیں۔

لہٰذا ان کے وضاحتی کلام و بیان کے بعد کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے نیکی وبدی کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس لیے بدی کی ہے۔ قد تبین الرشد من الغی۔

سوال: (۲۳۳): امامؑ علماء پر حجت اور علماء عوام پر حجت ہیں۔ کیا امام زمانہؑ نے ولایت فقیہ یعنی ولی فقیہ کا بھی تصور دیا ہے۔ ولی فقیہ کے انتخاب اور اس کے معزول ہونے کا طریقہ کیا ہوگا؟ ولی فقیہ اور پھر ہر مجتہد کی علیحدہ توضیح المسائل یعنی رسالہ عملیہ ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: امام زمانہؑ کے زمانہ غیبت کبریٰ کے دور میں نواب امام یعنی علماء و مجتہدین کے اختیارات کا دائرہ کار کس قدر ہے؟ یہ مسئلہ قدیم الایام سے معرکۃ الآراء رہا ہے۔ مگر علماء محققین نے ہمیشہ اس سے فقہاء کے محدود اختیارات کا نظریہ اختیار کیا ہے کہ زمانہ غیبت کبریٰ کے دور میں احکام شریعت، حقائق اسلام اور مسائل حلال و حرام بیان کرنے میں نائب امام ہیں۔ لہٰذا وہ نبی و امام کے ہر اختیار کے نائب نہیں ہیں۔

CS CamScanner

بنابریں یہ نظریہ کہ اس دور میں ایک فقیہ کو ہر وہ اختیار حاصل ہے جو نبی و امام کو حاصل ہوتا ہے۔ اور پھر اس پر ولی فقیہ کا اطلاق بظاہر یہ نظریہ ضرورت کی پیداوار ہے۔ واللہ العالم۔

سوال: (۲۳۴): کیا باپ یا دادا یا بھائی کنواری لڑکی بالغہ، عاقلہ اور باشعور رشیدہ کو اس کی رضامندی کے بغیر کسی کے نکاح میں دے سکتے ہیں؟ نیز کیا ایک عاقلہ بالغہ اور رشیدہ و باشعور کنواری لڑکی باپ دادا بھائی کی رضامندی کے بغیر اپنے آپ کو کسی کی زوجیت میں دے سکتی ہے؟ لڑکی پر ولی کی اختیاری حیثیت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ مسئلہ ہمارے علماء و فقہاء کے درمیان نہایت ہی اختلاف کی آماجگاہ ہے۔ اور اس میں کم از کم پانچ قول ہیں۔ مگر جس نظریہ پر محقق اور محتاط فقہاء کا اتفاق ہے (اور جو ہمارے نزدیک بھی اظہر و اقویٰ ہے) وہ یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی اور اس کے ولی شرعی (یعنی باپ اور دادا۔ بھائی ولی نہیں ہے) کے درمیان ولایت مشترکہ ہے۔ یعنی نہ ولی شرعی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لڑکی کی رضامندی کے بغیر جس سے چاہے لڑکی کا عقد نکاح کر دے اور نہ ہی لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ولی شرعی کو نظرانداز کر کے جس سے چاہے شادی رچالے۔

بلکہ صحیح عقد و ازدواج وہ ہوگا جس پر ہر دو فریقین یعنی لڑکی اور اس کا ولی شرعی دونوں رضامند ہوں گے۔ تفصیل دیکھنے کے خواہش مند حضرات ہماری فقہی کتاب "قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ" جلد ۲ کی طرف رجوع فرما کر اطمینانِ قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

سوال: (۲۳۵): آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے دنیائے جوان نامی

کتاب میں جو کہ دار الثقلین کراچی سے شائع ہوئی ہے، کے صفحہ ۱۵۷ پر (سوال) "کیا ڈاڑھی صاف کرنا واضح طور پر حرام ہے؟" کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: "ہمارے ہاں حرام نہ ہونا ثابت ہے"...... آگے فرماتے ہیں کہ: "آیت اللہ خوئی احتیاط کے قائل تھے۔ آپ نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا"۔ قبلہ صاحب! قرآن وحدیث سے شرعی نقطہ نظر واضح فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: علماء اسلام میں یہ مسئلہ قدیم الایام سے متنازعہ فیہ ہے۔ برادرانِ اسلامی کے ہاں مشہور یہ ہے کہ "داڑھی رکھوانا سنت ہے"۔ جبکہ ہمارے علماء و فقہاء کے نزدیک نہ صرف مشہور یہ ہے کہ اس قدر رکھوانا کہ چہرہ پر ڈاڑھی نظر آئے، واجب اور منڈوانا یا مشابہ بحلق باریک کرانا حرام ہے۔ بلکہ کئی علماء کرام نے اس پر علماء شیعہ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

اور ہم نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بنام "حرمت ریش تراشی قرآن وسنت کی روشنی میں" سپردِ قلم و قرطاس کیا ہے۔ جو قابلِ دید ہے۔ اس کا مطالعہ فرما کر اطمینانِ قلب حاصل فرمائیں۔

سوال: (۲۳۶): کیا والدین کی اطاعت واجب ہے؟ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں، ہمارے یہاں مشہور یہی ہے جسے قرآن وسنت کی بھی تائید حاصل ہے کہ جب تک والدین کوئی خلافِ شریعت حکم نہ دیں، تب تک ان کی اطاعت واجب ہے۔ ہاں البتہ جب وہ کوئی خلافِ شرع حکم دیں تو پھر امیر علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق کہ "**لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**" جہاں خدا کی نافرمانی لازم آئے وہاں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (ماہنامہ "دقائق اسلام" جولائی ۲۰۱۱ء)

CS CamScanner

سوال: (۲۳۷): آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے کتاب مذکور کے صفحہ ۳۰۳ پر دینی قصیدوں کے اشعار کو موسیقی کے ساتھ سننا جائز قرار دیا ہے ۔ قرآن وحدیث سے کیا واضح ہوتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میں نے اپنے رسالہ اصلاح المجالس و المحافل اور قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ جلد ۲ میں قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ غنا یعنی موسیقی کی حرمت زنا کی طرح اس طرح ذاتی ہے کہ قابلِ تخصیص بھی نہیں ہے ۔ لہٰذا موسیقی بہرحال حرام ہے ۔ لیکن اگر کسی عبادت وسعادت کے کام میں جیسے تلاوت قرآن یا اذان یا مراثی میں اس کا ارتکاب کیا جائے تو اس کی حرمت میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے ۔ "لانه معصية في محل العبادة"

یہی وجہ ہے کہ مشہور فقہی کتاب العروۃ الوثقیٰ جو پانچ فقہاء کے حواشی کے ساتھ عراق سے شائع ہوئی ہے، اس میں صاف لکھا ہے کہ: "لا فرق في حرمته بين ان يكون في قرآن او اذان او رثاء او غير ذلك" یعنی غنا وموسیقی کی حرمت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ قرآن کی تلاوت میں ہو یا اذان میں، یا جناب سید الشہداءؑ کے مرثیہ وغیرہ میں ۔ هذا هو الحق الحقيق بالاتباع لاما حرره السيد فضل الله ۔

سوال: (۲۳۸): آیت اللہ مذکور نے کتاب مذکور کے صفحہ ۲۷۶ پر رقم فرمایا ہے کہ آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی مردوں کے مردوں میں اور خواتین کے خواتین میں رقص کو مباح سمجھتے ہیں ۔ بشرطیکہ شہوت انگیز نہ ہو ۔ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: سرکار آیت اللہ الخوئی اعلی اللہ مقامہ کے کسی ایسے فتویٰ کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے ۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ رقص جس کے معنی

ناچنے کے ہیں، یہ شریفوں کا کام نہیں بلکہ ڈوم ڈلوں کا کام ہے اور اسلام ہرگز کسی ایسے گھٹیا کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا، جو کسی شریف آدمی کی شرافت پر بدنما دھبا ہو ۔ ویسے یہ شرط بھی قابلِ غور ہے کہ بشرطیکہ شہوت انگیز نہ ہو ۔ بھلا وہ کونسا رقص ہے بالخصوص عورتوں کا جو شہوت انگیز نہ ہو؟ لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے ۔

سوال: (۲۳۹): نیک بخت بطن مادر میں بھی نیک بخت ہوتا ہے اور بدبخت بطن مادر میں بھی بدبخت ہوتا ہے ۔ الحدیث ۔ جبر وقدر کے حوالہ سے اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ خداوند عالم جس کا علم ازلی و ابدی ہے وہ اس بچہ کے انجام کو جانتا ہے جو ہنوز شکم مادر میں ہے کہ بڑا ہوکر اپنے عزم و ارادہ سے نیک بخت ہوگا یا بدبخت ہوگا؟ اور ظاہر ہے کہ علم کا معلوم کے عمل پر کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ اس میں صرف عالم کا کمال ہوتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جب بچہ بطن مادر میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر نیک بختی یا بدبختی کو مقدر کر دیتا ہے اور اس پر مسلط کر دیتا ہے ۔ کیونکہ یہ بات عدلِ خداوندی کے منافی ہے ۔ اور بندہ کے فاعل مختار ہونے کے بھی مناقض ہے جو کہ ناقابلِ رد دلائل سے ثابت ہے ۔

سوال: (۲۴۰): کیا ایک عورت مجتہدہ بن سکتی ہے؟ تو پھر اس کی تقلید جائز ہوگی ۔ اگر نہیں تو کیوں؟ جب کہ مرد اور عورت دونوں پر علم کا حصول لازم ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں بن سکتی ہے، مگر فقہاء امامیہ کا اتفاق ہے کہ چند منصب اتنے جلیل القدر ہیں کہ عورت ان پر فائز نہیں ہوسکتی ۔

① مردوں کو امامت کرانا یعنی نماز پڑھانا ۔

۲) قضاوت کے منصب پر فائز ہونا، اور لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کرنا ۔

۳) تقلید کرانا کہ لوگ اس کی تقلید کریں ۔

ہاں اگر وہ مجتہدہ ہے تو عورتوں کو احکام بتا سکتی ہے ۔ امر و نہی کا فریضہ ادا کرسکتی ہے اور تبلیغ دین بھی کرسکتی ہے ۔ علم خود ایک زیور ہے اور زیب و زینت کا باعث ہے ۔ تقلید کرنا کرانا اس کا جزء لاینفک تو نہیں ہے ۔

سوال: (۲۴۱): ولایت تصرف، وولایت تکوینی کا مفہوم و حقیقت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو لوگ معصومینؑ کی ولایت تکوینی کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نہیں ہے بلکہ پندرہ ہیں، ایک اللہ تعالیٰ اور دوسرے چہاردہ معصومین علیہم السلام ۔ جب کہ حقیقت الامر یہ ہے اور مذہب اہلِ بیتؑ کی تعلیم و تلقین بھی یہ ہے کہ کائنات ارضی و سماوی میں جس طرح چاہے اس طرح تصرف کرنا اور امور تکوینیہ از قسم خلق کرنا ورزق دینا اور موت و حیات مقرر کرنا، بیمار کو صحت عطا کرنا، اور مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دینا وغیرہ امور کو انجام دینا صرف ذاتِ خداوندی کا خاصہ ہے ۔ "الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ" جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی باگ ڈور ہے ۔ اس کی ذات، صفات، افعال اور عبادت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے ۔ "یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید" ان باتوں میں کوئی بھی مخلوق اس کے ساتھ شریک نہیں ہے ۔

لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے سوا کوئی اور ہستی بھی ان تصرفات کونیہ میں اللہ کے ساتھ شریک ہے، اور اس کے صرف ارادہ اور کُن کہنے سے کائنات میں تغیر و تبدل واقع ہوجاتا ہے ۔ یہ وہ شرک جلی ہے جو کہ خداوند عالم کے نزدیک قابلِ عفو و مغفرت نہیں ہے ۔ "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما

دون ذلك لمن یشاء" بڑے قلبی دکھ اور درد کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس چیز کا نام ائمہ اہلِ بیتؑ کے عہد میں تفویض تھا، جس کے قائلین پر انھوں نے لعنت بھیجی ہے اور جس کو تیرھویں اور چودھویں صدی میں شیخیت کا نام دیا گیا، آج بدقسمتی سے اسی چیز کا نام ایک نئے اور خوش نما غلاف میں لپیٹ کر ولایت تکوینی رکھ دیا گیا ہے ۔

ع نیا جال لائے پرانے شکاری

دعا ہے کہ خداوند عالم ہماری قوم کو قرآن پڑھنے اور سمجھنے اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے کلام حق ترجمان کے پڑھنے اور سمجھنے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خود تراشیدہ عقیدہ و عمل سے دامن بچانے کی سعادت مرحمت فرمائے ۔ بجاہ النبی و آلہ ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اگست ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۴۲): استخارہ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کب، کیوں، اور کیسے کیا جاتا ہے؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: استخارہ کے لغوی معنی تو "طلبِ خیر" کے ہیں ۔ مطلب یہ کہ جب کوئی شخص کوئی جائز کام کرنا چاہے تو خداوند عالم سے طلب خیر کرے کہ وہ ذات جامع جمیع صفات اس کام میں خیر و برکت عطا فرمائے اور وہ کام بخیر و خوبی انجام پذیر ہوجائے ۔ وہ دعاء استخارہ جو صحیفہ کاملہ میں موجود ہے وہ اسی معنی کے لحاظ سے ہے ۔

ہاں البتہ استخارہ کا وہ عام مفہوم جو لوگوں کے ذہنوں میں جاگزین ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو تو اس کے کرنے کے سلسلہ میں خداوند عالم سے مشورہ کیا جائے کہ میں وہ کام کروں یا نہ کروں ۔ اور پھر اس

CS CamScanner

کے مختلف طریقے ہیں ۔ استخارہ ذات الرقاع بھی ہے (جو سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے) تفائل بالقرآن بھی ہے اور تسبیح پر بھی کیا جاتا ہے ۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے استخارہ کے انواع و اقسام پر ایک پورا رسالہ بنام "مفاتیح الغیب" لکھا ہے ۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہو تو سب سے پہلے عقل و خرد سے سوچنا چاہیے، اور اس کام کے مثبت و منفی پہلوں پر غور و فکر کر کے کوئی مناسب فیصلہ کرنا چاہیے ۔ اور اگر وہ معاملہ اتنا گھمبیر ہو کہ آدمی کی عقل و خرد کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو پھر دیندار اور معاملہ فہم حضرات سے مشورہ کرنا چاہیے کہ ایسا کرنے سے ضرور کوئی مثبت فیصلہ سامنے آجاتا ہے ۔

اور اگر بالفرض مشورہ کرنے سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر تیسرے نمبر پر استخارہ کی نوبت آتی ہے ۔ یہ جو عام رواج ہو گیا ہے کہ نہ عقل سے سوچا جائے، نہ کسی سے مشورہ کیا جائے، اور تیسرے نمبر والے استخارہ کو پہلے نمبر پر لا کر کسی خشک مقدس سے استخارہ کرایا جائے، یہ روش بہرحال غلط ہے اور قابلِ مذمت ہے ۔

سوال: (۲۴۳): "رب الارباب" کے لفظ سے "ارباب" کا تصور اُبھرتا ہے ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: بے شک یہ تصور اُبھرتا ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ خدا، رسولِ خدا، اور ائمہ ہدیٰؑ کی نگاہ میں بھی وہ رب ہیں ۔ بلکہ اس لفظ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن اصنام وغیرہ کو مشرک لوگ "رب" مانتے ہیں، ہمارا پروردگار ان کا بھی رب اور پروردگار ہے ۔ جناب یوسفؑ اپنے ساتھی قیدیوں سے فرماتے ہیں: "أ ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار" میرے ساتھیو! تم ہی بتاؤ کہ آیا بہت سے ربوں کو ماننا بہتر ہے یا ایک قہار و جبار

پروردگار کو ماننا بہتر ہے؟

تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ مشرکوں کے ربوں کو رب مانتے تھے؟ دعا میں وارد ہے کہ: یا الٰہ الآلھہ! اے الہوں کے الٰہ! (مفاتیح الجنان) تو اس کا یہ مطلب ہے کہ امام علیہ السلام مشرکین کے خداؤں کو خدا مانتے تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں ۔ بلکہ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کو کفار و مشرکین الٰہ اور خدا مانتے ہیں، ہمارا خدا ان کا بھی الٰہ اور خدا ہے ۔

سوال: (۲۴۴): ایمان اور اطمینانِ قلب میں کیا فرق ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ایمان کے معنی حاکم اعلیٰ کی بات، حکم ماننے اور تسلیم کرنے کے ہیں ۔ خواہ دل مطمئن ہو یا نہ ہو ۔ اور اطمینانِ قلب تسلی و تشفی کا نام ہے جو اصل حقیقت کا مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ بارگاہِ خدا میں درخواست کرتے ہیں کہ مجھے آنکھوں سے دکھا تو مُردے کس طرح زندہ کرتا ہے؟

ارشادِ قدرت ہے: "اولم تومن" "اے خلیلؑ کیا اس پر تیرا ایمان نہیں ہے کہ میں مُردے زندہ کر سکتا ہوں؟ جناب خلیلؑ عرض کرتے ہیں "بلیٰ" ایمان تو ہے ۔ "ولکن لیطمئن قلبی" پر میں اطمینانِ قلب چاہتا ہوں، آنکھوں سے دیکھ لوں تا کہ دل مطمئن ہو جائے ۔

سوال: (۲۴۵): شیخ مفیدؒ کو شیخ مفید کیوں کہتے ہیں؟ ان کا اصل نام کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ کا نام نامی اور اسم گرامی شیخ محمد بن محمد ہے اور لقب مفید ہے جو کہ بعض اخبار و آثار کی بنا پر آپ کو یہ لقب حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف نے عطا فرمایا تھا (قصص العلماء تنکابنی) اور ویسے مفید کے عمومی معنی فائدہ پہنچانے والا ۔ اور ان جناب

CS CamScanner

کے علمی و عملی فوائد و عوائد اور کارناموں سے مذہب شیعہ چھلک رہا ہے ۔ ع

سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

(ماہنامہ "دقائق اسلام" ستمبر ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۴۶): معصومؑ کا عمل اس کے جواز کی علامت ہے وجوب کی نہیں ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے، چونکہ معصوم اپنی عصمت کی وجہ سے کسی ناجائز اور حرام کام کا ارتکاب نہیں کرتا، لہٰذا اس کا کسی کام کو انجام دینا اس بات کی قطعی دلیل ہوگی کہ وہ کام جائز ہے ۔ یعنی اگر ناجائز ہوتا تو معصوم وہ کام ہرگز نہ کرتا ۔ اب اس بات کی تحقیق کہ وہ کام واجب ہے یا مستحب ہے یا صرف مباح؟ اس کا تعین دوسرے دلائل کی روشنی میں کیا جائے گا ۔ **وھو اوضح من ان یخفیٰ۔**

سوال: (۲۴۷): کیا اسلام عورت کی سربراہی ، وزارتِ عظمیٰ، صدارت، افواج کی کمانڈرشپ، یا جج ہونے کو حرام قرار دیتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں اہلِ اسلام کے ہاں مشہور یہی ہے اور بظاہر یہی قول منصور بھی ہے ۔ کیونکہ مرد و عورت کی خلقت اور ساخت میں جو نمایاں فرق ہے اور عقلاً و شرعاً ان کے جو الگ الگ وظائف و فرائض مقرر و متعین ہیں، ان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ کام مرد انجام دیں ۔

کیونکہ ان کاموں کی انجام دہی میں مردانگی لازم ہے ۔ عورتوں کی نسوانیت ان فرائض کی کماحقہٗ ادائیگی سے مانع ہے ۔ اور یہ بات ماہرین نفسیات پر عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے ۔ الغرض

ع **ہر کسے را بہر کارے ساختند**

اور ظاہر ہے کہ

ع جس کا کام اسی کو ساجھے

سوال: (۲۴۸): لڑکی پر اس کے ولی کے اختیارات کی حدود کیا ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: لڑکی ہو یا لڑکا، ہر دو پر ولی شرعی (باپ دادا) کا ایک بڑا حق تو یہ ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور اس کا ہر وہ حکم جو خلافِ شرع نہ ہو ، اس کی اطاعت کی جائے ۔ اور تیسرا حق یہ ہے کہ لڑکی اگر کسی سے عقد نکاح کرنا چاہے تو اپنے ولی کی اجازت سے کرے ۔ جیسا کہ مسئلۂ ذیل میں اس کی وضاحت کی جا رہی ہے ۔

سوال: (۲۴۹): ایک بالغ کنواری لڑکی والد یا دادا کی خواہش کے خلاف اگر کسی سے نکاح کرے تو کیا عقد باطل ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے فقہاء و مجتہدین کے فتاویٰ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے ۔ بعض فقہاء نابالغی کی طرح اب بھی سب معاملہ ولی کے ہاتھ میں دیتے ہیں، اور بعض اسے مختار مطلق جانتے ہیں اور جو محقق اور محتاط فقہاء ہیں وہ ولایت مشترکہ کے قائل ہیں ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تنہا لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ باپ دادا کو نظر انداز کر کے محض جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی اقدام کرے اور نہ ہی اس کے ولی شرعی کو یہ حق حاصل ہے کہ بھیڑ بکریوں کی طرح جس کے چاہے گلے میں مڑھ دے ۔ بلکہ صحیح شرعی عقد وہ متصور ہوگا جس میں لڑکی کے جذبات و احساسات کو بھی مدنظر رکھا جائے اور باپ دادا کے تجربات و مشاہدات کو بھی سامنے رکھا جائے ۔

لہٰذا اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ اگر لڑکی لو میرج کرے تو مباشرت سے پہلے ولی کو راضی کرے اور ولی کسی اور جگہ اس کا عقد کرنا چاہے تو پہلے طلاق

حاصل کرے ۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل مع الدلائل قوانین الشریعہ کی دوسری جلد میں دیکھی جاسکتی ہے ۔ واللہ ولی التوفیق ۔

سوال: (۲۵۰): کیا اسلام متعہ کو ایک طبیعی حق قرار دیتا ہے کہ انسان چاہے اس سے استفادہ کرے یا یہ قانون خاص حالات کے لیے ہے ۔ یعنی مشکل کے لئے؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس مسئلہ کی نوعیت بالکل نماز قصر جیسی ہے کہ وہ جس طرح حالت سفر میں اور کفار سے خوف کی وجہ سے قصر ہوتی تھی، اور فتح مکہ کے بعد بعض اصحاب نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تھا کہ اب تو خوف امن کے ساتھ تبدیل ہو چکا ہے تو اب قصر کیوں کریں؟ تو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک تحفہ دیا ہے تو اسے کیوں رد کرتے ہو؟ (تفسیر در منثور)

بلاتشبیہ اسی طرح عقد متعہ میں خاص حالات میں جائز قرار دیا گیا تھا کہ جب مسلمان کئی ہفتوں تک گھر بار سے دور رہتے تھے اور جنسی خواہش کے ہاتھوں ارتکاب گناہ کا اندیشہ ہوتا تھا، تو اس ضرورت کے تحت عقد منقطع مقرر کیا گیا ۔ مگر جب یہ ضرورت باقی نہ بھی رہی تو اسے اپنی اباحت پر برقرار رکھا گیا ہے ۔

لہٰذا اب یہ بطور طبیعی حق کے جائز ہے اور اس سے ہر وقت استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔ بشرطیکہ عزت وآبرو کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو ۔ واللہ العالم ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اکتوبر ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۵۱): کیا ازدواج ایک طبیعی مسئلہ ہے یا کسی خاص مشکل کے حل کے لیے وضع کیا گیا قانون ہے ۔ انسان ابتداء ہی سے چار شادیاں کر سکتا ہے یا کسی عائلی مشکل کے حل کے طور پر اختیار ہے؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عقد و ازدواج کے سلسلہ میں کوئی حد بندی نہ تھی ۔ ایک مرد بے شمار عورتوں سے شادی کر سکتا تھا ۔ مگر اسلام جو دین فطرت ہے، اس نے اس کی چار بیویوں تک حد بندی کر دی ہے ۔ اور یہ ایک فطری و طبیعی امر ہے ۔ جس کے کئی علل و اسباب ہیں:

① شماریات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے ۔

② مرد جنگوں میں زیادہ مرتے ہیں ۔

③ عورت حیض، نفاس اور استحاضہ کی وجہ سے مباشرت کے قابل نہیں ہوتی، جب ایک ہوگی تو کبھی حیض، کبھی نفاس اور کبھی بیماری تو ممکن تھا کہ مرد گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس کے سد باب کے لیے تعدد ازدواج کو اسلام نے جائز قرار دیا ۔

④ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ مرد میں عورت کی نسبت شہوت زیادہ ہوتی ہے ۔

بہر حال ان وجوہ کی بنا پر مردوں کی ضرورت اور عورتوں کی کھپت کے لیے اسلام نے چار شادیوں کی مرد کو اجازت دی ہے ۔ مگر عدل و انصاف کی شرط کے ساتھ ۔ بصورت دیگر ایک ہی زوجہ پر اکتفا واجب ہے ۔

سوال: (۲۵۲): تمام انسان پاک ہیں، چاہے وہ مسلمان ہوں، چاہے کافر ۔ کیونکہ کوئی بھی انسان فطرۃً نجس نہیں ہے ۔ کسی بھی انسان کی ذاتی نجاست کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے ۔ شہید آیت اللہ سید محمد باقر الصدر کی رائے یہی ہے کہ تمام انسان پاک ہیں ۔ حوالہ از دنیائے جواں صفحہ ۲۵۸، آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ ۔ شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر انسان ذاتاً پاک

CS CamScanner

ہے ۔ کیونکہ "کل مولود یولد علیٰ فطرۃ الاسلام" ہاں البتہ جب وہ کفر و شرک کی نجاست سے آلودہ ہوجائے تو پھر اس کی وجہ سے نجس العین ہوجاتا ہے ۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "انما المشرکون نجس" یعنی مشرک نجس ہیں ۔ "فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" ۔ لہٰذا اس سال (فتح مکہ) کے بعد وہ مسجد الحرام کے قریب نہ آئیں ۔ یہی نظریہ ہمارے تمام محقق علماء اعلام کا ہے ۔ تمام مشہور فقہی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں ۔

سوال: (۲۵۳): اہلِ کتاب کے مذبح کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز نکاح کے بارے میں وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ بات ہمارے مذہب میں اجماع و اتفاق کی حد تک ثابت ہے کہ ذبح میں ذابح کا مسلمان ہونا شرط ہے ۔ اور اس شرط پر اخبار کثیرہ دلالت کرتے ہیں ۔

اور جہاں تک اہلِ کتاب سے نکاح کرنے کا تعلق ہے تو وہ بھی عند المحققین جائز نہیں ہے ۔ اس موضوع کی پوری تحقیق قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ میں دیکھی جاسکتی ہے ۔ اور غالباً پہلے بھی ان سوالات میں سے کسی سوال کے جواب میں وضاحت کی جاچکی ہے ۔

سوال: (۲۵۴): آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی مردوں کے مردوں میں اور عورتوں کے عورتوں میں رقص کو مباح سمجھتے ہیں، بشرطیکہ شہوت انگیز نہ ہو ۔ حوالہ کتاب مذکورہ صفحہ ۲۷۶ ۔ آپ کیا وضاحت فرماتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ مرحوم نے اس بات کی نسبت سرکار آیت اللہ الخوئی کی طرف دی ہے ۔ ہم نے براہِ راست ان کی کسی کتاب میں ان کا یہ فتویٰ نہیں پڑھا ۔ یہ عجیب بات ہے کہ فتویٰ جواز کا ہے مگر یہ

شرط عائد کی جاتی ہے کہ وہ (رقص) شہوت انگیز نہ ہو ۔ یہ شرط تو اس (رقص) کو مطلقاً حرام قرار دیتی ہے ۔ کیونکہ ہر رقص ضرور شہوت انگیز ہوتا ہے ۔ کمالایخفیٰ ۔ علاوہ بریں رقص کرنا شرفاء کا کام نہیں ہے ۔

سوال: (۲۵۵): آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا دینی قصیدوں کے اشعار کو موسیقی کے ساتھ سننا جائز ہے؟ جواب ارشاد ہوا جائز ہے ۔ حوالہ کتاب مذکورہ صفحہ ۳۰۲ ۔ آپ شرعی نقطہ نظر کی وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: موسیقی جسے عربی زبان میں غنا، فارسی میں سرود، اردو اور ہندی میں گانا کہا جاتا ہے، یہ مطلقاً حرام ہے ۔ اور محققین کے نزدیک اس کی حرمت ایسی ذاتی ہے کہ زنا کی طرح قابلِ تخصیص بھی نہیں ہے ۔ اور اگر کسی عبادت کے کام میں اس کا ارتکاب کیا جائے تو پھر اس کا عذاب دوگنا ہوتا ہے ۔ اس بات کی مزید تحقیق مشہور فقہی و درسی کتاب المکاسب میں اور میرے رسالہ اصلاح المجالس اور اصلاح الرسوم اور قوانین الشریعہ میں مذکور ہے ۔

سوال: (۲۵۶): موصوف سے سوال ہوا کہ کیا بانسری سننا جائز ہے؟ جواب دیا: اگر غم انگیز موسیقی بجائی جائے تو حرام نہیں ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب اوپر والے سوال (نمبر ۲۵۵) کے جواب سے واضح و عیاں ہے ۔ لہٰذا اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے ۔

سوال: (۲۵۷): سوال ہوا کہ کیا غم انگیز گانوں یا ایسے گانوں کا سننا جائز ہے جو شہوت کو نہ ابھارتے ہوں؟ جواب میں فرمایا کہ اگر گانے کے اشعار باطل اور ایسے کلمات پر مشتمل نہ ہوں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو سننا جائز ہے ۔ (رسالہ مذکور صفحہ ۲۵۵) آپ کیا فرماتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سابقہ سوالوں کے جوابات سے روزِ روشن کی طرح روشن ہے ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب موصوف کی نظر میں غنا فی حد ذاتہٖ حلال ہے ۔

ہاں البتہ بعض عوارض جیسے شہوت کو ابھارنا یا باطل کلمات پر مشتمل ہونا وغیرہ کی وجہ سے حرام ہوتا ہے ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ غنا فی حد ذاتہٖ اپنے ذاتی مفاسد کی وجہ سے حرام ہے ۔لان الغنا آلة الزنا۔

سوال: (۲۵۸): کیا معصومینؑ سے کوئی ایسی ادعیہ جات یا مستند عمل موجود ہے جنھیں بجالا کر بالمشافہ یا خواب میں ان کی زیارت ہوسکتی ہو، یا ہوتی ہو ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: مفاتیح الجنان میں اس قسم کے بعض اعمال مذکور ہیں جن کی برکت سے بعض بزرگوں کی خواب میں زیارت کی جاسکتی ہے ۔آپ بھی آزمائیں ۔شاید قسمت یاوری کرے ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" نومبر و دسمبر ۲۰۱۱ء)

سوال: (۲۵۹): پاکستان میں کئی جگہوں پر مومنین با تمکین آگ پر ماتم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ معجزہ ہے کہ وہ جلتے بھی نہیں ہیں ۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے تو جناب ابراہیمؑ کے واقعہ میں آگ کو گلزار بنانے پر فخر فرمایا ہے ۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اصطلاح شریعت میں معجزہ اس خارق عادت فعل کو کہا جاتا ہے جو خداوند عالم کسی نبی یا وصی کی صداقت وحقانیت ظاہر کرنے کی خاطر ان کے ہاتھوں پر ظاہر فرماتا ہے ۔ جیسے جناب خلیل خداؑ پر آتش نمرودی کا گل و گلزار بنانا، یا جناب موسیٰؑ کے عصا مارنے پر دریا کے بہاؤ کا رک جانا اور راستہ بن جانا وغیرہ ۔

ہاں البتہ اگر کسی مومن کامل کے ہاتھوں پر خدائے قادر وقدیر اس قسم کے فعل کا اظہار کرے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے ۔اور یہ کام جس کا تذکرہ کیا گیا ہے اسے نہ معجزہ کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی کرامت ۔ بلکہ ثقہ شنید یہ ہے کہ ہندو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں ۔ بظاہر تو یہ کسی سفلی عمل کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ۔ واللہ العالم ۔

سوال: (۲۶۰): آپ کے معاصر آپ کے ایک فقرہ لکھنے پر کتاب پر کتاب شائع کرتے ہیں جب کہ مولانا سید علی شرف الدین صاحب نے بھاری اسلحہ استعمال کیا ہے لیکن کسی درد دین رکھنے والے کے کان پر جوں تک نہیں رینگی ۔ کیا وجہ ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو میرے معاصر علماء اعلام تھے وہ یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے ۔ (رضوان اللہ علیہم) جو میری ہر تقریر وتحریر کی پُرزور تائید وتصدیق کرتے تھے ۔ باقی رہے موجودہ دور کے کوتاہ قامت اور مدعیان علم جو کہ میرے خلاف تقریر وتحریر کے ذریعہ یاوہ گوئی کرتے رہتے ہیں، ان میں کچھ تو میرے سبق حرام شاگرد ہیں اور کچھ بونے قد کاٹھ کے نیم ملا خطرہ ایمان قسم کے حاسدین ہیں ۔ جو اپنا قد کاٹھ بڑھانے یا آتش حسد بجھانے کی خاطر یہ محاذ آرائی کرتے ہیں ۔انھیں نہ مخالفین کے حملوں کا جواب دینے کی توفیق ہے اور نہ جناب شرف الدین موسوی صاحب کے مارآستین کی زہریلی تحریروں کا پوسٹ مارٹم کرنے کی ہمت ہے ۔

ہاں البتہ جو حضرات علماء کہلانے کے مستحق ہیں، ان میں سے اکثر وبیشتر کی زبان وقلم پر مصلحتوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں اور جو باقی ہیں وہ ہماری ہمنوائی کرتے ہیں ۔لہٰذا وہ ان حالات میں خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں اور

CS CamScanner

زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ:

؎ سکوتی بیان عذرھا و کلام
و اللہ من وراء القصد

ان حالات میں مَیں اپنے پروردگار سے یہی کہتا ہوں اور مگن رہتا ہوں کہ:

؎ تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

والحمدللہ

سوال: (۲۶۱): دجال حضرت عیسیٰؑ، حضرت امام مہدیؑ اور دیگر سابق بزرگ جن کو رجعت کے عنوان سے واپس زندگی گزارنے کی باتیں کی جاتی ہیں، ان کی قرآن وحدیث سے حقیقت اور کیفیت اور وقت کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس موضوع پر میں نے اپنی کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" باب رجعت میں اور اپنی تفسیر فیضان الرحمن میں عقیدۂ رجعت کے زیرعنوان مکمل بحث کر کے ان امور کی وضاحت کر دی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

سوال: (۲۶۲): کیا کچھ چیزیں بنی اسرائیل پر حرام مطلق تھیں اور ہم پر حلال ہیں؟ کیا انبیاءؑ کی شریعتوں میں فرق تھا؟ کیا شریعتیں بدلتی رہتی ہیں؟ جبکہ علماء فرماتے ہیں کہ قرآنی تعلیمات میں ہے کہ اللہ کے کلمات نہیں بدلتے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: دین دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے:

① اصول وعقائد ② فروع واحکام۔

اصول میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اور نہ ہی ہوسکتی ہے۔ مگر فروع میں ردوبدل اور کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسے شریعت کہا جاسکتا ہے۔ بلاتشبیہ جس طرح زمان ومکان اور لوگوں کے حالات کے تغیر وتبدل سے احکام میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے مگر شریعت اسلامیہ وہ آخری مکمل واکمل نسخہ شفاء ہے کہ اب صبح قیامت کے طلوع ہونے تک اس میں کسی قسم کے ردوبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کما قال الصادق علیہ السلام حلال محمد حلال الیٰ یوم القیامۃ وحرامہ حرام الیٰ یوم القیامۃ-- (اصول کافی)

"لا تبدیل لکلمات اللہ" سے اصول وعقائد مراد ہیں۔ یا فطرت کے قوانین وآئین۔

سوال: (۲۶۳): قرآن سے خصوصاً اور اسلامی تعلیمات سے عموماً اللہ سے ڈائریکٹ رابطے کا تصور ابھرتا ہے۔ جب کہ وسیلہ کو بھی لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے۔ یہ تضاد کیوں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ان دونوں باتوں میں کوئی تباین وتضاد نہیں ہے یعنی عام نیچرل اور طبیعی حالات میں بندہ کا خدا سے ڈائریکٹ تعلق وربط ہوتا ہے، لیکن اگر کسی وقت خدا بندہ کے گناہ وعصیان کی وجہ سے ناراض ہوجائے اور اس کی عرضداشت پر توجہ نہ فرمائے تو پھر اسے راضی کرنے اور منانے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ یہی وسیلہ کا صحیح مفہوم ہے۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ"۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" جنوری ۲۰۱۲ء)

سوال: (۲۶۴): تخلیق کائنات سے پہلے عرش الٰہی پانی پر تھا، قرآن کا نزول، آسمانی کتابوں کا عذاب نزول ارواح کا اوپر بلند ہونا، رحمت وبرکت کا

CS CamScanner

نازل ہونا، فرشتوں اور وحی وغیرہ کا نزول، حضرت عیسیٰؑ کا بلند ہونا، دعا کے لیے ہاتھ بلند کرنا، بار بار نظریں اٹھا کر دعائیں مانگنا، حتیٰ کہ بچوں کے سوال پر کہ اللہ میاں کہاں ہے؟ ماں باپ کا اوپر اشارہ کرنا، اللہ کا چوتھے آسمان پر آ کر بندوں کو رحمت کی دعا کرنے کے لیے پکارنا، مختصر یہ کہ اس سب کچھ سے یہ تصور اُبھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔ ایسا کیوں؟ حقیقت کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ عقیدہ ہمارے عقائد حقہ میں سے بنیادی عقیدہ ہے کہ خداوند عالم لامکان ہے۔ اور ہر قسم جہت وسمت سے منزہ ومبرا ہے۔ یعنی وہ علمی و احاطی طور پر ہر جگہ موجود ہے اور جسمانی و مکانی طور پر کہیں بھی نہیں ہے۔ یہ عوام کالانعام کی غلطی ہے کہ زمین والے سمجھتے ہیں کہ خدا اوپر ہے اور اوپر والے سمجھتے ہیں کہ خدا نیچے ہے۔

حدیث قدسی میں وارد ہے کہ:

لا یسعنی ارضی ولاسمائی بل یسعنی قلب عبدی المومن

میری گنجائش نہ زمین میں ہے اور نہ آسمان میں ہے بلکہ میری گنجائش بندہ مومن کے دل میں ہے۔

اقبال کہتے ہیں:

؎ جنھیں ہم ڈھونڈتے تھے آسمانوں اور زمینوں میں
وہ نکلے آخر اپنے خانۂ دل کے مکینوں میں

بے شک زمین بھی خدا کی ہے اور آسمان بھی خدا کا۔ لیکن علیم و حکیم خدا نے عالم بالا کو خیرات و برکات کا مرکز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: "وفی السماء رزقکم وما توعدون" کہ تمہاری روزی اور جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آسمان میں ہیں۔ (القرآن) جنت بھی آسمانوں

میں ہے۔ (الحدیث) عالمین کے فیصلے بھی عالم بالا میں ہوتے ہیں۔ اس لیے لوگ آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔

نیز یہ بھی سوال میں اشتباہ ہوا ہے کہ خدا خود موجود تھا، یا کسی اور آسمان پر خود آ کر ندا نہیں کرتا...... بلکہ اس کی طرف سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے۔

بہرحال یہ تصور بالکل غلط اور غیر اسلامی ہے کہ خداوند عالم عالم بالا میں رہتا ہے۔ وہ لامکان ہے، لازماً ہے اور لاجہت ہے۔ "لا یکون فی مکان ولا یخلو منہ مکان ذلک اللہ رب العالمین"۔

سوال: (۲۶۵): سات آسمان، سات زمینیں، سات جنتیں اور سات دوزخیں وغیرہ کی حقیقت کیا ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: عقلائی قاعدہ ہے کہ جب ایک بات عقلاً ممکن ہو اور کوئی مخبر صادق اس کے وقوع پذیر ہونے کی خبر دے تو پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ بنابریں جب ارشادِ قدرت ہے: "خلق سبع سماوات ومن الارض مثلھن" (القرآن) کہ خدا نے سات آسمان پیدا فرمائے ہیں اور اتنی ہی زمینیں، تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سات آسمان ہیں اور سات زمینیں۔ مگر جنت وجہنم کی یہ تعداد نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی سرکار محمدؐ وآل محمد علیہم السّلام کے فرمان میں ہے۔

ہاں صرف یہ بات حدیث میں وارد ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات۔ اور جنت کے کلید بردار فرشتہ کو رضوان اور دوزخ کے داروغہ کو خازن کہا جاتا ہے۔ واللہ العالم۔

سوال: (۲۶۶): ادعیہ میں عذاب قبر، فشار قبر وغیرہ کے الفاظ سنتے ہیں، جبکہ آج عوام وخواص سے ان کا انکار سن رہے ہیں۔ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

CamScanner

جواب: باسمہ سبحانہ: عذاب قبر (جسے فشارِ قبر بھی کہا جاتا ہے) برحق ہے (اعاذنا اللہ منہ) اس کے برحق ہونے اور اس کی کیفیت ونوعیت اور اس کے علل واسباب سے کتب علم کلام اور کتب تفسیر وحدیث چھلک رہے ہیں۔ جن کا ایک شمہ ہم نے "احسن الفوائد فی شرح العقائد" میں بیان کر دیا ہے۔ کوئی اہلِ علم اس کے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت بھی ہے اور ضلالت بھی۔ واللہ العالم۔

سوال: (۲۶۷): حروف مقطعات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: قرآن مجید میں حروف مقطعات مذکور ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید خالق کائنات کا کلام معجز نظام ہے۔ اس کا ایک حرف بھی بے معنی اور بے مقصد نہیں ہے۔ مگر علماء اعلام کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ حروف ان متشابہات میں سے ہیں جن کا صحیح مطلب ومفہوم یا خدا سمجھتا ہے یا راسخون فی العلم۔ کما قال اللہ تعالیٰ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم - لہٰذا اس سلسلہ میں "راسخون فی العلم" کی جانب سے جو کچھ ملا ہے علماء نے بھی اور ہم نے بھی اپنی تفسیر فیضان الرحمن میں درج کر دیا ہے۔

؎ میانِ عاشق و معشوق رمزے است
کراماً کاتبیں را هم خبر نیست

سوال: (۲۶۸): عاملین حروف ا ب ج د وغیرہ، یا ۱ ۲ ۳ ۴ وغیرہ حروف "ابجد" و گنتی استعمال کرتے ہیں۔ تعویذ وغیرہ بناتے ہیں۔ ۷۸۶ تو عام مستعمل ہے۔ قرآن وحدیث سے کیا ثابت ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے علیم وحکیم کے کارخانہ

قدرت کی کوئی چیز بھی بے کار نہیں ہے۔ لیکن ان حروف کے بارے میں علوم آلِ محمد علیہم السلام میں نظر قاصر سے کوئی چیز نہیں گزری۔ واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔

سوال: (۲۶۹): نظر بد کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے اثرات کیا ہیں اور دفاع کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: جو کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نظر بد برحق ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے خبیر وقدیر نے بعض افراد کی آنکھوں میں ایسی شعاعیں پیدا کی ہیں کہ وہ جب کسی پسند کی چیز پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اسکے اثر سے وہ چیز متاثر ہوتی ہے اور اسکی تاثیر کے بارے میں یہاں تک احادیث میں وارد ہے کہ نظر بد اُونٹ کو ہانڈی میں اور آدمی کو قبر میں پہنچا دیتی ہے۔ اور اس کا تدارک یہ ہے کہ سورۂ معوذتین پڑھی جائیں۔ اور "ماشاء اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ" پڑھا جائے۔ اس سے اس کا اثر بد زائل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

سوال: (۲۷۰): مابعد الطبیعیات کے معنی، مقصد اور مفہوم اور دائرہ کار کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: طبیعیات ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو انسان کے ظاہری حواس خمسہ سے محسوس ہوں اور مشاہدہ میں آسکیں......

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اشیاء اور وہ حقائق جو مذہب بیان کرتا ہے مگر حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہوتے، جیسے مرنے کے بعد نکیرین کے سوال و جواب، فشار قبر اور عالم برزخ اور قیامت کے واقعات وسانحات اور جنت و جہنم کے حالات وغیرہ وغیرہ۔

انھیں حقائق کے تسلیم کرنے کو قرآن ایمان بالغیب قرار دیتا ہے۔

CS CamScanner

"یومنون بالغیب" کہ مومن و متقی لوگ وہ ہوتے ہیں جو غیب (مابعد الطبیعیات) پر ایمان رکھتے ہیں ۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو چیز عقلاً ممکن ہو (محال اور ناممکن نہ ہو) اور مخبر صادق اس کے وجود کی خبر دے تو پھر اسے تسلیم کرنا عقل مندی ہوتی ہے اور انکار کرنا حماقت اور جہالت قرار پاتا ہے ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" فروری ۲۰۱۲ء)

سوال: (۲۷۱): شریعت بغیر طریقت کے ایک بے معنی شے ہے ۔قرآن و حدیث سے وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: خدا کی بنائی ہوئی، پیغمبر اسلامؐ کی لائی ہوئی، حضرت امیرؑ کی پھیلائی ہوئی، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی بچائی ہوئی شریعت کا نام صرف شریعت اسلام ہے ۔ باقی طریقت اور حقیقت وغیرہ صوفیہ کی خانہ ساز اصطلاحات ہیں، جن کا اسلام و قرآن اور پیغمبر آخر الزمانؐ سے اتنا بھی تعلق نہیں ہے جتنا کھجور کی گٹھلی کا تعلق اسکے چھلکے سے ہوتا ہے ۔

سوال: (۲۷۲): غیبت کیا ہے؟ کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے؟ بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: غیبت جس کا ترجمہ گلہ ہے، یہ مومن کی حرام ہے ۔جس کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ گناہ یا ہر وہ عیب جو کسی مومن میں پایا جاتا ہو، مگر وہ اسے چھپاتا ہو، اور اگر اسے لوگوں میں ظاہر کیا جائے تو اسے برا محسوس ہو، اس کا لوگوں میں برملا ظاہر کرنے کا نام غیبت ہے ۔ اور اگر کوئی گناہ یا عیب کسی بندہ مومن میں نہ پایا جاتا ہو اور وہ اس کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا نام تہمت ہے ۔ جو کہ غیبت سے بھی سنگین تر گناہ ہے ۔اس کی سنگینی کے لیے اتنا ہی

کافی ہے کہ قرآن نے اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف اور حدیث شریف میں اس کو کتوں کی غذا قرار دیا ہے ۔ارشاد ہوتا ہے: "ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ" ۔(القرآن)

اور حدیث شریف میں اس کو کتوں کی غذا قرار دیا گیا ہے ۔"الغیبۃ ادام الکلاب" ۔(وسائل الشیعہ)

لہٰذا اس کی ابتداء بھی حرام ہے اور انتہا بھی حرام ہے اور اس سے اجتناب کرنا واجب ولازم ۔ واللہ الموفق ۔

سوال: (۲۷۳): بُت پرستی کیا ہے؟ کیا بُت بنا کر اگر پوجا جائے تو بُت پرستی ہوگی، یا اس کے مفہوم کو وسعت حاصل ہے؟ گو شکل بُت کی نہ ہو اور اس کی پرستش ہو تو اسے کیا کہیں گے؟ جس طرح ظاہر کے علاوہ نظریاتی، عقلی اور نفسیاتی طور پر ہو تو پھر؟

جواب: باسمہ سبحانہ: شریعت مقدسہ اسلامیہ کے نقطۂ نگاہ سے غیر اللہ پرستی حرام ہے، اور بُت پرستی اس کے اقسام میں سے ایک قسم کا نام ہے ۔ کیونکہ اسلام میں معبود (پرستش کے لائق) صرف اور صرف رب العالمین ہے "لامعبود الا ھو" ...... لہٰذا اللہ سبحانہ کے علاوہ جس کی بھی پرستش کی جائے خواہ بُت کی ہو، گائے کی ہو، گھوڑے کی ہو، اور خواہ جنڈی کی ہو، یا بانس کی، سب شرک جلی ہے ۔اور وہ گناہ کبیرہ ہے جو ناقابلِ بخشش ہے ۔جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "ان اللہ لا یغفر ان یشرك به و یغفر لمن یشاء" (القرآن) اور یہی حکم نظریاتی، عقلی اور نفسیاتی پرستش کا ہے ۔ اور پرستش کا فردِ جلی غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہے ۔"لان السجود لا یکون الا للّٰہ" واللہ الموفق ۔

سوال: (۲۷۴): اسلام میں تصویر کشی اور آج کی جدید وڈیو وغیرہ بنوانا اور

CamScanner

دیکھنا کیا حکم رکھتا ہے، جوکہ قدیم تصویر کشی کی ترقی یافتہ شکل ہے ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اسلام مجموعی طور پر تصویر کشی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، بلکہ حوصلہ شکنی کرتا ہے، اور ہمارے فقہائے کرام مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ہاتھ سے اور وہ بھی قلم کی نوک سے تصویر بنائی جائے تو اس سے اجتناب کرنا چاہیے ۔ اور اگر شیشہ کی طرح صرف عکس لیا جائے تو پھر اسے جائز قرار دیا ہے ۔ اگرچہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت کے بغیر ہر قسم کی تصویر کشی سے اجتناب کیا جائے ۔ ہاں البتہ وڈیو وغیرہ کے طریقہ پر تصویر بنانا جس کی افادیت ناقابلِ انکار ہے، اس کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے ۔ واللہ العالم ۔ اس موضوع پر تفصیل میری کتاب "قوانین الشریعہ" جلد ۲ میں دیکھی جائے ۔ ان شاء اللہ

سوال: (۲۷۵): حضورؐ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں بنوعفرہ کی حکومت ہوگی، وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: سردست اس قسم کی کوئی حدیث اور اس کی تشریح نگاہِ قاصر کے سامنے نہیں ہے، اور متعلقہ کتب کی ورق گردانی کرنے کی فرصت نہیں ہے ۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالك امرًا ۔ واللہ العالم ۔

سوال: (۲۷۶): اکثر سنتے ہیں کہ پل صراط تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہوگی، اس سے گزرنا ہوگا ۔ اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کا وجود ہے یا صرف معنوی حیثیت ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میں نے "احسن الفوائد فی شرح العقائد" میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اور علماء محققین کی تحقیقات کے نتیجہ میں لکھا ہے ۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے مابعد الطبیعیات جن حقائق کا تذکرہ کیا ہے جیسے

جنت و دوزخ، حور وغلمان، میزانِ عدل اور پل صراط وغیرہ ۔ ان کا ظاہر پر رکھنا واجب ہے اور ان کی تاویلات کرنا جائز نہیں ہے ۔

باقی رہا یہ استبعاد کہ پھر اس الصراط سے لوگ کس طرح گزریں گے؟ تو اس کی وضاحت احادیث میں کردی گئی ہے کہ کچھ مومن کامل جو جنت کے مستحق ہوں گے وہ برق لامع کی طرح اس سے گزر جائیں گے، اور کچھ اہل ایمان تیز رو گھوڑے کی مانند اسے عبور کرلیں گے ۔ باقی وہ لوگ جو جہنم کے سزاوار ہوں گے وہ کٹ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے ۔ کیونکہ یہ پل جہنم کے اوپر ہوگی ۔ واللہ العاصم ۔

سوال: (۲۷۷): عام مفہوم تفریح (لہو) حلال کا حکم رکھتی ہے ۔ یہی حال تالیوں کا بھی ہے ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بہت سے متدین حضرات اکثر کیوں ان لوگوں سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں جو کسی شعر، تقریر، یا کسی اور بات کی داد دیتے ہوئے تالیاں بجاتے ہیں ۔ ہم جس طرح کسی بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے درود پڑھتے ہیں، اسی طرح تالیاں کیوں نہیں بجا سکتے؟ یا دونوں کو جمع کیوں نہیں کر سکتے؟ حوالہ کے لیے "دنیائے جواں" از آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ ۔ وضاحت کے طالب ہیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: جو کچھ سوال میں "دنیائے جواں" کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے وہ بالکل بجا ہے ۔ عرف عام میں کسی شاعر کو اس کے عمدہ شعر پر یا کسی مقرر کو اس کی عمدہ تقریر پر داد دینے کا ایک طریقہ تالیاں بجانا بھی ہے ۔ لہٰذا اسے کسی طرح بھی حرام قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ ہاں البتہ متدین طبقہ کے اس طرزِ عمل سے نفرت کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ قرآن مجید میں کفار و مشرکین کی عبادت کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ تھا کہ وہ خانہ کعبہ کے اردگرد سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے ۔ ارشادِ قدرت ہے: ؟"ما کان صلوٰتہم عند البیت

الا مكاء و تصدية " (القرآن) لہٰذا وہ ان لوگوں کی مشابہت سے ڈرتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے داد و تحسین کے موقع پر تالیاں بجانے والے اسے عبادت خدا سمجھ کر تو نہیں بجاتے۔ بلکہ شاعر یا مقرر کی حوصلہ افزائی کی خاطر اور اپنی قلبی مسرت وشادمانی کے اظہار کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ واللہ العالم۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مارچ ۲۰۱۲ء)

سوال: (۲۷۸): افغانستان، عراق، شام اور ایران کے متوقع حالات کے پیش نظر اکثر دانشور امام زمانہؑ کے ظہور کے آثار دیکھ رہے ہیں اور آئے دن ظہور کی گفتگو مقبول ہو رہی ہے۔ قرآن وحدیث سے کیا آثار متوقع ہیں، جبکہ امام کا ظہور ہوگا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: احادیث اہل بیتؑ میں امام زمانہؑ کے ظہور کے جو علائم وآثار بیان کیے گئے ہیں ان میں غور وفکر کرنے سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ علائم الظہور دو قسم کے ہیں: ۔

① ایک وہ ہیں جن کے ظہور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اب امام زمانہؑ کا ظہور قریب ہے۔ اور یہ سینکڑوں علامات ہیں۔ جن میں عراق وایران اور شام کے تازہ رونما ہونے والے حالات بھی شامل ہیں۔

② دوسری وہ علامات ہیں جن کے ظہور کے بعد فوراً امام علیہ السلام کا ظہور موفور السرور ہوگا۔ اور یہ پانچ ہیں:

① ماہِ رمضان المبارک میں خلافِ قاعدہ منجمین کسوف وخسوف ہوگا۔ (خلافِ قانون سورج گہن اور چاند گہن لگے گا)

② مکہ ومدینہ کے درمیان لق و دق صحرا میں غیر معمولی شگاف پڑے گا۔

③ دجال آئے گا۔

④ لشکر سفیانی کی یلغار ہوگی۔

⑤ خانہ کعبہ کے نزدیک ایک حسنی سیدزادہ بے جرم وخطا قتل کیا جائے گا۔

ان پانچ علامات کو علائم حتمیہ کہا جاتا ہے، جبکہ دوسری علامات کو غیر حتمی کہا جاتا ہے۔ (از بشارۃ الاسلام وغیرہ)

سوال: (۲۷۹): اگر سب کچھ پہلے سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے تو پھر کوشش کیوں کی جاتی ہے؟ نیز دُعا کا فلسفہ کیا ہے؟ جب اللہ سب حال و مستقبل سے واقف ہے تو پھر امتحان کیسا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: میں نے اپنی عقائد والی کلامی کتاب "احسن الفوائد" میں قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل جمیل سے ثابت کیا ہے کہ خداوند عالم کے پاس دو قسم کی لوحیں ہیں:

① ایک لوح محو واثبات، جس میں حالات کے تحت محو واثبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب" اللہ تعالیٰ جس لکھی ہوئی چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس نہ لکھی ہوئی کو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے۔ اور اس کا تعلق عالم اسباب کے علل و اسباب اور انسان کی سعی وکوشش سے ہے۔ بیمار علاج کراتا ہے تو صحت مند ہو جاتا ہے، مصیبت زدہ دعا کرتا ہے اور صدقہ دیتا ہے تو مصیبت ٹل جاتی ہے اور ایک غریب ونادار آدمی محنت ومزدوری کرتا ہے تو غربت کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ الغرض ارشادِ قدرت ہے: "لیس للانسان الا ماسعیٰ" ہر شخص کو اتنا ملتا ہے جتنی وہ کد وکاوش کرتا ہے۔

② اور دوسری لوحِ محفوظ ہے، جس میں ہر آدمی کی کد وکاوش اور سعی وکوشش کا آخری نتیجہ وثمرہ درج ہوتا ہے۔

CS CamScanner

اور جہاں تک امتحان لینے کا تعلق ہے تو امتحان صرف اس لیے نہیں لیا جاتا کہ ممتحن کو آدمی کی صلاحیت وعدم صلاحیت کا علم حاصل ہو، بلکہ بعض اوقات اس لیے بھی کسی کا امتحان لیا جاتا ہے تاکہ پاس ہونے والے کی اہلیت وصلاحیت کا عام لوگوں کو بھی علم ہو جائے ۔ خدائی امتحان اسی قسم کا ہوتا ہے ۔ فتدبر ۔

سوال: (۲۸۰): علم اگر اوجِ ثریا پر بھی ہوگا تو ایک عجمی اسے اتارے گا ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: حدیث کے اصل الفاظ یوں ہیں: "لو کان الایمان ملحقاً بالثریا لناله رجال من فارس" اگر ایمان اوجِ ثریا پر معلق ہوتا تو فارس کے کچھ رہنے والے اسے وہاں سے اتار کر لے آتے ۔

(کتاب سلمان محمدی، از محدث نوری)

یہ حدیث جناب سلمان محمدی کی شان میں وارد ہوئی ہے ۔ جیسا کہ جناب محدث نوری اور دیگر علماء کرام نے ثابت کیا ہے ۔

سوال: (۲۸۱): اسلام میں تفریح کا تصور کیا ہے، اور اس کے حدود کیا ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ہر وہ تفریح جس کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو وہ اسلام میں جائز اور مباح ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔

سوال: (۲۸۲): "اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں" (الحدیث) کیا یہ مستند حدیث ہے ۔ ہماری یا اہل سنت کی کتب میں موجود ہو تو حوالہ ارشاد فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ حدیث ہماری کتابوں میں مذکور نہیں ہے ۔ البتہ برادرانِ اسلام کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "واللہ المعطی و انا القاسم" ۔ عطا کرنے والا اللہ ہے مگر تقسیم کرنے

والا میں ہوں ۔ (کنز العمال)

مگر یہ حدیث ضعیف السند ہے اور بنا بر ثبوت اس کا مفہوم یہ ہے کہ عطا و بخشش کرنے والا صرف خدا ہے، مگر وسیلہ میں ہوں ۔ میرے طفیل خدا عطا کرتا ہے ۔

سوال: (۲۸۳): علماء حقہ کو کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے جس سے دین میں مداخلت اور نت نئی بدعت گزاری کا سلسلہ ختم ہو جائے ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: جب تک شیطان اور اس کے چیلے چانٹے زندہ ہیں یہ سلسلہ بالکل ختم تو نہیں ہو سکتا، البتہ اگر علماء کرام بلا خوف لومۃ لائم تقریر وتحریر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں اور ان کا مطمع نظر مخلوق کی بجائے خدائے قدیر وخبیر کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنا ہو تو اس قبیح سلسلہ کو کافی حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے ۔ واللہ الموفق ۔

سوال: (۲۸۴): جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ رسول پاکؐ قرآن پاک کو چھوڑے رکھنے کی اللہ تعالیٰ سے امت کی شکایت کریں گے، جب کہ حضورؐ نے امت کو دو چیزوں سے تمسک کرنے کا حکم دیا تھا ۔ تو اس دوسری چیز کے چھوڑنے کی شکایت کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟

جواب: باسمہ سبحانہ: دونوں کو چھوڑنے کی شکایت کا تذکرہ موجود ہے ۔ ایک کا قرآن میں اور دوسری کا حدیث میں ۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور، نز العمال، ینابیع المودۃ وغیرہ ۔ تفصیل تحقیقات الفریقین میں دیکھی جائے ۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اپریل ۲۰۱۲ء)

سوال: (۲۸۵): کچھ علماء فرماتے ہیں کہ قرآن سمجھ سے بالاتر ہے ۔ اس کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا ۔ کچھ علماء فرماتے ہیں کہ قرآن خود کہتا ہے کہ یہ واضح، مبین اور سمجھ میں آنے والی کتاب ہے ۔ بھلا وہ جن کی ہدایت کے لیے آئی ہے

اگر ان کی سمجھ سے بالاتر ہے تو پھر اس کا فائدہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں کہ اصل مقصد کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اگر دقّت نگاہ سے قرآن مجید میں جیسی جامع اور مکمل کتاب کے جملہ پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح وآشکار ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں دو قسم کی آیات مبارکہ موجود ہیں:

① آیاتِ محکمات ② آیاتِ متشابہات

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔ "آیات محکمات و اخر متشابہات" محکم آیات ان آیات شریفہ کو کہا جاتا ہے جن کا مفہوم ہر وہ شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے جو عربی زبان اور اس کے قواعد وضوابط کو جانتا ہے۔ اور متشابہات ان آیات مبارکہ کو کہا جاتا ہے جن کا اصلی مقصد خدا اور راسخان فی العلم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم

بنا بریں نہ پورا قرآن بالکل آسان ہے اور نہ ہی پورا قرآن ایک معمہ ہے، بلکہ ضرورت کے مطابق اسے عام اہل علم سمجھ سکتے ہیں اور اس کے اصلی معارف و دقائق کو سمجھنے کے لیے نبی و امام کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

انا انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم

اے رسولؐ! یہ قرآن ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے کھول کر بتاؤ کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے؟

اور پیغمبر اسلامؐ کے بعد خدائے علیم و حکیم نے علم قرآن کا وارث ان مخصوص ہستیوں کو قرار دیا ہے جن کو اس نے عام لوگوں سے منتخب کر لیا ہے۔

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا

اور وہ ذواتِ مقدسہ بنص حدیث ثقلین اہل بیتِ نبوت ہیں۔

انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی

(الحدیث)

ولنعم ما قیل:

ؐ محکم کہیں کہیں ، متشابہ تیرا کلام
یا رب عجب یہ راز قُرآں میں بھر دیا
اب تک مفسروں کا الجھنا دلیل ہے
دُنیا کو اہل بیتؑ کا محتاج کر دیا

سوال: (۲۸۶): یہ قرآن مومنین کے لیے شفا ہے۔ کیا آیات یا سورتوں کی تلاوت یا ورد یا وظیفہ یا گھول کر پینا جسمانی بیماریوں اور جن بھوت وغیرہ کے لیے قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ تعویذات وغیرہ جو لکھے جاتے ہیں، خصوصاً قرآن سے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: حقیقت الامر تو یہ ہے کہ قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے۔ (ھدیً للمتقین) اور وہ انسان کی روحانی بیماریوں از قسم کفر وشرک اور نفاق کے ازالہ وعلاج کے لیے نازل ہوئی ہے۔ یہ تعویذات کی کتاب نہیں ہے۔ جیسا کہ پیروں فقیروں نے اسے سمجھ لیا ہے۔ مگر صحیح وارثانِ قرآن سے بعض جسمانی بیماریوں کے ازالہ کے لیے بعض آیات کا پڑھنا، یا بطور تعویذ باندھنا بھی منقول ہے۔

جیسا کہ علماء نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ہم نے بھی اپنی کتاب "زاد المعاد لیوم المعاد" میں ایسی بعض چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور

بعض روایات میں مروی ہے: "خذ منه ما شئت لما شئت" قرآن کی جس سورۃ اور آیت کو چاہو جس جائز مقصد کے لیے چاہو لے لو۔ لہٰذا بعید نہیں ہے کہ قرآن کے معجزہ ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہو کہ اس میں روحانی و جسمانی بیماریوں کی شفاء ہے۔

ونُنزّل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمومنين

بہرحال اس کے نزول کا اصل مقصد دین اسلام کی حقیقت کا بیان اور بیان احکام اور روحانی بیماریوں کا ازالہ اور ان سے شفاء حاصل کرنے کے طریقہ کار کا بیان ہے۔

سوال: (۲۸۷) کیا حضورؐ ظہرین و مغربین کی نمازوں میں ایک اذان اور اقامت کو بعض اوقات اپناتے تھے، یا عصر و عشاء کی اذان جمع بین الصلوتین میں کہلواتے تھے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: جو کچھ سیرت اور تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ بالعموم ہر نماز کو وقت فضیلت پر اذان و اقامت کہہ کر الگ الگ پڑھتے تھے۔ ہاں البتہ گاہ بگاہ اس کا جواز ثابت کرنے کی خاطر دو نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامت سے بھی پڑھا ہے۔

لہٰذا یہ موضوع افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے۔ شیعیانِ علیؑ نے جمع بین الصلوتین کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اور برادرانِ اہل سنت نے اس کو شجرۂ ممنوعہ سمجھ لیا ہے۔ یہ کھلم کھلا افراط و تفریط ہے۔ "ان الصلوٰة كانت على المومنين كتاباً موقوتاً"۔ واللہ الموفق۔

سوال: (۲۸۸): اہل تشیع نے ظہرین و مغربین میں ایک ایک اذان اور دو اقامت کو اپنا شعار بنا لیا۔ اگر ظہر اور مغرب کی نماز کے سجدۂ شکر کے بعد

باقاعدہ اذان کہی جائے تو بہتر ہے اور سنت رسولؐ کے قریب تر ہے، یا کہ ایک اذان اور دو اقامت پر عمل کرنا بہتر ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: ابھی اوپر سوال نمبر ۲۸۷ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ موضوع افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اگر خواہ مخواہ جمع بین الصلوتین کرنا ہی ہے تو وہ طریقہ کار بہتر ہے جس کا آپ نے تذکرہ کیا ہے کہ ہر نماز کیلئے اذان و اقامت کہی جائے۔ واللہ المؤید۔

سوال: (۲۸۹): جب امام زمانہؑ ظہور فرمائیں گے تو کیا وہ اپنے نانا اور بابا کی طرح علیحدہ علیحدہ اذان و نماز پر کثرت سے عمل کریں گے اور جمع بین الصلوتین پر کبھی کبھی عمل کریں گے یا اہل تشیع کی روش اپنائیں گے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے کہ امامؑ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف زمانہ ظہور کے بعد اپنے اب وجد کے طریقہ کار کے مطابق عمل درآمد فرمائیں گے، نہ کہ ہمارے عوام بلکہ خواص کے مطابق۔ **وذالك اوضح من ان يخفىٰ۔**

سوال: (۲۹۰): کیا جس آیت قرآنی کی تفسیر یا تاویل ائمہ معصومینؑ کے توسط سے نہ ہو وہ ہمارے نزدیک یا سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے نزدیک مردود اور ناقابلِ عمل ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: قبل ازیں سوال نمبر ۲۸۶ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ نہ سارا قرآن محکم ہے اور نہ ہی سارا متشابہ ہے، بلکہ کچھ محکم ہے اور کچھ متشابہ۔ اور اگر متشابہ کا مفہوم ائمہ اہل بیتؑ سے منقول نہ ہو تو اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جب تک مذہب کے مسلمات کے خلاف نہ ہو۔ واللہ العالم والعاصم۔

(ماہنامہ "دقائق اسلام" مئی و جون ۲۰۱۲ء)

CS CamScanner

سوال: (۲۹۱): اگر تفسیر قرآن روایات معصومینؑ کے علاوہ نا قابلِ فہم ہے تو وہ آیات جن کے بارے میں روایات نہیں ہیں، ان کا سمجھنا اور ان پر عمل کرنا خود بخود ساقط ہوجائے گا ۔ اس طرح سے ثقل اکبر کے ایک بڑے حصے سے تمسک ناممکن ہوجائے گا ۔ ثقلین سے تمسک نہ ہوگا ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: سابقہ سوالات و جوابات میں کئی بار اس حقیقت کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ نہ تو سارا قرآن ایک معمہ ہے کہ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا، ورنہ اس کا نازل کرنا بے مقصد ہوجائے گا ۔ اور نہ ہی ایسا آسان ہے کہ کسی معلم ربّانی کے پڑھانے کا بھی محتاج نہیں ہے ۔ ورنہ رسولِ اکرم ﷺ کا بھیجنا بے کار ہوجائے گا ۔ بلکہ کچھ محکم ہے جس کا سمجھنا آسان ہے اور کچھ متشابہ ہے جس کا سمجھنا وارثانِ علم قرآن کی تعلیم و تلقین کا محتاج ہے ۔ اور اس حصہ کے بارے میں احادیث معصومینؑ سے دفتر تفسیر و حدیث چھلک رہا ہے ۔ لہٰذا تمسک بالثقلین برقرار رہے گا ۔ ان شاء اللہ ۔

سوال: (۲۹۲): دین میں خود دین سے متعلق شریعت کی مقرر کردہ حدود سے زائد چیزیں داخل کرنا چاہے حسنِ نیت سے ہو تب بھی منع ہے ۔ مگر ایسی اضافی چیزوں کو اکثر علماء مباح کہتے ہیں، یا فرماتے ہیں کہ ان کے نہی کا حکم نہیں ہے، لہٰذا جائز ہے، وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: دین اور شریعت بنانا خدائے رحمن کا کام ہے ۔ نبی و امام بھی شریعت ساز نہیں ہوتے، بلکہ نبی مبلغ دین اور امام اس کا ناشر و محافظ ہوتا ہے ۔ لہٰذا دین وہ ہوگا، اور شریعت وہ ہوگی جو خدا بنائے، نبی پہنچائے، اور امام اس کی نشر و اشاعت کرے اور مشکل وقت آنے پر اپنا تن من دھن قربان کرکے اسے بچائے ۔ لہٰذا کسی کو بھی دین و شریعت میں اضافہ کرنے یا اس میں

کچھ کمی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، بلکہ دین و شریعت میں کمی یا بیشی کرنے کا نام بدعت ہے، جو کبھی ایجابی ہوتی ہے (کچھ بڑھانے سے) یا سلبی ہوتی ہے (کچھ گھٹانے سے) جو کہ بالاتفاق حرام ہے ۔

ہاں البتہ جس چیز کے وجوب یا حرمت یا استحباب یا کراہت کا علم نہ ہو وہ مباح ہوتی ہے ۔

سوال: (۲۹۳): شیطان کی حقیقت کیا ہے؟ شیاطین جن و انس سے ہیں ۔ شیطان اور ان شیاطین میں کیا فرق ہے؟ کیا شیطان حاضر و ناظر ہوکر یا غائب رہ کر وسوسہ ڈالتا ہے...... شیطان یا شیاطین کو کس حد تک قدرت حاصل ہے ۔ شیطان کا سونا، کھانا، اور پینا کیا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ سوال کئی سوالات کا مجموعہ ہے ۔ جن کا مختصر مختصر جواب حاضر ہے ۔

① قرآن سے ثابت ہے کہ شیطان جنات میں سے تھا ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "کان من الجن ففسق عن امر ربه" (وہ جنوں میں سے تھا، پس اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی حکم عدولی کی)

② اور واضح ہے کہ جنات بھی بنی نوع انسان کی طرح ایک مکلف مخلوق ہے ۔ ارشادِ قدرت ہے: "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے)

③ شیطان کا کام انسان کو گمراہ و بدراہ کرنا ہے ۔ لہٰذا جو بھی یہ کام کرے خواہ وہ جن ہو یا انسان، وہ شیطان ہے ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس" ۔ یعنی جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے (اور گمراہ کرے) وہ شیطان ہے، خواہ جنوں میں

CS CamScanner

سے ہو یا انسانوں میں سے ۔

④ بڑے شیطان اور ان شیاطین میں یہ فرق ہے کہ وہ ان کا باوا آدم ہے اور باقی اس کی اولاد ہے ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم" شیطان ایک نہیں ہے تاکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہو، بلکہ ہر شخص کیلئے شیطان الگ ہے جو ان کو گمراہ کرتا ہے ۔

⑤ اور جہاں تک شیطان و شیاطین کی قدرت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صرف گناہ کی دعوت دیتے ہیں، اب اس دعوت کو قبول کرنا یا رد کرنا انسان کا اختیاری فعل ہے ۔ قرآن سے ثابت ہے کہ شیطان قیامت کے دن اپنے پجاریوں سے ہے گا: (لاتلومونی بل لوموا انفسکم... دعوتکم فاستجبتم لی......" میری ملامت نہ کرو، بلکہ اپنی ملامت کرو ۔ میں نے تو تمھیں گناہ کرنے کی دعوت دی تھی لبیک تم نے خود کہی تھی ...... لہٰذا وہ آدمی کو گناہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ دعوت گناہ دینا شیطان کا کام اور قبول کرنا انسان کا کام ہے ۔ واللہ الموفق ۔

سوال: (۲۹۴): قرآن کریم کی سورہ احزاب آیت ۵۹ کے تحت پیغمبر اکرمؐ کی چار بیٹیاں تھیں، جن میں دو کو یکے بعد دیگرے خلیفہ سوم کے عقد میں دیا، جن کی نہج البلاغہ سے تائید ہوتی ہے ۔ وضاحت فرمائیں ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: پیغمبر اسلامؐ کی ایک بیٹی تھی یا چار بیٹیاں تھیں؟ یہ تاریخی بات ہے، جس کا دین کے نہ اصول سے کوئی تعلق ہے نہ فروع دین سے ۔ قرآن مجید میں جہاں زیادہ بیٹیوں کو بنات کہا گیا ہے وہاں ایک بیٹی کو بھی بنات کہا گیا ہے ۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: "حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم" لہٰذا جس طرح باپ کے لیے زیادہ بیٹاں حرام ہیں وہاں ایک بیٹی بھی

حرام ہے ۔ اور نہج البلاغہ میں بھی حقیقی اور ربیبہ بیٹیوں کی وضاحت نہیں ہے ۔

سوال: (۲۹۵): سیّد غیر سیّد سے افضل ہے ۔ یہ منطق قرآن کریم کی کثیر آیات و روایات کے خلاف ہے ۔ اگر ایسی کسی حدیث سے استناد کیا جائے تو ممکن ہے کسی فاسق و فاجر شرابی سیّد نے اپنی فضیلت میں گھڑی ہو ۔ لہٰذا ایسی کوئی حدیث قرآنی آیات اور پیغمبر اکرمؐ کی روایات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ایسی سوچ رکھنے والے شخص کے بارے میں کہا جاسکتا ہے:

ے قل للذی یدعی فی العلم فلسفۃ

حفضلت شیئا و غابت عنک اشیاء

اگر گہرے غور وفکر کے ساتھ قرآنی آیات اور معصومی روایات کو پڑھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ نسبت کے ادل بدل سے احکام میں ادل بدل ہوجاتا ہے ۔ مثلاً شرعی حکم یہ ہے کہ فاسق و فاجر آدمی کا احترام نہ کیا جائے ۔ لیکن اگر کسی شخص کے ماں باپ فاسق و فاجر ہوں، بلکہ اگر کافر بھی ہوں تو وہ اس کے لیے قابلِ احترام ہیں ۔ "وصاحبھما فی الدنیا معروفا" اسی طرح پیغمبر اسلامؐ کی بیویاں جن کی آپ سے سببی اور عارضی قرابت داری ہے ان کے بارے میں ارشاد قدرت ہے: "یا نساء النبی لستن کاحد من النساء" اے رسول کی بیویو! تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو ۔

آگے وضاحت موجود ہے کہ اگر تم نیک عمل کروگی تو دوگنا اجر دیا جائے گا اور اگر کوئی برا کام کروگی تو تمھیں سزا بھی دوگنی دی جائے گی تو ساداتِ کرام کی تو سرکار محمد و آل محمد علیھم السلام سے خونی اور نسبی قرابت داری ہے تو اس نسبت کی وجہ سے ان کا احترام و اکرام کیوں نہیں کیا جائے گا؟ اور ان کا عذاب

CS CamScanner

وثواب کیوں دوگنا نہ ہوگا؟ جیسا کہ اصول کافی وغیرہ میں اس قسم کی روایاتِ معتبرہ موجود ہیں۔ "لمحسنتا کفلان من الثواب ولمسیئنا کفلان من العذاب"۔ واللہ الہادی۔ (ماہنامہ "دقائق اسلام" جولائی ۲۰۱۲ء)

سوال: (۲۹۶): آیاتِ قرآنی سے ثابت ہے کہ انسان کے نسب کی کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ انسان کی برگشت حسب قرآن مٹی کی طرف ہے۔ قیامت کے دن ہر حسب ونسب ختم ہوجائے گا سوائے میرے حسب ونسب کے (الحدیث)۔ وضاحت فرمائیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ سادات یا امت؟

جواب: باسمہ سبحانہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام میں اخروی فوز و فلاح پانے اور جاگیر جنت الفردوس حاصل کرنے کا دارومدار ایمان وعمل صالح پر ہے، نہ کہ حسب ونسب پر۔ مگر یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ نسبت کے ادل بدل سے احکام میں ادل بدل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ سوال نمبر ۲۹۵ کے جواب میں واضح کیا جاچکا ہے۔

مثلاً شرعی حکم یہ ہے کہ فاسق وفاجر آدمی کا اکرام واحترام نہ کیا جائے لیکن اگر کسی شخص کے ماں باپ فاسق وفاجر ہوں بلکہ اگر کافر بھی ہوں تو اس کے لیے قابلِ صد احترام ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "وصاحبھما فی الدنیا معروفا" (القرآن) اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویوں کے بارے میں ارشادِ قدرت ہے: "یانساء النبی لستن کاحد من النساء......" اے رسولؐ کی بیویو! تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ کیونکہ تمہاری پیغمبر اسلامؐ سے نسبت ہوگئی ہے۔ گو وہ سببی اور عارضی ہے۔ مگر سادات کرام کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف خونی اور نسبی قرابت داری ہے۔

لہٰذا اس کی وجہ سے قیامت کے دن بھی ان کی نسبت حضرت رسولِ خدا

ﷺ سے قطع نہ ہو تو اس میں کیا جائے تعجب ہے؟ واضح رہے کہ یہ حدیث سنی وشیعہ کتب تفسیر وحدیث میں مذکور ہے۔

سوال: (۲۹۷): ہمارے بروں کا ہمارے لیے اور ہمارے اچھوں کا خدا کے لیے احترام کرو۔ الحدیث۔ مولانا ...... نے اس حدیث کو قرآن وفرمان رسولؐ کے خلاف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ عدل خداوندی کے خلاف ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مولانا نے غور وفکر کے ساتھ قرآن اور نبی اعظمؐ کے فرمان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ورنہ ایسا فتویٰ جاری نہ کرتے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا" اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی چیز کی نسبت بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ بے شک ایک فاسق وفاجر شخص کی تعظیم کی بجائے شرعی حکم ہے کہ اس کی توہین کی جائے لیکن مولانا صاحب کے والدین اگر فاسق وفاجر بلکہ کافر بھی ہوں تو وہ ان کا احترام کریں گے یا ان کی توہین کرتے ہوئے ان کو لتر ماریں گے؟

ع بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

بنا بریں اگر کسی فاسق کی نسبت کسی بزرگ بندے سے ہوجائے، اس کے بزرگ ہونے کی وجہ سے واجب الاحترام قرار پاتا ہے۔ تو اگر کسی بندہ کی نسبت ہوجائے سرکار محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کی طرف خُرد ہونے کی تو وہ کیوں کر لائق اکرام نہیں ہوتا؟ اس میں قرآن وسنت کے احکام کی کونسی خلاف ورزی ہے؟ "یاسعد الابل"۔

سوال: (۲۹۸): پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے شیطان نے میرے ہاتھوں پر اسلام قبول کرلیا ہے۔ اس کی وضاحت کیا ہے؟ یہ کونسا شیطان تھا۔ کیا

CS CamScanner

اس سے مراد شیطانِ رجیم ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ: یہ روایت برادرانِ اسلام کی ہے۔ وہی اس کا مطلب بہتر جانتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس قسم کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ نیز واضح ہو کہ شیطان رجیم ایک ہے جو تمام شیاطین کا باوا آدم ہے۔ ویسے اس کے بچونگڑے کروڑوں کی تعداد میں ہیں، جن کو شیطان کا قبیلہ یا شیاطین کہا جاتا ہے۔ "یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم ......ان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیاءھم" جو بنی آدم کی تعداد کے برابر ہیں۔ بلکہ اگر زیادہ نہیں ہیں تو کم بھی نہیں ہیں۔ الغرض جو شیطان ہے اس کے اسلام لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال: (۲۹۹): نہج البلاغہ وصحیفہ کاملہ کی جملہ عبارات حدیث معصوم کا مقام رکھتی ہیں کیا ان ہر دو کتب کی مکمل عبارات مستند حدیث کا درجہ رکھتی ہیں۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ: ہاں علماء اعلام کا یہی نظریہ ہے کہ نہج البلاغہ کا ہر خطبہ بلکہ ہر ہر جملہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی زبان حق ترجمان سے نکلا ہوا ہے۔ اور صحیفہ کاملہ کی ہر ہر دعا بلکہ ہر دعا کا ہر ہر فقرہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زبان حق ترجمان سے نکلا ہوا ہے۔ اور اس موضوع پر ہمارے بعض محقق علماء نے بعض مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں یہ حقیقت ثابت فرمائی ہے۔ شکر اللہ سعیھم۔

سوال: (۳۰۰): تفسیر و وسائل اور دیگر کتب احادیث کے تراجم وحواشی و تاریخ اور علم کلام ومناظرہ سے متعلق کتب جو آپ کے قلم سے سامنے آ چکے ہیں قابلِ صد تحسین ہیں، اور آج علمی حلقے ان کی ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور

ہیں۔ کتاب موجودہ زیر قلم کتاب عملیات کے بعد یا ساتھ نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ یا اسی نہج کے کسی علمی وادبی تحقیقی کام کی منصوبہ بندی زیر غور ہے؟ شکریہ

جواب: باسمہ سبحانہ: میری کتب کی پذیرائی کا شکریہ، میری عادت ہے کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ ان موضوعات پر کام کیا جائے جن پر بالکل کام نہیں ہوا۔ یا ناقص ہوا ہے۔

لیکن نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ پر بڑا کام ہو چکا ہے، بالخصوص حضرت مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم کے تراجم وشروح کے بعد میں اس موضوع پر مزید کچھ کام کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ عملیات والی کتاب یعنی "زادالعباد" کے بعد اور بعض کتابیں سپرد قلم وقرطاس کر چکا ہوں جیسے:۔

① "تنزیہ الامامیہ در جواب رسالہ مذہب شیعہ وتحفۂ حسینیہ"۔
② "اقامت البرہان علیٰ بطلان التصوف والعرفان"۔
③ "تحفۃ الآفاق فی علم الاخلاق" وغیرہ

والحمدللہ اور بھی علمی منصوبے زیر نظر ہیں۔ ؏

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں اپنا

والحمدللہ علیٰ احسانہٖ

(ماہنامہ "دقائق اسلام" اگست ۲۰۱۲ء)

نظر ثانی ۲۱ ستمبر ۲۰۱۹ء

نیوپورٹ (انگلینڈ)

CS CamScanner